پارلیمنٹ بازارِ حسن

پاکستانی سیاستدانوں کے شرمناک سیکنڈلز کی ہوشربا تفصیلات



نام کتاب	:	پارلیمنٹ سے بازار حسن تک
مصنف	:	ظہیر احمد بابر
مشیران قانونی	:	غلام مصطفےٰ چوہدری
	:	(ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)
	:	
پرنٹر	:	گنج شکر پرنٹرز لاہور
سن اشاعت	:	اپریل 2000ء
قیمت	:	170 روپے

ٹیپو برادرز

آئینہ

انتساب

آئین پاکستان

کے

آرٹیکل 62 اور 63

کے نام

؎ مجھ کو بھی پڑھ کتاب ہوں، مضمون خاص ہوں
مانا تیرے نصاب میں شامل نہیں ہوں میں

آئین پاکستان کے آرٹیکل 62 اور 63 کا اردو ترجمہ

آرٹیکل 62۔ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کی رکنیت کے لئے اہلیت

کوئی شخص مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا اہل نہیں ہوگا اگر ......

(الف) وہ پاکستان کا شہری نہ ہو۔ (ب) وہ قومی اسمبلی کی صورت میں، پچیس سال سے کم عمر کا ہو اور اس اسمبلی میں کسی مسلم یا غیر مسلم نشست کے لئے جیسی بھی صورت ہو' انتخاب کے لئے انتخابی فہرست میں ووٹر کی حیثیت سے درج نہ ہو۔ (ج) وہ سینٹ کی صورت میں تیس سال سے کم عمر کا ہو اور کسی صوبے میں کسی علاقے میں یا جیسی بھی صورت ہو' وفاقی دارالحکومت یا وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات میں جہاں سے وہ رکنیت چاہتا ہو' بطور ووٹر درج نہ ہو۔ (د) وہ اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور عام طور پر احکام اسلام سے انحراف میں مشہور ہو۔ (ہ) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ رکھتا ہو اور اسلام کے مقرر کردہ فرائض کا پابند نیز کبیرہ گناہوں سے مجتنب نہ ہو۔ (و) وہ سمجھدار' پارسا نہ ہو اور فاسق ہو اور ایماندار اور امین نہ ہو۔ (ز) کسی اخلاقی پستی میں ملوث ہونے یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزا یافتہ ہو۔ (ح) اس نے قیام پاکستان کے بعد ملک کی سالمیت کے خلاف کام کیا ہو

یا نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ پیرا (د) اور (ہ) میں مصرحہ نااہلیتوں کا کسی ایسے شخص پر اطلاق نہیں ہوگا جو غیر مسلم ہو، لیکن ایسا شخص اچھی شہرت کا حامل ہوگا اور (ط) وہ ایسی دیگر اہلیتوں کا حامل نہ ہو جو مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ایکٹ کے ذریعے مقرر کی گئی ہوں۔

تشریح

فروری 1985ء میں ملک بھر میں قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے جو غیر جماعتی انتخابات منعقد ہوئے تھے اس ضمن میں الیکشن کمیشن نے 12 جنوری 1985ء کو امیدواروں کی اہلیت کے لئے انتخابی قواعد و ضوابط کا اعلان کیا تھا اور اس بات پر زور دیا تھا کہ جب تک کوئی امیدوار مقررہ شرائط پر پورا نہیں اترتا اس وقت تک اسے قومی و صوبائی اسمبلی یا سینٹ کے انتخاب میں حصہ لینے کا حق نہ ہوگا۔ ان قواعد و ضوابط کی پابندی کا مقصد یہ تھا کہ انتخابات کے ذریعے ایسے افراد سامنے آئیں جو اپنی خواہشات کو قابو میں اور ملکی مفاد کو ہر چیز پر ترجیح دیں۔ تاکہ ملکی استحکام کو یقینی بنایا جائے۔ اسی بنا پر دفعہ ہذا میں ترمیم کرکے مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے اہلیت پر مزید شرائط کو شامل کیا گیا ہے۔ اس کے مطابق کوئی بھی شخص ان شرائط کے ساتھ مجلس شوریٰ کا رکن منتخب ہونے یا چنے جانے کا اہل نہیں ہو سکتا یعنی (الف) پاکستان کا شہری نہ ہو۔ اس کے لئے جائے پیدائش وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے یعنی ایک شخص بھارت میں پیدا ہوا تھا لیکن تقسیم کے بعد پاکستان آگیا اور اس نے پاکستان کی شہریت حاصل کرلی وہ انتخاب میں حصہ لینے کا اہل ہے۔ (ب) قومی اسمبلی کا رکن بننے کے لئے پچیس سال سے کم ہو اور اس اسمبلی میں کسی مسلم یا غیر مسلم نشست کے لئے جیسی بھی صورت ہو انتخاب کے لئے اس کا نام انتخابی فہرست میں ووٹر کی حیثیت سے درج نہ ہو۔ (ج) سینٹ کے امیدوار کی صورت میں تیس سال سے کم عمر کا ہو اور اس کا نام کسی صوبے میں، کسی علاقے میں یا جیسی بھی صورت ہو وفاقی دارالحکومت یا وفاق کے زیر انتظام قبائلی علاقہ جات میں جہاں سے وہ رکنیت چاہتا ہو بطور ووٹر درج نہ ہو۔ (د) اچھے کردار کا حامل نہ ہو اور اسلامی تعلیمات کے منافی کام کرنے کی

شہرت رکھتا ہو۔ (ہ) وہ اسلامی تعلیمات کا خاطر خواہ علم نہ ہو اور وہ اسلام کے مقرر کردہ فرائض کی پابند نیز کبیرہ گناہوں سے اجتناب نہ کرتا ہو۔ (و) وہ سمجھدار، پارسا ہو اور فاسق ہو اور ایماندار اور امین بھی نہ ہو۔ (ز) کسی اخلاقی جرم کے ارتکاب یا جھوٹی گواہی دینے کے جرم میں سزا یافتہ ہو۔ (ح) قیام پاکستان کے بعد ملکی سالمیت اور استحکام کی مخالفت کرتا رہا ہو یا نظریہ پاکستان کا مخالف ہو اور دل و جان سے پاکستان کو نہ چاہتا ہو۔ نوٹ: پیرا (د) اور (ہ) کا اطلاق غیر مسلموں پر نہیں ہوتا تاہم ان کے اچھے کردار کا حامل ہونا ضروری ہے۔ (ط) مجلس شوریٰ کے ایکٹ کے تحت اہلیت کی جو شرائط مقرر کی گئی ہیں ان پر پورا نہ اترتا ہو۔

ایک اسلامی ملک کے ناطے سے مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لئے جو شرائط مقرر کی گئی ہیں ان پر اگر پوری طرح سے عمل درآمد ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان میں ایک مثالی معاشرہ قائم نہ ہو سکے۔

آرٹیکل 63۔ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کی رکنیت کے لئے نااہلیت

(1) کوئی شخص مجلس شوریٰ پارلیمنٹ کے رکن کے طور پر منتخب ہونے یا چنے جانے اور رکن رہنے کے لئے نااہل ہوگا، اگر

(الف) وہ فاترالعقل ہو اور کسی مجاز عدالت کی طرف سے ایسا قرار دیا گیا ہو۔ یا (ب) وہ غیر بریت یافتہ دیوالیہ ہو یا (ج) وہ پاکستان کا شہری نہ رہے اور کسی دوسری ریاست کی شہریت حاصل کرے۔ یا

(د) وہ پاکستان کی ملازمت میں کسی منفعت بخش عہدے پر فائز ہو۔ ماسوائے ایسے عہدے کے جسے قانون کے ذریعے ایسا عہدہ قرار دیا گیا ہو، جس پر فائز شخص نااہل نہیں ہوتا۔ یا

(ہ) اگر وہ ایسی آئینی ہیئت یا کسی ایسی ہیئت کی ملازمت میں ہو جو حکومت

کی ملکیت یا اس کے زیر نگرانی ہو یا جس میں حکومت تعدیلی یا حصہ یا مفاد رکھتی ہو۔ یا

(د) شہریت پاکستان ایکٹ 1951ء (نمبر2 بابت 1951ء) کی دفعہ 14-ب کی وجہ سے پاکستان کا شہری ہوتے ہوئے اسے فی الوقت آزاد جموں و کشمیر کی قانون ساز اسمبلی کا رکن منتخب ہونے کے لئے نااہل قرار دے دیا گیا ہو۔ یا

(ز) وہ کسی ایسی رائے کی تشہیر کر رہا ہو یا کسی ایسے طریقے پر عمل کر رہا ہو جو نظریہ پاکستان یا پاکستان کے اقتدار اعلیٰ سالمیت یا سلامتی یا اخلاقیات یا امن عامہ کے قیام یا پاکستان کی عدلیہ کی دیانتداری یا آزادی کے لئے مضر ہو یا جو پاکستان کی مسلح افواج یا عدلیہ کو بدنام کرے یا اس کی تضحیک کا باعث ہو۔ یا

(ح) اسے کسی ایسے جرم کے لئے سزایابی پر' جس میں چیف الیکشن کمشنر کی رائے میں اخلاقی پستی ملوث ہو' کم از کم دو سال کے لئے قید کی سزا دی گئی ہو' تاوقتیکہ اس کی رہائی کو پانچ سال کی مدت نہ گزر چکی ہو۔ یا

(ط) اسے پاکستان کی ملازمت سے غلط روی کی بنا پر برطرف کر دیا گیا ہو تاوقتیکہ اس کی برطرفی کو پانچ سال کی مدت نہ گزر گئی ہو۔ یا

(ی) اسے پاکستان کی ملازمت سے غلط روی کی بنا پر ہٹا دیا گیا ہو یا جبری طور پر فارغ الخدمت کر دیا گیا ہو' تاوقتیکہ اس کے ہٹائے جانے پر یا جبری طور پر فارغ خدمت ہونے کو تین سال کی مدت نہ گزر گئی ہو۔ یا

(ک) وہ پاکستان کی یا کسی آئینی ہیئت یا کسی ہیئت کی جو حکومت کی ملکیت یا اس کے زیر نگرانی ہو یا جس میں حکومت تعدیلی حصہ یا مفاد رکھتی ہو' ملازمت میں رہ چکا ہو' تاوقتیکہ اس کی مذکورہ ملازمت کو ختم ہوئے دو سال کی مدت نہ گزر گئی ہو۔ یا

(ل) اسے فی الوقت نافذالعمل کسی دیگر قانون کے تحت کسی بدعنوانی یا غیر قانونی حرکت کا مجرم قرار دیا جائے۔ تاوقتیکہ اس تاریخ کو جس پر مذکورہ حکم موثر ہوا ہو' پانچ سال کا عرصہ نہ گزر گیا ہو۔ یا (م) وہ سیاسی جماعتوں کے ایکٹ 1962ء (نمبر3 بابت 1962ء) کی دفعہ 7 کے تحت سزایاب ہو چکا ہو' تاوقتیکہ مذکورہ سزایابی کو پانچ سال کی مدت نہ گزر گئی ہو۔ یا (ن) وہ بذات خود یا اس کے مفاد میں یا اس کے

فائدے کے لئے' یا اس کے حساب میں یا کسی ہندو غیر منقسم خاندان کے رکن کے طور پر کسی شخص یا اشخاص کی جماعت کے ذریعے' کسی معاہدے میں کوئی حصہ یا مفاد رکھتا ہو' جو انجمن امداد باہمی اور حکومت کے درمیان کوئی معاہدہ نہ ہو' جو حکومت کو مال فراہم کرنے کے لئے' اس کے ساتھ کئے ہوئے کسی معاہدے کی تکمیل یا خدمات کی انجام دہی کے لئے ہو:

مگر شرط یہ ہے کہ اس پیرے کے تحت نااہلیت کا اطلاق کسی شخص پر نہیں ہو گا۔ (اول) جبکہ معاہدے میں حصہ یا مفاد اس کو وراثت یا جانشینی کے ذریعے یا موصی لہ' وصی یا منتظم ترکہ کے طور پر منتقل ہوا ہو' جب تک اس کو اس کے اس طور پر منتقل ہونے کے بعد چھ ماہ کا عرصہ نہ گزر جائے۔ (دوم) جبکہ معاہدہ کمپنیات آرڈیننس 1984ء (نمبر47 مجریہ 1984ء) میں تعریف کردہ کسی ایسی کمپنی عامہ نے کیا ہو یا اس کی طرف سے کیا گیا ہو' جس کا وہ حصہ دار ہو' لیکن کمپنی کے تحت کسی منفعت بخش عہدے پر فائز مختار انتظامی نہ ہو۔ یا (سوم) جبکہ وہ ایک غیر منقسم ہندو خاندان کا فرد ہو اور اس معاہدے میں جو خاندان کے کسی افراد نے علیحدہ کاروبار کے دوران کیا ہو' کوئی حصہ یا مفاد نہ رکھتا ہو۔



پارلیمنٹ سے بازار حسن تک

ایک طوائف سے ہوئی کل گفتگو
تھی بھی ظالم جواں اور خوب رو
فلم میں کردار کرتی تھی ادا
شہر میں چرچا تھا اس کے حسن کا
ایک لیڈر ہو گیا اس پہ فدا
فلمی صنعت سے بھگا کر لے گیا
شوق سے اس کو بنایا داشتہ
بخشی موٹر کار، بنگلہ لے دیا
وہ رہا شادی کا وعدہ ٹالتا
پر رہا بچی کو اس کی پالتا
اس طوائف کی تھی بس یہ آرزو
مان لے لیڈر کی ماں اس کو بہو
ہونے والی ساس مرتے مر گئی
لیکن اس کا حق نہ وہ دے کر گئی
ہو گئی لیڈر کی بچی بھی جواں
ماں کو تھی اب فکر رشتہ ہو کہاں
اس نے اس کو رقص کی تعلیم دی
اپنے ہی پیشے کی پھر تعظیم کی
اس کا عاشق دلدادہ ہو گیا
رنڈی کا احساس زندہ ہو گیا
باپ کا قرضہ دیا اس نے چکا
بن گئی بیٹی کسی کی داشتہ

(ریاض الرحمن ساغر)

خفیہ شادی؟

شادی کرنا کوئی جرم نہیں ہے مگر خفیہ شادی کو اسلام شادی نہیں کہتا' یہ ناجائز تعلقات ہیں اور ایسے تمام نکاح شریعت کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ نکاح کی بنیادی شرط رضامندی اور اس کا سرعام اعلان ہے' صرف جرم خفیہ ہوتے ہیں اور چھپا کر کئے جاتے ہیں۔ نیک کام میں تاخیر کیسی اور شرمندگی کیوں؟ شرمندگی اور اخفاء خود اس بات کی علامت ہے کہ نکاح کا نام لے کر سنگین جرم کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔

کون ہے کتنا گنہگار کہوں یا نہ کہوں؟

ہمارے ہاں عام طور پر جنسی آزادی و بے راہ روی کو انتہائی برا خیال کیا جاتا ہے اور اس معاملے میں ہم یورپ و امریکہ کو ملعون و معتوب قرار دینے سے بھی نہیں چوکتے۔ کہ وہ "سیکس فری" ممالک ہیں۔ یہ سب بجا اور درست مگر کیا ہم نے جذباتی باتوں اور بے سروپا نعروں سے ہٹ کر گرد و پیش کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے گریبان میں بھی جھانکنے کی کوشش کی ہے۔ شاید نہیں بلکہ بالکل بھی نہیں۔ شاید ہم میں خود اعتمادی کا مادہ ہی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکی و یورپی ممالک کی طرح ہم پر گزشتہ نصف صدی سے زائد عرصہ تک مسلط رہنے والے حکمران و سیاست دان جنسی بے راہ روی کا شکار رہے ہیں۔ باون سالہ تاریخ کے ابتدائی برسوں میں ان رنگیلا شاہانہ مزاج اور راسپوٹانہ سرشت رکھنے والے حکمرانوں کے اکا دکا جنسی سکینڈل سامنے آئے۔ تاہم گزشتہ دو دہائیوں سے اس نوعیت کے سکینڈلز کی تعداد میں قابل ذکر اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ "سیکس فری" کہلانے والے مغربی ممالک میں ایسے واقعات پر پوری کی پوری حکومتیں الٹ جایا کرتی ہیں اور اکثر ملزم وزراء اور وزیر اعظم استعفیٰ یا سیاست چھوڑ کر اپنی جان بچاتے ہیں۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا' دنیا کی واحد سپرپاور امریکہ کے صدر بل کلنٹن کی "مونیکا سکینڈل" میں رسوائی کو پوری دنیا نے دیکھا۔ جس میں بات مواخذہ تک جا پہنچی تھی۔ مگر ہمارے ہاں صورت حال یکسر مختلف ہے۔ جس سیاست دان کے جتنے سکینڈلز سامنے آتے ہیں۔ وہ اتنا ہی زیادہ مقبول ہو جاتا ہے۔ سب معاشرتی اقدار اپنی اپنی جگہ دم توڑ جاتی ہیں۔ اسلامی نظریاتی ملک کے ان لیڈران اور ان کے "چیلوں" کے "روشن کردار" کے بارے

میں اس کتاب میں پردہ اٹھایا گیا ہے۔ جو اپنی جنسی آزادی و بے راہروی کے باوجود حکومت کرتے رہے۔

مگر یاد رہے! کہ یہ کتاب نہ تو ہندی دیو مالا کے کوک شاستر کا تسلسل ہے اور نہ ہی گھٹیا جنسی تسکین کا کوئی ذریعہ۔ بلکہ یہ کتاب آئینہ خانہ ہے' ان سیاست دانوں کا جن کا ہر عمل پبلک پراپرٹی کے زمرے میں آتا ہے۔ جن کے بارے میں عموی تاثر یہ ہے کہ ان کا کردار ملکی استحکام کی عمارت کے لئے اساس کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک طرف وہ خود کو خلفائے راشدین" کی روایات کا امین قرار دینے میں فخر محسوس کرتے ہیں مگر دوسری طرف ان کے دامن تاریک شب سے بھی زیادہ سیاہ ہیں اور جو "ارنے سانڈ" کی مانند خود کو کسی قانون یا ضابطہ کا پابند تصور نہیں کرتے۔

اس صورت حال کو مد نظر رکھتے ہوئے محترم آغا شورش کاشمیری نے بالکل بجا فرمایا تھا کہ "میرے پاس تلوار ہوتی تو سیاسی کھوپڑیوں کی فصل کاٹتا کہ پک چکی ہے' میرے پاس صرف قلم ہے اور میں نے اس عورت کے زخم پیش کئے ہیں جس کا روپ عیاش انسانوں کے قصوں کی دستبرد میں ہے۔"

اس کتاب کی تیاری کے دوران کئی بار ایسے مراحل آئے کہ دل اچاٹ ہو جاتا اور یہ احساس جاگنے لگتا کہ جب پوری قوم سر جھکائے اطاعت کرنے کو تیار ہے تو پھر تمہیں حرف بغاوت بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ دوست بہت یاد آرہے ہیں جن کی پرخلوص محبت نے مجھے ایسے مواقع پر مایوس و دلبرداشتہ ہونے سے بچائے رکھا۔ میں ان کی بے پناہ محبتوں کا مشکور ہوں باوجود اس کے کہ وہ اپنا نام ظاہر کرنے سے گریزاں ہیں۔

مجھے اس امر کا بخوبی ادراک ہے کہ اس کتاب کی تیاری سے بھی دشوار ترین مراحل وہ ہوں گے جن کا سامنا کتاب کی اشاعت کے بعد تن تنہا کرنا پڑے گا۔ لیکن ان تمام متوقع مشکلات و مصائب کے باوجود میں نے انتہائی دیانت داری سے تاریخ کو اس کی امانت لوٹانے کی کوشش کی ہے۔

قطرہ خون جگر سے کی تواضع عشق کی
سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا

مجھے یقین ہے کہ جب عوام کے "پسندیدہ" سیاستدان اس آئینہ میں اپنا اپنا عکس اور سراپا دیکھیں گے' تو پھر ان کے تمام تر عتاب کا نشانہ وہ فرد واحد ہوگا جس نے ان کے مقدس چہروں سے نقاب نوچنے کی گستاخانہ جسارت کی ہے۔ مگر باوجود ان تمام تر مصائب و مشکلات کے یہ امر میرے لئے سرمایہ افتخار ہے کہ میرا تعلق اس آبرومندانہ قبیلے سے ہے جس کا ہر فرد 100 دن کی زندگی کے بجائے ایک دن عزت سے گزارنے کو ترجیح دیتا ہے' اور ساتھ ہی یہ بات بھی وجہ اطمینان ہے کہ میرا رب میرے ساتھ ہے' اور یقیناً عوام بھی۔ جنہیں خود سٹیج کے ان ویمپ کرداروں سے اب گھن آنے لگی ہے۔

آیئے! اب نیکی' قانون پسندی اور فرض شناسی کا درس دینے والے لیڈران قوم کے انسانیت سوز کالے کرتوتوں کی اقتدار کے ایوانوں سے' حسن کے بالاخانوں تک پھیلی ہوئی رنگین و سنگین سچی کہانیاں اور دیدہ دلیریاں پڑھیں۔ جو ہمارے لئے باعث عبرت بھی ہیں اور باعث شرمندگی بھی۔

میں کسی خوف سے خاموش نہیں رہ سکتا
ظلمت شام کو میں صبح نہیں کہہ سکتا

ظہیر احمد بابر

(میگزین سیکشن)
روزنامہ دن' لاہور



"پتھروں کی بستی میں آئینے تو ٹوٹیں گے"

الحمد للہ! صرف چار ماہ کی مختصر مدت میں چوتھا ایڈیشن آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی ہے کہ عوام اپنے لیڈروں کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ لیکن کیا خوب ہو کہ وہ خود کو صرف جاننے تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے عملی طور پر اپنے حقوق کے لیے کچھ اقدامات کریں۔

پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں 'میں نے اس خدشے کا اظہار کیا تھا کہ جن سیاستدانوں کے مقدس چہروں سے میں نے نقاب اتارنے کی کوشش کی ہے' ان کا رد عمل شدید ہو گا۔ لیکن کتاب کی اشاعت کے بعد اس وقت مجھے حیرانگی ہوئی' جب ان میں سے زیادہ تر نے فی الوقت مصلحتاً خاموشی اختیار کیے رکھی۔ مگر عام لوگوں نے سخت ترین رد عمل کا اظہار کیا۔ وہ اپنی "محبوب ہستیوں" کو جانتے بوجھتے پوجنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو پوجنا ان کی عادت میں شامل ہو چکا تھا۔

مجھے یہ ضد ہے کہ ہو عام ذوق آزادی
غلام چیخ رہے ہیں غلام پیدا کر

مگر آہستہ آہستہ یہ رد عمل توصیف میں بدلتا گیا۔ مجھے خوشی ہے کہ ہمارے لوگ فوری رد عمل دینے کے تو عادی ہیں مگر بعد میں سوچ بچار بھی کرتے ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ چوتھا ایڈیشن نہیں بلکہ چھٹا' ساتواں یا پھر دسواں ایڈیشن ہے۔ بہرحال اس صورت حال پر قابو پالیا گیا ہے اور آئندہ ایسا قدم اٹھانے والے ادارے اور پبلشر کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

کتاب کی دن بدن بڑھتی ہوئی ڈیمانڈ اور موضوع کو دیکھتے ہوئے بہت سے لوگوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ اس میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہنا چاہیے۔ یا پھر اس کا دوسرا حصہ ضرور شائع کیا جائے۔ جبکہ میرا نقطہ نظر یہ تھا کہ جمہوریت اور سیاست میرے لہو میں رچی بسی ہے۔ لیکن میں جاگیردارانہ اور آمرانہ جمہوریت کی بجائے حقیقی جمہوریت کا خواہش مند ہوں۔ جس میں ہر شہری کو اپنے "امیر" سے "دو چادروں" کے بارے میں پوچھنے سے کوئی نہ روکے۔ اور یہ کتاب اسی تسلسل کا ایک حصہ ہے۔ جس کا مقصد سیاستدانوں کی کردار کشی نہیں بلکہ عوام کو آئین پاکستان کے آرٹیکل 62 اور 63 کے تحت ان کے لیڈروں کو پرکھنے کا شعور دینا ہے۔ تاکہ آئندہ وہ اپنے امیدوار منتخب کرتے ہوئے آئین پاکستان کی شقوں کو ملحوظ رکھیں۔

میں باری تعالیٰ سے دعاگو ہوں کہ وہ ہم کو صحیح اور غلط کی تمیز کرنے کی توفیق دے اور ہمیں اپنے حقوق و فرائض کا شعور بھی۔ تاکہ ہم اپنے خوابوں کے پاکستان کی تکمیل کر سکیں۔

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو

ظہیر احمد بابر
(میگزین سیکشن) روزنامہ دن لاہور

ظہیر احمد بابر کی ایک تہلکہ خیز کاوش

برطرف وزیراعظم میاں محمد نواز شریف کے عہد عروج میں ایک مرتبہ میں نے اپنے کالم میں یہ جملہ لکھا تھا کہ...... "عصر حاضر میں مقتدر اور حکمران طبقات کے شاہی محلات تک جانے والے اکثر راستے شاہی محلے سے ہو کر گزرتے ہیں"...... جب یہ کالم چھپا تو مسلم لیگ کے بعض سادہ لوح اور بے خبر رہنماؤں نے اس کا برا منایا' بلکہ رازہائے درون میخانہ سے باخبر اور آگاہ لیگیوں نے تحسینی و تعریفی خطوط ارسال کئے۔ میری شدید ترین خواہش تھی کہ کوئی مرد حر اور مرد جری اٹھے اور پوپ کے لبادے میں چھپے راسپوٹینوں' رام کی قبا میں لپٹے راونوں اور سادھوں کے خرقے میں پناہ گزین برہمنوں کے چہروں پر پڑے ہوئے تقدس اور احترام کے نقابوں کو اپنے دست گستاخ کی جھپٹوں سے تار تار کر دے۔ حفیظ جالندھری نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ

یہ خوب کیا ہے' یہ زشت کیا ہے' جہاں کی اصلی سرشت کیا ہے؟
بڑا مزہ ہو تمام چہرے اگر کوئی بے نقاب کر دے

لیجئے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور یہ امر ارباب بصیرت کے لئے مژدہ جاں فزا کی حیثیت رکھتا ہے کہ نوجوان صحافی ظہیر احمد بابر نے "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" کے عنوان سے ہزاروں مقامات پر جابجا بکھرے حقائق کے موتیوں کو ایک کتاب کی مالا کی شکل میں مرتب کرکے حفیظ جالندھری کی اس خواہش کی تکمیل کر دی ہے۔ ادب و صحافت اور تحقیق و تفتیش کی دنیا میں یکم جنوری 2000ء کو شائع ہونے والی کتاب "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" نیو میلینیم کا ایک تہلکہ خیز واقعہ ہے۔ اس کتاب کی ترتیب و تالیف بڑے دل گردے کا کام تھا۔

یہ رتبہ بلند ملا' جس کو مل گیا۔

علم و ادب و فکر و نظر کے قارئین جب تاریخ کے صفحات پر راجہ اندر کے اکھاڑے' عباسی سلاطین کے حرم سراؤں' محمد شاہ رنگیلا کے قلعہ معلی اور واجد علی شاہ کے مٹیا محل کی اندرون خانہ رنگین و سنگین سرگرمیوں کے بارے میں پڑھتے تو حیران و ششدر رہ جاتے لیکن ظہیر احمد بابر کی کتاب میں جب ہم حسین شہید سہروردی' محمد علی بوگرا' ملک غلام محمد "اپاہج" سکندر مرزا' بیگم رعنا لیاقت علی' فیلڈ مارشل محمد ایوب خان' جنرل یحییٰ خان' ذوالفقار علی بھٹو' محمد خان جونیجو' بے نظیر بھٹو' نواز شریف' عمران خان' مولانا کوثر نیازی' شہباز شریف' آصف زرداری' پیرپگاڑہ' حفیظ پیرزادہ' ممتاز بھٹو' میر مرتضیٰ بھٹو' الطاف حسین' گوہر ایوب' شیخ رشید' جاوید ہاشمی' غلام مصطفیٰ کھر' چودھری نثار علی' زاہد دابلہ' فخر زمان' مختار اعوان' جہانگیر بدر' جام معشوق علی' جام صادق علی' شاہد خاقان عباسی' فیصل صالح حیات' عبدالستار کبول' مشاہد حسین' مخدوم احمد محمود' غلام احمد بلور' سردار عتیق' بیرسٹر سلطان محمود چودھری' فوزی کاظمی' الٰہی بخش سومرو' حامد ناصر چٹھہ' سلمان تاثیر' حافظ غلام محی الدین' یوسف صلاح الدین' تہمینہ دولتانہ' صاحبزادی محمودہ بیگم' عابدہ حسین' غنویٰ بھٹو جیسے چھوٹے موٹے سیاسی پارساؤں کے چہروں پر پڑے ہوئے نام نہاد وقار و احترام کے ملمع حقائق و شواہد کے سورجوں کی حرارت اور تمازت سے قطرہ قطرہ پگھلا کر رکھ دیئے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ ظہیر احمد بابر جیسے جرات نگار صحافی کو بے ساختہ ان الفاظ میں داد دی جائے...... ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند یا آفریں باد بر ایں ہمت مردانہ تو۔

ان جدید رنگیلوں' ماڈرن واجد علی شاہوں اور راجہ اندروں کے ساتھ آکاش کی جن اپسراؤں' قاف کی جن پریوں اور فلمی گلشن کی جن کلیوں اور کونپلوں کے نام آئے ہیں' وہ یہ ہیں۔ روتھ بورل' ناہید مرزا' ملکہ پکھراج' ملکہ ترنم نورجہاں' ترانہ' عالیہ' اقلیم اختر عرف المعروف جنرل رانی' طاہرہ سید' دلشاد بیگم' نوبہار' ریما' ریشم' مدیحہ شاہ' گوری' افشاں شعیب' شبنم مجید' خالدہ ریاست' ارم حسن' فریال گوہر' زارا اکبر' مدیحہ گوہر' تابندہ' نازیہ حسن' عارفہ صدیقی' زینت امان' کرسٹائن

نیگر' بیتاوائٹ' نوی' ریکھا' بابرا شریف' فاخرہ شریف' عروسہ عالم' زما' لاشاد' عروج' صاحبہ' صائمہ' انجمن اور نورجہاں کی دونوں بیٹیاں حنا اور ظل ہما۔ اس کتاب کے مطالعہ سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آتی ہے کہ ملکہ ترنم نورجہاں سے لیکر ریما تک شوبز کی دنیا کی یہ تمام پریاں' دولت و سیاست اور حکومت و امارت کے جنات کو اپنے چشم و ابرو کے اشاروں پر رقص کرواتی رہیں اور یہ جنات ناچتے رہے۔

ہوس کی نشاط کاری ملاحظہ کیجئے کہ مرزا غالب نے اپنے خطوط میں جس قلوق کو ستم پیشہ ڈومنی اور اپنی شاعری میں جسے "رہزن دین و ایماں" قرار دیا تھا جدید دانشور کے تخیل کی رعنائی اور ہوس کی برنائی اس ڈومنی' بے سوا' کسبی' عصمی اور طوائف کو گلیمرائز کرکے ثقافتی سفیر' فنکارہ اور ورسٹائل اداکارہ کے خطابات سے نواز رہی ہے......

ملک کے طول و عرض میں ظہیر احمد بابر کی کتاب کی دھوم مچ چکی ہیں' اس کتاب کا موضوع جتنا زیادہ دلچسپ ہے' اتنا ہی زیادہ خوفناک اور خطرناک بھی ہے۔ یہ خوفناکی و خطرناکی صرف موضوعاتی حد تک ہی نہیں بلکہ ذاتی حد تک بھی ہے۔ ظہیر احمد بابر کا نام نوجوان صحافتی حلقوں کے لئے کوئی اجنبی اور نامانوس نام نہیں۔ پارلیمنٹ اور بازار حسن سے تعلق رکھنے والا جدید و قدیم ہر ایک شخص اس کتاب کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ یقین کیجئے "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" صرف ایک کتاب ہی نہیں بلکہ یہ ایک دھماکہ اور تہلکہ ہے۔ جونہی یہ کتاب زیور طباعت سے مرصع ہو کر سامنے آئی' جاگیردار' سرمایہ دار' کارخانے دار اور جرنیل سیاست دانوں کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہوگیا' لرزہ شاید ہلکا لفظ ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جابجا "تھرتھلیاں" پڑ گئی ہیں۔ امید واثق ہے کہ یہ کتاب انگریزی محاورے کے مطابق "گرما گرم کیکوں" کی طرح دھڑادھڑ اور ہاتھوں ہاتھ بک جائے گی' یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ مستقبل قریب میں "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" 2000ء میں "بسٹ سیلر بک" کا اعزاز حاصل کرلے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس موضوع پر برصغیر پاک و ہند میں آج تک کسی قلم کار' صحافی اور ادیب کو قلم اٹھانے کی جرات نہیں ہوئی۔ اس جرات رندانہ اور جسارت شیرانہ کا اعزاز شاید قدرت نے ظہیر احمد بابر

کے نام ہی لکھ دیا ہے اور یہ کہنے میں شاید کوئی مبالغہ نہ ہو کہ جملہ جراتوں اور جسارتوں کے جملہ حقوق "کاتب تقدیر" اس کے نام محفوظ کرچکا ہے۔ کائی زدہ اور جمود گزیدہ ٹھہرے ہوئے پانیوں کی جھیل میں اس شرارتی نوجوان نے پہلا کنکر پھینک دیا ہے' اب دیکھنا یہ ہے کہ لہروں کا ارتعاش کہاں تک جاتا اور بھنوروں کے دائرے پھیل کر کس کس کو اپنی لپیٹ میں لیتے ہیں۔ ظہیر احمد بابر کی ابھی عمر ہی کیا ہے' جب ایک کم سن شاعر نے ایک محفل میں اپنا یہ پھڑکتا ہوا شعر سنایا۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے\
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

تو محفل میں موجود ہر سامع دانتوں میں انگلیاں داب تصویر حیرت بن گیا۔ بڑے بڑے شاعروں کا وہ حال ہوا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ شعر سننے کے بعد ایک بہت بڑے شاعر نے کہا تھا کہ "بچے جوان ہوتے دکھائی نہیں دیتے۔"

...اس قسم کی کوئی بدشگونی میں ظہیر احمد بابر کے بارے میں نہیں کرنا چاہتا' وہ عمر کے جس سن و سال سے گزر رہا ہے' اس کے بارے میں ریاض مجید نے برسوں پہلے کہا تھا۔

آتے جاتے چہرے تکتا رہتا ہوں\
دن بھر کھلی کتابیں پڑھتا رہتا ہوں\
چھیلیں لہریں جی کو اچھی لگتی ہیں\
تالابوں میں کنکر پھینکتا رہتا ہوں

حافظ شیرازی کے زمانے میں بر سر منبر نیکی' پارسائی اور خوف خدا کا وعظ کرنے والے بلند بام واعظ جن "کارہائے دگر" کی انجام دہی کے لئے خلوت کو پسند فرمایا کرتے تھے' بیسویں صدی کے آخری ڈیڑھ عشرے کے یہ بدلگام پاکستانی وزرائے عظام اور رہنمایان کرام انہیں ناپسندیدہ اور مذموم امور کو بام تکمیل تک پہنچانے کے لئے ایم این ایز ہاسٹل' ایم۔پی۔اے ہاسٹل' سٹیٹ گیسٹ ہاؤس' پنجاب ہاؤس' چمبیل ہاؤس' سرکاری و نجی گیسٹ ہاؤسز اور تھری سٹار ہوٹلوں سے لیکر فائیو سٹار ہوٹلوں کے ڈیلکس رومز کا استعمال کرتے ہیں اور اعلانیہ کرتے ہیں۔

اگر کسی گھرانے کا ہر فرد لائق اور ذہین ہو تو کہا جاتا ہے کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است... اور اگر کوئی کتاب سطر سطر' صفحہ صفحہ اور ورق ورق قاری کے دامن دل کو اپنی جانب کھینچتی ہو تو اس کے بارے میں رسوخ اور وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ "ایں کتاب ہمہ آفتاب است"... ظہیر بابر بھی جولیس سیزر کی طرح کہہ سکتا ہے کہ "میں آیا' میں نے دیکھا اور فتح کر لیا"... یہ کتاب بھی بلاشبہ بابری فتوحات کے سنہری سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں ظہیر احمد بابر کا اپنا کہا ہوا کچھ بھی نہیں' یہ خانہ ساز داستانوں کا مجموعہ اور تخیلاتی کہانیوں کی البم نہیں' یہ حقائق کا آئینہ خانہ اور شواہد کا نگارخانہ ہے... بلاشبہ وہ کہہ سکتا ہے کہ آنکھیں میری باقی ان کا... چراغ میرا ہے رات ان کی... زباں میری ہے بات ان کی... اس نے بھی اجنتا اور ایلورا کے سنگ تراشوں اور مجسمہ سازوں کی طرح بے ڈول چٹانوں اور کھردرے پہاڑوں میں سے لافانی شبیہوں کو حقائق کے تیشے سے ابھارا ہے۔

آیئے! چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

"اداکارہ عندلیب جس پر اس کے عاشق حنیف گھمن نے تیزاب انڈیل دیا تھا' کے بارے میں مبینہ طور پر پتہ چلا ہے کہ وہ یحییٰ خان کی ناجائز اولاد ہے' عندلیب کی والدہ مسز آغا کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس کی دوستی یحییٰ خان کی محبوبہ جنرل رانی سے تھی۔ جنرل رانی سے دوستی کا دم بھرنے والے جنرل یحییٰ اور دیگر کئی بیوروکریٹس اور سیاست دان بھی مسز آغا اور اس کی رشتہ دار مون کی "ڈیمانڈ" کرتے تھے"...

1961ء میں بھٹو کی ملاقات ڈھاکہ کے ایک وکیل عبدالاحد کی بیوی حسنہ شیخ سے ہوئی اور اس نے پہلی ملاقات میں ہی بھٹو پر جادو کر دیا' نصرت بھٹو کو معلوم ہوا تو اس نے شور مچا دیا' بھٹو نے غصے میں آ کر انہیں گھر سے نکال دیا' وہ اردشیر کاؤس جی کے ہاں پہنچیں' جس نے نصرت کی شادی بھٹو سے کرائی تھی' کاؤس جی کی بیگم نصرت کو ایوب خان کے پاس لے گئیں' ایوب خان نے بھٹو کو طلب کیا اور کہا۔

"اپنی بیوی کو واپس لاؤ یا کابینہ سے چھٹی کرو"...

"عمران خان نے بتایا کہ جب میں کرکٹ ٹیم میں تھا' بینظیر کے اکثر ماجد خان

کے لئے فون آتے' مگر ماجد خان اتنی لفٹ نہ کرواتے' اس سلسلے میں بینظیر مجھے رابطے کے طور پر استعمال کرتی یعنی مجھ سے ان کے بارے میں پوچھتی' ایک بار یوں ہوا کہ ہم برطانیہ میں کھیل رہے تھے' ماجد خان بھی ٹیم میں تھے' شیڈول یہ تھا کہ ہم نے برطانیہ سے واپس پاکستان اور پھر ایک نمائشی میچ کھیلنے کے لئے ہالینڈ جانا تھا' برطانیہ میں بینظیر بھٹو بدستور ماجد خان کے پیچھے پڑی رہی' اور ٹیم کے پیچھے ہی پاکستان چلی آئی اور اس کے پیچھے پیچھے ہالینڈ پہنچ گئی۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ ماجد خان تو ٹیم کے ساتھ ہی نہیں' وہ تو پاکستان میں رک گئے ہیں' یہاں پہنچ کر عمران خان کہتے ہیں کہ میں بتا نہیں سکتا کہ یہ صورتحال جاننے پر "پنکی" کی کیا حالت ہوئی تھی"...

"مری کے دلفریب مقام پر پنجاب ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کی چیئرلفٹ سے گلوکارہ طاہرہ سید کو پیپلز پارٹی کی حکومت نے محروم کر دیا' طاہرہ سید کو یہ چیئرلفٹ نواز شریف نے اپنے پہلے دور حکومت میں عطا کی تھی۔ اس لفٹ سے طاہرہ سید کو روزانہ ہزاروں روپے کی آمدن ہوتی تھی اور نواز شریف کی منظور نظر ہونے کی بدولت وہ حکومت کے مقررہ کردہ کرایہ سے زائد بھی وصول کرتی تھی جس سے ادارے کو شدید نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

...نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں طاہرہ سید کو وزیراعظم ہاؤس میں خاتون اول کی طرح پذیرائی حاصل تھی... علیحدگی کے بعد نعیم بخاری نے بڑے دکھی دل سے کہا تھا کہ میں ہی گاڑی کو گھسیٹ رہا تھا' گاڑی کے طاہرہ سید والے پہیے نے ابتداء میں ہی زندگی کی گاڑی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔

"میاں نواز شریف دلشاد بیگم کی اداؤں پر ایسے مرمٹے کہ اسے پاکستان میں سرکاری مہمان کی حیثیت حاصل ہو گئی' یاد رہے کہ دلشاد بیگم فیروز خان اور نجے خان کی بہن تھی۔ قومی اسمبلی میں اس معاملے پر باقاعدہ سوال اٹھایا گیا کہ ایک غیر ملکی خاتون کس طرح پاکستان میں سرکاری پروٹوکول کی مستحق قرار دی جا رہی ہے جبکہ اس کا تعلق دشمن ملک (بھارت) سے ہے' مگر 'عشق نہ پچھے ذات کوئی' کے مصداق ہیر رانجھا کا سفر جاری رہا"...

اگر کسی گھرانے کا ہر فرد لائق اور ذہین ہو تو کہا جاتا ہے کہ ایں خانہ ہمہ آفتاب است... اور اگر کوئی کتاب سطر سطر' صفحہ صفحہ اور ورق ورق قاری کے دامن دل کو اپنی جانب کھینچتی ہو تو اس کے بارے میں رسوخ اور وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ "ایں کتاب ہمہ آفتاب است"۔ ظہیر بابر بھی جولیس سیزر کی طرح کہہ سکتا ہے کہ "میں آیا' میں نے دیکھا اور فتح کر لیا"۔ یہ کتاب بھی بلاشبہ بابری فتوحات کے سنہری سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس کتاب میں ظہیر احمد بابر کا اپنا کہا ہوا کچھ بھی نہیں' یہ خانہ ساز داستانوں کا مجموعہ اور تخیلاتی کہانیوں کی البم نہیں' یہ حقائق کا آئینہ خانہ اور شواہد کا نگارخانہ ہے... بلاشبہ وہ کہہ سکتا ہے کہ آنکھیں میری باقی ان کا۔ چراغ میرا ہے رات ان کی... زباں میری ہے بات ان کی... اس نے بھی اجنتا اور ایلورہ کے سنگ تراشوں اور مجسمہ سازوں کی طرح بے ڈول چٹانوں اور کھردرے پہاڑوں میں سے لاثانی شبیہوں کو حقائق کے تیشے سے ابھارا ہے۔

آیئے! چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں۔

"اداکارہ عندلیب جس پر اس کے عاشق حنیف گھمن نے تیزاب انڈیل دیا تھا' کے بارے میں مبینہ طور پر پتہ چلا ہے کہ وہ یحییٰ خان کی ناجائز اولاد ہے' عندلیب کی والدہ مسز آغا کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس کی دوستی یحییٰ خان کی محبوبہ جنرل رانی سے تھی۔ جنرل رانی سے دوستی کا دم بھرنے والے جنرل یحییٰ اور دیگر کئی بیوروکریٹس اور سیاست دان بھی مسز آغا اور اس کی رشتہ دار مون کی "ڈیمانڈ" کرتے تھے"...

1961ء میں بھٹو کی ملاقات ڈھاکہ کے ایک وکیل عبدالاحد کی بیوی حسنہ شیخ سے ہوئی اور اس نے پہلی ملاقات میں ہی بھٹو پر جادو کر دیا' نصرت بھٹو کو معلوم ہوا تو اس نے شور مچا دیا' بھٹو نے غصے میں آ کر انہیں گھر سے نکال دیا' وہ اردشیر کاؤس جی کے ہاں پہنچیں' جس نے نصرت کی شادی بھٹو سے کرائی تھی' کاؤس جی کی بیگم نصرت کو ایوب خان کے پاس لے گئیں' ایوب خان نے بھٹو کو طلب کیا اور کہا۔ "اپنی بیوی کو واپس لاؤ یا کابینہ سے چھٹی کرو"...

"عمران خان نے بتایا کہ جب میں کرکٹ ٹیم میں تھا' بینظیر کے اکثر ماجد خان

کے لئے فون آتے' مگر ماجد خان اتنی لفٹ نہ کرواتے' اس سلسلے میں بینظیر مجھے رابطے کے طور پر استعمال کرتی یعنی مجھ سے ان کے بارے میں پوچھتی' ایک بار یوں ہوا کہ ہم برطانیہ میں کھیل رہے تھے' ماجد خان بھی ٹیم میں تھے' شیڈول یہ تھا کہ ہم نے برطانیہ سے واپس پاکستان اور پھر ایک نمائشی میچ کھیلنے کے لئے ہالینڈ جانا تھا' برطانیہ میں بینظیر بھٹو بدستور ماجد خان کے پیچھے پڑی رہی' اور ٹیم کے پیچھے ہی پاکستان چلی آئی اور اس کے پیچھے پیچھے ہالینڈ پہنچ گئی۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ ماجد خان تو ٹیم کے ساتھ ہی نہیں' وہ تو پاکستان میں رک گئے ہیں' یہاں پہنچ کر عمران خان کہتے ہیں کہ میں بتا نہیں سکتا کہ یہ صورتحال جاننے پر "پنکی" کی کیا حالت ہوئی تھی"...

"مری کے دلفریب مقام پر پنجاب ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کی چیئرلفٹ سے گلوکارہ طاہرہ سید کو پیپلز پارٹی کی حکومت نے محروم کر دیا' طاہرہ سید کو یہ چیئرلفٹ نواز شریف نے اپنے پہلے دور حکومت میں عطا کی تھی۔ اس لفٹ سے طاہرہ سید کو روزانہ ہزاروں روپے کی آمدن ہوتی تھی اور نواز شریف کی منظور نظر ہونے کی بدولت وہ حکومت کے مقررہ کردہ کرایہ سے زائد بھی وصول کرتی تھی جس سے ادارے کو شدید نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔

...نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں طاہرہ سید کو وزیراعظم ہاؤس میں خاتون اول کی طرح پذیرائی حاصل تھی... علیحدگی کے بعد نعیم بخاری نے بڑے دکھی دل سے کہا تھا کہ میں ہی گاڑی کو گھسیٹ رہا تھا' گاڑی کے طاہرہ سید والے پہیے نے ابتداء میں ہی زندگی کی گاڑی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔

"میاں نواز شریف دلشاد بیگم کی اداؤں پر ایسے مرمٹے کہ اسے پاکستان میں سرکاری مہمان کی حیثیت حاصل ہو گئی' یاد رہے کہ دلشاد بیگم فیروز خان اور نجے خان کی بہن تھی۔ قومی اسمبلی میں اس معاملے پر باقاعدہ سوال اٹھایا گیا کہ ایک غیر ملکی خاتون کس طرح پاکستان میں سرکاری پروٹوکول کی مستحق قرار دی جا رہی ہے جبکہ اس کا تعلق دشمن ملک (بھارت) سے ہے' مگر' عشق نہ پچھے ذات کوئی' کے مصداق ہیر رانجھا کا سفر جاری رہا"...

..."سکندر مرزا کے دور میں ناہید مرزا کا حکم چلتا تھا' یحییٰ خان کے زمانے میں یحییٰ کی داشتہ رانی کا حکم چلتا تھا اور مسلم لیگی دور حکومت میں اداکارہ ریما کا طوطی بولتا تھا' جب بھی کسی کلیدی عہدے پر فائز کسی بڑے افسر' سیکرٹری' ایس پی' ڈی آئی جی' کمشنر' کسٹم کلکٹر' انکم ٹیکس آفیسر' ایم ایس ڈاکٹر' ڈائریکٹر کی ٹرانسفر یا معطلی وغیرہ ہوتی تو وہ فوراً کسی جیولری کی دکان سے نایاب اور قیمتی ہار وغیرہ خرید کر اداکارہ ریما کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ بیان کرتا' اداکارہ فون پر متعلقہ افسر کی سفارش کرتی اور متعلقہ افسر کے ٹرانسفر یا معطلی کے آرڈر رک جاتے۔"...

..."محکمہ انکم ٹیکس کے اہلکار ٹیکس وصول کرنے کے لئے ملکہ ترنم نورجہاں کی کوٹھی میں داخل ہوئے تو وہاں ان کی ملاقات جہانگیر بدر سے ہو گئی' انہوں نے اہلکاروں پر رعب ڈالنے کے لئے ناہید خان کو فون کیا کہ ناہید خان! میں جہانگیر بدر بول رہا ہوں۔ ابھی بات شروع ہوئی تھی کہ ایک سرکاری اہلکار نے فون چھین لیا اور کہا کہ ملکہ ترنم کو اسلام آباد لے جاؤ' وہاں جا کر شکایت کرنا' اور ساتھ یہ بھی بتا دینا کہ حنا کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے اور یہ بھی کہ ایک صوبائی وزیر حنا کو روزانہ ایک لاکھ روپے کی ادائیگی کیوں کرتا ہے۔ میڈیم نورجہاں نے مداخلت کی اور کہا حنا کے عاشقوں کے نام مت لو' میں ٹیکس ادا کر دوں گی۔"...

پارلیمنٹ سے بازار حسن تک مجموعی طور پر ایک انتہائی خوبصورت' لائق مطالعہ اور معلومات آفریں کتاب ہے۔

حافظ شفیق الرحمٰن
روزنامہ "دن" لاہور



"پارلیمنٹ سے بازار حسن تک"

میرا خیال ہے کہ اگر کتاب پڑھی جائے تو تبصرہ ہو سکتا ہے اور اگر نہ پڑھی جائے تو زیادہ اچھا تبصرہ ہو سکتا ہے۔ "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" کتاب کا نام ایسا ہے کہ میں کتاب پڑھے بغیر نہ رہ سکا۔ کتاب کے سرورق سے لے کر ورق ورق الٹاتے جائیں' ہمارے محبوب لیڈر ننگے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مجھے کتاب کا مصنف باحوصلہ لگا ہے کہ وہ بڑے بڑے سیاستدانوں کو آئینہ دکھانے میں حوصلہ نہیں ہارا۔ بے کردار سیاستدانوں کے "کارنامے" پڑھ کر پڑھنے والے کو شرمندگی ہوتی ہے' گھن آتی ہے' مگر دیکھا گیا ہے کہ ان سیاستدانوں کو کبھی خود شرمندگی نہیں ہوئی' کبھی خود کو اپنے آپ سے گھن نہیں آئی۔ یہی ان کا ریکارڈ ہے' یہی ان کی سیاست ہے' بازاری سیاست۔ مصنف نے سیاستدانوں کی رنگین و سنگین حرکتوں کو شرمناک قرار دیا ہے حالانکہ میری نظر میں یہ ان کے کارنامے ہیں۔ اگر وہ یہ کارنامے انجام نہیں دیں گے تو اور کیا کریں گے۔ قانون سازی انہیں کرنا نہیں آتی۔ قانون سازی میں انہیں صرف لفظ "ساز" پسند ہے اسی لیے وہ قانون ساز بننے کے بجائے ساز و آواز کی محفلوں کی زینت بننا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ سیاستدان سرکاری خزانہ کو طوائف سمجھتے ہیں اور وہ اس سے کیا سلوک کرتے ہیں' طوائف بھی ایسا سلوک پسند نہیں کرے گی۔

دبلے پتلے نوجوان ظہیر احمد بابر نے بھاری بھرکم موضوع کا انتخاب کیا ہے۔ اگرچہ مجمع باز اس قسم کے نوجوان کو بچہ سمجھ کر باہر نکال دیتے ہیں مگر اس نے صحافتی

مجمع میں اپنی جگہ بنالی ہے۔ پیشہ صحافت میں آ کر کتاب لکھنا آسان نہیں جیسا کہ غیر صحافی سمجھتے ہیں۔ صحافی کو اپنا آرام قربان کر کے کتاب تخلیق کرنا ہوتی ہے۔ صحافی کی کتاب کو راتوں کی تحریر بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور ظہیر بابر کی کتاب کا نام اس کا ثبوت ہے۔

میں خود کتابوں کے تخلیق کاروں کے قبیل کا ادنیٰ سا ممبر ہوں۔ میں نے پہلی کتاب لکھی تھی "عدلیہ کی رہائی۔" اس کتاب کی تقریب رونمائی میں میرے سینئر ساتھی سعید آسی نے عدلیہ کے روز و شب کے حوالے دیتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ میں نے عدلیہ کی رہائی کا تصور کر کے ایک معصومانہ حرکت کی ہے۔ اس دوستانہ اعتراض کے بعد مجھے کچھ عرصہ کے بعد "انصاف کا محاصرہ" لکھنا پڑی۔ مجھے ظہیر احمد بابر کی یہ کاوش بھی معصومانہ نظر آ رہی ہے۔ اسے کہیں "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" کے بعد "بازار حسن سے پارلیمنٹ تک" نہ لکھنی پڑ جائے۔

ظہیر بابر صرف ڈھائی سال قبل پیشہ صحافت میں وارد ہوا اور 372 صفحات پر مشتمل ایک تاریخی کتاب لکھ ڈالی۔ اللہ تعالیٰ اسے نظر بد سے بچائے۔ اگر یہ دوست نما دشمنوں سے بچ گیا تو اگلے چند سالوں میں یہ اپنے سامنے اپنی کتابوں کے ڈھیر لگا لے گا۔ "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" اس نوجوان کا اچھا آغاز ہے۔ اس نے پارلیمنٹ اور بازار حسن کو جس طرح متعارف کروایا ہے' اس سے سب آگاہ ہیں مگر تسلیم کوئی نہیں کرتا۔ اس میں نقصان ہے' خالصتاً ذاتی نقصان۔ بازار حسن میں ادائیں بکتی ہیں۔ پارلیمنٹ میں ضمیر فروخت ہوتا ہے۔ ضمیر ہمیشہ لعن طعن کرتا ہے مگر سکوں کی چھنک' اداؤں کی مہک' پلاٹ و پرمٹ کا حصول و قبول اور سفارشی رقعوں کی چھنچھ میں ضمیر کی آواز دب جاتی ہے۔ ظہیر بابر نے ضمیر کو آواز دی ہے مگر مردہ ضمیر آواز نہیں سنتا۔ ضمیر مر چکا ہے بلکہ شہید ہو چکا ہے۔

"پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" ہمارے سیاستدانوں کا سفرنامہ بھی قرار دی جا سکتی ہے۔ سیاستدان کہاں کہاں گھومتے پھرتے ہیں' یہ سب کچھ اس میں درج ہے۔

اس کتاب کو سیاستدانوں کا اندراج رجسٹر بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ ایک روزنامہ ہے جس میں ظہیر نے ضمنیاں لکھ دی ہیں اور تفتیش کا ذمہ قاری پر چھوڑ دیا ہے۔

اپنی گزارشات کے آخر میں کچھ کہنا چاہتا ہوں کہ صرف سیاستدانوں کو برا کہنا اور سمجھنا دوسرے اداروں کے ساتھ امتیازی سلوک ہو گا۔ پارلیمنٹ سے بازار حسن تک راستے سب پر عیاں ہیں تو یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہئے کہ بعض دوسرے مقدس اداروں کی جانب سے بھی اس بازار تک راستے آتے ہیں۔ آج کل مقدس اداروں کے بارے میں منفی بات کرنا گناہ کبیرہ تصور کیا جاتا ہے۔ اللہ ہمیں گناہ صغیرہ و کبیرہ سے دور رکھے۔ آمین

بدر منیر چودھری

صدر لاہور پریس کلب

لاہور

ایوانوں سے بالاخانوں تک

بہت سی پیشانیاں شکن آلود' نگاہیں غضب ناک' تیوریاں کشیدہ اور بھنویں تنی ہوں گی' بہت سے چہرے لال پیلے' رنگ فق اور بھیجے گرم ہوئے ہوں گے' جب "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" کے مندرجات سامنے آئے ہوں گے۔ ان کے بھی جن کی اس آئینے میں تصویریں تکی ہیں اور ان کے بھی جو اس شب زاد اور ظلمت نژاد مخلوق کے کارندے' کارکن' نقد گر' ثناخواں' اور ریزہ چین ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے چودہ طبق روشن اور سارے نیک گمان دور ہو جانے چاہئیں' جو سیاسی سرکس کے بازی گروں کے بارے میں کسی خوش امیدی اور سادہ لوحی کا شکار ہیں۔

"پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" ایک کتاب ہی نہیں دستاویز ہے جس کی ہر بات مستند ہے' تحریر اگر ناطق ہے تو تصویر اس پر شاہد۔ یہ حمام ہے جس میں سبھی ننگے نظر آتے ہیں۔ یہ دھوبی گھاٹ ہے جہاں شہر سیاست کے سب گندے کپڑے اور پوتڑے جمع ہیں' یہ جھروکہ ہے جہاں سے سب مکروہ چہرے پوری طرح نظر آرہے ہیں' یہ فوٹو سٹوڈیو ہے جہاں سارے "نیگیٹو" محفوظ ہیں۔ یہ پنجہ ہے جو بڑی بے رحمی کے ساتھ چہرے پر چڑھے ہوئے دبیز نقاب نوچتا ہے۔ یہ خورد بین ہے جو ہوس و جنس کے تمام کیڑوں اور جرثوموں کو دیکھنے کی صلاحیت رکھتی ہے اور یہ ایک کسوٹی ہے جو طبع سازوں کا سارا کھوٹ ظاہر کر دیتی ہے۔

یہ کتاب کوئی الف لیلہ کی داستان نہیں بلکہ کھلی اور چھپی حقیقتوں کی ترجمان ہے' اس میں واقعاتی مبالغہ اگر ہو بھی تو زیادہ سے زیادہ ایک چوتھائی ہو گا' تین چوتھائی کی صداقت کے بارے میں قسم کھائی جا سکتی ہے۔ اسے پڑھ کر اپنے اوپر رونا بھی آتا ہے غصہ بھی آتا ہے' ترس بھی آتا ہے' اور خدا کی ناراضی کا خیال بھی

آتا ہے' کہ جس طرح کے سیاستدان ہمارے حصے میں آئے ہیں' یہ یا تو ہماری شامت اعمال ہے' یا ہماری سادہ لوحی پر زنانے دار طمانچہ۔ ہماری غربت سے گزر اوقات ہے یا پھر ابلیسی نظام کا منطقی نتیجہ ہے' جس کے بطن سے ایسے ہی کوڑھ زدہ لوگ جنم لیتے ہیں۔

سیاست تو بڑے لوگوں کا موضوع اور میدان تھا' معلوم نہیں یہ پیران نابکار اور طفلان ناہموار اس کوچے میں کیسے وارد ہو گئے ہیں؟" ارسطو' افلاطون' یحییٰ برمکی' نظام الملک طوسی' ابن خلدون اور الماوردی' جیسے لوگ سیاسی متکلمین تھے۔ آج کشتگان دختر دنیا اور چلہ کشان کاکل و رخسار قوم کو ایک نئی سیاست پڑھا اور سمجھا رہے ہیں۔ ایک صدی نہیں گزری' برصغیر کی سیاست میں نواب سلیم اللہ خان' قائد اعظم' علامہ اقبال' محمد علی جوہر' ابو الکلام آزاد' عبید اللہ سندھی' مولانا فضل حق خیر آبادی' مولانا حسین احمد مدنی' سید عطاء اللہ شاہ بخاری' مولانا جعفر تھانیسری' چوہدری افضل حق' حسرت موہانی' بہادر یار جنگ' علامہ مشرقی' مولانا ظفر علی خان' اور مولانا داؤد غزنوی' جیسے لوگ اس مسند کی رونق' اس شہر کا چراغ' اس گلستان کے پھول' اس ورثے کے امین اور اس میدان کے مرد تھے۔ اور آج وہ آوارہ قسم کے لوگ معتبر بنے ہوئے ہیں' جن کا سفر بالاخانوں سے شروع ہو کر ایوانوں تک ہوتا ہے اور ایوانوں سے نکلتے ہیں تو سیدھے بالاخانوں میں جا پہنچتے ہیں۔ یہ تو شیشہ سیاست پر غبار اور دامن ریاست پر الزام ہیں۔ ری پبلکن پارٹی ہو یا مسلم لیگ' کنونشن لیگ ہو یا پیپلز پارٹی' یہ سب درگاہیں ہیں میدان بادہ و جنس کی اور پناہ گاہیں ہیں راہزنان نقد متاع سیاست کی۔ ظاہر ہے جب سیاست سے کردار کو جلاوطنی ملے گی اور سکوں کی جھنکار معتبر ٹھہرے گی' تو کانوں میں پائل اور پازیب کی جھنکار ہی پڑے گی۔ جب بونے اور اونے پونے لوگ مسند نشین ہوں گے تو اس محفل میں ٹھمریاں ہی سننے کو ملیں گی۔ جن کے نام کل تک تھانوں میں آویزاں تھے' جن کا ذکر کوئی باوضو شخص نہیں کرتا تھا' جن کی حیثیت بازار کی گلی جیسی تھی اور جن کے خانوادے انگریز کے

گھوڑوں کے سائیں تھے' آج انہی سے بازار سیاست آباد ہے"

مسجد میں امام آج ہوا آ کے کہاں سے
کل تک تو یہی میر خرابات نشیں تھا

"پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" میں جن لوگوں کا ذکر ہے' وہ کوئی سلیمانی ٹوپی پہن کر نہیں پھرتے' ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں' انہی کو ہم نے اپنا لیڈر' نجات دہندہ' امام سیاست اور رہبر بنایا ہوا ہے۔ ہم نے ہی ایوب خان کو "مرد آہن" بنایا' ہم نے یحیٰی خان کو "نجات دہندہ" قرار دیا' وہ ہم ہی ہیں جنہوں نے بھٹو کو "قائد عوام" کہا' ہمارے نعروں سے مصطفی کھر "شیر پنجاب" بنا' ہم ہی پیر پگاڑا کے جھروکے سے دیدار کے منتظر رہے ہیں' ہم نے شیخ رشید کو "فرزند پاکستان" سمجھا اور ہم نے نواز شریف کو "قائد اعظم ثانی" کا تمغہ لگایا۔ ان لوگوں کا جو بھی کردار ہے سو ہے' کچھ اپنے ذوق کا ماتم کرنا اور اپنے انتخاب کا مرثیہ بھی پڑھنا چاہیے' سارا قصور ان کا نہیں' ہم بھی برابر کے شریک ہیں۔

ظہیر احمد بابر جوان تو ہیں ہی' جواں حوصلہ بھی ہیں۔ انہوں نے بھڑوں کے چھتے میں ڈھیلا مارا ہے۔ اگرچہ ان "راجہ اندروں" کی ساری طلسماتی کہانیاں پہلے سے چشم و گوش آشنا ہیں۔ تہمینہ کھر کی "مینڈا سائیں" کئی بار چھپ چکی ہے۔ اس کے باوجود نہ ان سورماؤں کی عادت بدلی ہے اور نہ ہماری "استقامت" میں فرق آیا ہے۔ جب بھی انتخاب کا مرحلہ آیا' ہماری نظروں میں بھی یہی لوگ جچے۔ ہمارا اور ہمارے ملک کا مقدر کبھی نہیں بدلے گا' جب تک ہم بت پرستی اور تکتابہ شب قسم کے سیاسی لوگوں سے نجات حاصل نہیں کرتے' جن کا حاصل حیات ایک پری زاد کا پہلو' جن کی آرزوؤں کا ہدف ایک جام' جن کی کل کائنات کسی کی نگاہ نیم باز' جن کی دنیا و عقبیٰ ایک مجرا اور جن کا مقصد زیست صرف ہوس کی تسکین ہے۔

"پارلیمنٹ سے بازار حسن تک"
ہماری نظر میں

□ مجھے ڈر ہے کہ یہ کتاب لکھنے پر بازار حسن والے ظہیر احمد بابر کے خلاف ہتک عزت کا دعویٰ نہ کر دیں۔ کہ ہمارا نام کتاب میں کیوں شامل کیا۔ ویسے تو مورد الزام سیاستدان ہیں۔ جن کو پارلیمنٹ تک پہنچانے کے ذمہ دار بھی ہم خود ہی ہیں' اپنی جہالت کی وجہ سے۔ میرے خیال میں ظہیر احمد بابر نے عوام میں شعور پھیلانے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس نے کتاب کی تیاری میں انتہائی محنت اور تحقیق سے کام لیا ہے جو قابل ستائش ہے۔

(حمید اختر)

□ ظہیر احمد بابر کی کتاب "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" ملی۔ بہت غور سے پڑھی' نہایت دلچسپ انکشافات ہیں۔

(ڈاکٹر انور سجاد)

□ اپنی زندگی کے روز و شب میں ہم جانے کیسی کیسی باتیں سنتے آئے تھے مگر کبھی تصدیق نہ کی تھی۔ ظہیر احمد بابر نے اپنی کتاب "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" میں ان واقعات کی تصدیق کر کے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ بجا طور پر وہ اپنی اس کاوش پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔

(حیات احمد خان' ستارۂ امتیاز)

□ یہ اتنی خوبصورت کتاب ہے کہ میں نے اسے چار مرتبہ پڑھا ہے اور یقیناً یہ مصنف کی کامیابی ہے کہ اس نے معلوم باتوں کو ایسے نامعلوم انداز سے لکھا ہے کہ پڑھے بغیر رہا نہیں جاتا۔ بلاشبہ ظہیر احمد بابر نے بڑی جرات اور بہادری

جس پر بے اختیار انہیں مبارکباد دینے کو جی چاہتا ہے۔ کے ساتھ یہ کتاب لکھی ہے

(ڈاکٹر اجمل نیازی)

- ظہیر احمد بابر عمر میں چھوٹے مگر کردار میں بہت بڑے صحافی ہیں۔ اس نے چھوٹی سی عمر میں اتنی بڑی کتاب لکھ دی ہے جس کا کوئی اور ثانی نہیں۔

(طارق ممتاز ملک)

- "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" ایسی کتاب ہے جس کا مطالعہ ہر پاکستانی کے لیے نہایت ضروری ہے' تاکہ وہ اپنے "رہنماؤں" کے "روشن کردار" سے واقفیت حاصل کر سکے۔ اور آئندہ ایسے افراد کو منتخب کریں جو پارلیمنٹ میں دنگا فساد کرنے کی بجائے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے کام کریں اور وہاں سے بازار حسن جانے کی بجائے اپنے گھر جانے کے عادی ہوں۔

(مولانا امجد خان)

- نوجوان صحافی ظہیر احمد بابر جو ابھی نوجوانی کے گرم خون سے ہی آشنا ہوا ہے' نے "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" کے نام سے کتاب لکھ کر عوام کو ان کے "محبوب راہنماؤں" کے چہرے دکھانے کی کوشش کی ہے' طوائف کیا کرتی ہے؟ اپنی ادائیں دکھا کر ناچ دیکھنے والوں کی جیبیں خالی کراتی ہے اور ہمارے پارلیمنٹ والے کیا کرتے رہے' عوام کو نچاتے رہے' جسموں کی فروخت سے بھی مکروہ کام یعنی اپنے عقائد اور نظریات پالانوں اور پرمٹوں کے عوض فروخت کرتے رہے۔

(فاروق فیصل خان)

- اگر آپ کو اپنے سیاستدانوں کی اصلیت دیکھنا مطلوب ہو تو ظہیر احمد بابر کی کتاب "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" کا مطالعہ کریں' جس میں آپ کو ان کا وہ باطن چہرہ نظر آئے گا جس کو چھپانے کے لیے انہیں کئی چہرے اوڑھنا پڑتے تھے۔

"پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" حقیقتوں پر مبنی ایک تلخ آئینہ ہے۔ اگر آپ میں سچ کو جاننے کی ہمت ہے تو اپنے "محبوب کرداروں" کو اس آئینہ کے سامنے لائیے گا' ورنہ نہیں۔

(پروفیسر جمیل احمد عدیل)

- "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" ہاٹ کیکس کی مانند دھڑا دھڑ فروخت ہو رہی ہے جو اس کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ کتاب دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہم ابھی جرات اظہار رکھتے ہیں۔ اور یہ جان کر حیرانگی بھی کہ یہ کام نوجوان ظہیر احمد بابر نے انجام دیا ہے۔ میں ان کو ہر قسم کی قانونی امداد کی آفر کرتا ہوں۔

(اختر شاہ ایڈووکیٹ)

- ظہیر احمد بابر نے کمال عرق ریزی اور شب و روز محنت کے بعد اپنی کتاب "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" میں اقتدار کا کھیل کھیلنے والوں کے مکروہ چہروں سے جو پردہ سرکایا ہے' وہ قابل صد ستائش ہے۔ انکی یہ کاوش پاکستان کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے اور یقیناً مستقبل میں پاکستانی سیاست پر اسکے دور رس اثرات مرتب ہوں گے"

(محمد نوید شاہین' پاکستان لاء کالج لاہور)

- "پہلا جھوٹ تو یہ ہے کہ تمہارے اس صحافی نے ہماری اداکاراؤں کے جو ریٹ بتائے ہیں وہ ان کے اصل ریٹس سے بالکل مختلف ہیں۔ دوسرا جھوٹ یہ لکھا گیا ہے کہ بازار حسن کی طوائفوں نے میاں شہباز شریف پر اوپر سے نوٹ پھینکے حالانکہ انہوں نے تو نوٹوں کے ساتھ پھول بھی پھینکے تھے۔ تیسرا جھوٹ یہ ہے کہ میاں نواز شریف جس انڈین خاتون کی زلفوں کے اسیر تھے' اس کا نام دلشاد بتایا گیا ہے حالانکہ یہ اس خاتون کا نام نہیں بلکہ اس سے حاصل ہونے والی کیفیت کا نام ہے"

(اشفاق احمد ورک --- مزاح نگار)

- ظہیر احمد بابر نے اس کتاب میں سیاستدانوں کے کرتوتوں کے متعلق جس طرح سے لکھا ہے' اس سے کوئی بھی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" پڑھنے کے بعد پہلا خیال دل میں یہی آتا ہے کہ ایسے سیاستدانوں کو پھانسی پر لٹکا دینا چاہیے' طوائفوں سے ناجائز تعلقات رکھنے والے سیاستدان قوم کی خاک خدمت کریں گے۔

(عرفان طارق' روزنامہ "الاخبار" پشاور)

- ظہیر احمد بابر کی کتاب "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" ہمارے لیڈروں کے روح فرسا کارناموں کی داستان ہے۔ ظہیر احمد بابر سے میرا تعلق قریباً گزشتہ چار برس سے ہے۔ ملاقات کے دوران چھوٹی سی عمر میں جب وہ بڑی بڑی باتیں کر جاتے تو اکثر حیرت ہوتی۔ "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" تخلیق کر کے انہوں نے بڑی بڑی شخصیات کو ورطہ' حیرت میں ڈال دیا ہے۔ صحافتی دنیا میں بڑی بڑی قد آور شخصیات اور نام موجود ہیں۔ مگر جس جرات کے ساتھ اس موضوع کو ظہیر احمد بابر نے چھوا ہے وہ صرف اسی کا خاصہ ہے'

(آصف مسعود رضا۔ کالم نگار روزنامہ یلغار)

- "پارلیمنٹ سے بازار حسن تک" عام سے انداز سے لکھی ہوئی کوئی عام سی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک مشکل اور خطرناک موضوع پر نوجوان صحافی ظہیر احمد بابر کی تہلکہ خیز تحقیقی کاوش ہے۔ جس کی تیاری و تحریر بھی جان جوکھوں کا کام تھا اور اشاعت بھی حوصلہ مندی کے بغیر ممکن نہ تھی' ان دونوں مراحل سے کامیابی کے ساتھ گزر کر مصنف و پبلشر نے تادیر زندہ رہنے والا کام کیا ہے' جس پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔ اگر آپ اپنی سیاست پر قابض لوگوں کے اصل چہرے دیکھنا چاہتے ہیں تو یہ کتاب ضرور پڑھئے۔

(افتخار مجاز)

ایوب خان

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کو سراہنے والوں کی تعداد آج بھی پاکستان میں کم نہیں۔ وہ بھرپور مردانہ وجاہت کی حامل شخصیت تھے۔ اور خود بھی وہ اپنی اس خصوصیت سے واقف تھے۔ ان کے دور میں امریکہ میں دنیا کے سب سے خوبصورت حکمران کے والے سے سروے ہوا تو ایوب خان کی شخصیت پہلے نمبر پر رہی۔ اقتصادی ترقی کے باوجود وہ "حیلے بازیوں" سے باز نہ آئے۔ قدرت اللہ شہاب کے مطابق انہیں زمینیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا جبکہ "سیاست دانوں کی جبری نااہلیاں" نامی کتاب میں مصنف احمد سلیم کا کہنا ہے کہ ایوب خان اور ان کا خاندان بدعنوانیوں کے شرمناک واقعات میں براہ راست ملوث تھا۔

ایک غیر ملکی ماہر کا خیال تھا کہ جب ایوب خان حکومت سے الگ ہوئے تو وہ تقریباً ۲۰ ملین ڈالر دولت کے مالک تھے۔ ۱۹۶۶ء میں برطانیہ میں فوجی ٹینکوں اور اسلحہ کی خریداری کے ایک معاہدے کے دوران وہ سب سے زیادہ اس بات کے خواہش مند تھے کہ اس سودے سے ان کے صاحب زادے گوہر ایوب کو کیا مل سکتا ہے۔ ایوب خان کے صاحب زادے اس وقت فوج میں ملازم تھے۔ وزیر خزانہ شعیب نے جو خود بھی بدعنوانیوں کے واقعات میں ملوث تھے' صدر ایوب کو اس بات پر رضامند کیا کہ اپنے صاحب زادوں کو کاروبار میں لے آئیں۔ ایوب خان نے خود امریکی سی۔ آئی۔ اے سے خفیہ معاہدوں کے تحت ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک ۹ لاکھ ۶۰ ہزار ڈالر کی رقم سیاسی رشوت کے طور پر وصول کی۔ گوہر ایوب خان ۱۹۶۸ء تک کئی ایک اداروں کے چیئرمین' ایم ڈی اور ڈائریکٹر بن گئے' جن میں اروسہ انوسٹمنٹ

لینڈ' اروسہ انڈسٹریز' ہاشمی کین کمپنی' گندھارا انڈسٹریز' گوہر حبیب لیٹڈ' گندھارا منرل اینڈ ٹریڈنگ کمپنی' جاپانہ ڈی سالوچو ٹیکسٹائل ملز لیٹڈ وغیرہ شامل تھے۔ ان کے سرمائے کی مجموعی مالیت ۴ ملین ڈالر کے لگ بھگ تھی۔ ایوب خان کی ان نوازشات کا سلسلہ ان کے دامادوں تک بھی جاری رہا۔

60ء کی دہائی میں برطانیہ میں کنزرویٹو پارٹی کی ایک طاقتور حکومت محض اس لئے منتشر ہو کر رہ گئی کہ اس حکومت کے وزیر جنگ نے ۱۸ سالہ کال گرل کرسٹائن کیلر سے تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ کرسٹائن کیلر کی کہانی کا آغاز ۱۹۶۳ء میں ہوا۔ جب ایک فوٹو گرافر لیوس مورس نے اس حسینہ کی عریاں تصویریں بنائیں۔ بعد ازاں برطانیہ کے وزیر جنگ پروفیومو سے خاص حسینہ کا معاشقہ بھی منظر عام پر آیا جبکہ یہ بھی انکشاف ہوا کہ کرسٹائن کیلر بہت سے ارکان پارلیمنٹ سے اسی قسم کے تعلقات رکھتی ہے۔ وہ کنزرویٹو پارٹی کی زبردست حامی تھی اور ووٹر تھی جبکہ اس نے یہ کہہ کر اپنی صفائی پیش کرنے کی کوشش کی کہ میں تو محض ایک "آزادی پسند" لڑکی ہوں جس سے شہ پا کر اخبار نویسوں نے خواہ مخواہ کہانیاں گھڑلی ہیں۔ لیکن اخبار نویس اس کے تعاقب میں اس کے سارے کردار کو منظر عام پر لانے میں کامیاب رہے۔ یہ سکینڈل دنیا بھر میں انتہائی مشہور ہوا۔ اور اس ضمن میں کرسٹائن کیلر کے ساتھ صدر ایوب کا نام بھی آیا۔ ایک بیان میں کرسٹائن کیلر نے دعویٰ کیا کہ میں صدر ایوب کے ساتھ پیراکی کرتی رہی ہوں اور یہ کہ ایوب خان انگریزوں سے بڑھ کر انگریز ہیں۔

جب اس کے دعوے کی تصدیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ صدر ایوب خان نے لارڈ آسٹر کے سوئمنگ پول پارٹی میں کرسٹائن کیلر کے ساتھ سوئمنگ کی تھی اور یہ کہ بہت سی دیگر حسینائیں لارڈ آسٹر کی اکثر ایسی بڑی بڑی دعوتوں میں ان کے اہم مہمانوں کے ساتھ سوئمنگ کرتی تھیں اور ان کی یہی خرمستیاں لارڈ آسٹر کی دعوتوں کو اتنا دلکش بناتی تھیں کہ بڑے بڑے غیر ملکی سربراہ بھی اس دعوت میں شریک ہونا ایک اعزاز سمجھتے تھے۔ ایوب خان ان دنوں برسر اقتدار تھے۔ اس لئے یہ کہانی پاکستانی اخبارات میں شائع نہ ہو سکی البتہ ایک صاحب نے کرسٹائن کیلر کی سوانح حیات کا آزاد ترجمہ کرتے ہوئے اس حسینہ کے ایوب خان کے بارے میں خیالات بھی دے ڈالے جس

کے نتیجہ میں یہ کتاب فوری طور پر ضبط کر لی گئی اور معاملہ دبا دیا گیا۔

فیلڈ مارشل ایوب خان کے اداکارہ کرسٹائن کیلر سے معاملات کی کہانیاں اخبارات میں بھی جگہ نہ پا سکیں کیونکہ الطاف گوہر کا پہرہ بہت سخت تھا۔ ایک مرتبہ ڈیلی نیوز کے صحافی ضمیر صدیقی نے کسی طرح خبر شائع کر دی کہ ایوب خان آرام کے لئے بیرون ملک تشریف لے جا رہے ہیں تو زلزلہ آگیا ایوب خان نے حکم دیا کہ چوبیس گھنٹے کے اندر صحافی ملک چھوڑ دے ورنہ اس کی خیریت نہیں ہوگی اور بالآخر ضمیر صدیقی کو ڈیلی نیوز سے علیحدہ ہونا پڑا۔

ضیاء الحق کے مارشل لاء کے دوران مرتضیٰ بھٹو بھارتی ایئرلائن کی فلائٹ نمبر IND-227 کے ذریعے کابل سے دہلی روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ ایک شبانہ نامی خاتون بھی تھی جو بھارتی خفیہ ایجنسی کی ایک اعلیٰ افسر تھی۔ واضح رہے کہ شبانہ وہی ہے جو ایوب خان کی گرل فرینڈ بن کر خاصی شہرت رکھتی تھی۔



گوہر ایوب

جماعت اسلامی کے حافظ محمد ادریس "صدر ایوب کے نامور سپوت نے ایک بار پھر ان کی یاد تازہ کر دی" کے عنوان سے لکھتے ہیں

"گوہر ایوب خان ہماری سابق قومی اسمبلی کے سپیکر اور ایک سابق چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدر مملکت کے بیٹے ہیں۔ ان کا ماضی بھی لوگوں کو اب تک نہیں بھولا تھا مگر حال ہی میں انہوں نے جو نئے گل کھلائے ہیں ان کی وجہ سے ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہئے۔

27 اکتوبر 1998ء بروز اتوار ملک کے مختلف روزناموں میں قومی اسمبلی کے سپیکر صاحب کی ایک تصویر چھپی' جس میں وہ ایک غیر ملکی خاتون کے ساتھ ڈانس کر رہے ہیں۔ اس پر لوگوں نے بہت ہی ہلکے رد عمل کا اظہار کیا حالانکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کے سربراہ کا یہ "کارنامہ" انتہائی قابل مذمت تھا۔ دوسرے روز کے اخبارات میں جناب سپیکر نے جو کچھ ارشاد فرمایا "عذر گناہ بدتر از گناہ" کے مترادف ہے۔ انہوں نے کہا "انڈونیشیا کے سفارتخانے میں ڈانس معمول کی بات تھی یہ ایک اسلامی ملک کا روایتی رقص تھا۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس میں کوئی برائی ہے' اس مسئلہ پر میرا ضمیر مطمئن ہے۔"

ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ اس میں اونچے طبقات کی اکثریت مسلمانوں جیسے نام رکھنے کے باوجود اسلام کے ہر شعار کا مذاق اڑانے اور کافرانہ طرز عمل پر اصرار کرنے سے باز نہیں آتی۔ نہ ان میں اتنی جرات ہے کہ کھلے عام اسلام کا انکار

کر دیں اور نہ اتنی شرم و حیا ہے کہ اسلام کا مذاق اڑانے کی ریت ترک کر دیں۔ قرآن مجید نے ایسے طبقات کو مترفین کہا ہے اور ہر معاشرے کے فساد اور اس کی تباہی کا ذمہ دار انہی کو گردانا ہے (سورہ بنی اسرائیل آیت ۱۶)

گوہر ایوب نے پتہ نہیں کس ضمیر کا ذکر کیا ہے۔ حدیث نبوی ﷺ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ بندہ جب اللہ کی نافرمانی کا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو اس کے دل پر تل کے دانے برابر سیاہ دھبہ لگ جاتا ہے۔ اگر بندے کو توبہ کی توفیق مل جائے تو وہ دھبہ دھل جاتا ہے ورنہ ہر گناہ کے ساتھ دھبے بڑھتے چلے جاتے ہیں تاآنکہ پورا دل سیاہ ہو جاتا ہے' ضمیر مردہ ہو جاتا ہے اور برائی پر ٹوکنے کی بجائے چپ سادھ لیتا ہے۔ اس مضمون کو قرآن مجید میں جگہ جگہ بیان کیا گیا ہے۔ خصوصاً سورہ "مطففین" آیت نمبر ۱۴ قابل ملاحظہ ہے۔

گوہر ایوب خاں اپنے دور میں عالمی پارلیمانی یونین کے انتخاب میں شکست سے دوچار ہوئے۔ جس کی وجہ سے وطن عزیز کی شہرت اور نیک نامی کو دھچکا لگا۔ اس شکست میں قائد حزب اختلاف بے نظیر بھٹو کی منفی پروپیگنڈہ مہم کے علاوہ گوہر ایوب کی اپنی شخصیت کا بھی خاصا عمل دخل رہا۔ گوہر ایوب نے ضمیر کے اطمینان کا بڑی دھوم سے اعلان کیا مگر میری درخواست ہے کہ انہیں ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ ضمیر بے چارہ مر چکا ہو۔

مخلوط محفلیں' رقص و سرود اور موسیقی سب غیر اسلامی تہذیبوں اور خصوصاً مغربی ثقافت کے تحفے ہیں۔ مغرب زدہ طبقہ ڈانس کی باقاعدہ تربیت حاصل کرتا ہے اور اس کے رموز و اسرار سے واقفیت پر ان کی مجلسوں میں تفاخر کا اظہار ہوتا ہے۔ مغرب کی نقل میں یہ بے چارے پتہ نہیں کیا کیا کر گزرتے ہیں۔ ان کے نزدیک مغرب کے آداب محفل و معاشرت کی خلاف ورزی انسان کو غیر متمدن اور بدتہذیب بنا دیتی ہے۔ فیا للعجب

صدر ایوب دنیا سے جا چکے ہیں۔ اللہ انہیں معاف فرمائے۔ ان کے "نامور سپوت" نے اپنے اعمال سے ایک بار پھر ان کی یادیں تازہ کر دی ہیں۔ (آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں کہ) برطانیہ کا بدترین جنسی سکینڈل جس میں ایک فاحشہ

عورت کرسٹائن کیلر اور کابینہ کے وزیر دفاع پروفومیو کے تعلقات منظر عام پر آئے تھے۔ ۱۹۶۰ کے عشرے میں برطانیہ میں خاصا معروف ہوا تھا۔ کیلر کے بیک وقت روسی سفیر اور برطانوی وزیر دفاع سے تعلقات کے انکشاف نے برطانیہ کی رائے عامہ کو ہلا



گوہر ایوب انڈونیشیا کے سفارت خانے میں محو رقص

کر رکھ دیا تھا۔ وزیراعظم میکملن نے رائے عامہ کے زبردست احتجاج کے سامنے وزارت سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ میکملن کا یہ عمل ان کی جمہوری سوچ اور سیاسی عظمت کی دلیل ہے۔ وہ خود اس سکینڈل میں ملوث نہیں تھے مگر اپنی کابینہ کے ایک وزیر کی بداخلاقی کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے ۱۰ ڈاؤننگ سٹریٹ سے باہر نکل آئے۔ انہوں نے اقتدار سے محرومی گوارا کر لی مگر اپنی نیک نامی اور شہرت کی قربانی گوارا نہ کی۔

آج گوہر ایوب کے پھپن دیکھ کر مجھے اس سکینڈل کی افسوسناک تفصیل بے ساختہ یاد آ رہی ہے جس کو وقت گزرنے کے ساتھ میں فراموش کر چکا تھا۔ کرسٹائن کیلر مغربی معاشرے کی ماڈل گرل تھی۔ ایک وزارت کا بیڑہ غرق کرنے کے باوجود جناب گوہر ایوب کی طرح اس کا "ضمیر مطمئن" ہی رہا۔ اس کے بہت سے انٹرویو چھپے اور لوگوں نے اس پر کتابیں لکھ ڈالیں۔

کرسٹائن کیلر نے ایک انٹرویو میں دنیا کے بہت سے حکمرانوں اور سیاست دانوں کا تذکرہ کیا جو اس کی دہلیز پر حاضر ہوئے یا جنہیں محظوظ کرنے کے لئے اسے ان کے ہاں جانا پڑا۔ مسلمان زعماء میں سے دو ممالک کے سربراہان کا نام سرفہرست تھا۔ کرسٹائن کیلر نے اگرچہ ان دونوں حضرات کی مردانہ وجاہت اور قوت کو دل کھول کر خراج تحسین پیش کیا تھا مگر اس انکشاف پر دونوں صدور ازحد پریشان اور پشیمان ہوئے۔ وہ دونوں دنیا سے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے، مگر شاباش ہے گوہر ایوب صاحب کو کہ اپنے کئے پر نہ پریشان ہیں نہ پشیمان۔ متاع کارواں کا لٹ جانا بھی قابل افسوس ہوتا ہے مگر احساس زیاں کا کھو جانا تو اس سے بھی بڑا المیہ ہے۔

مجھے پچھلے دنوں ناروے اور برطانیہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا یہ دورہ بڑا مختصر اور انتہائی مصروف تھا۔ ارادہ تھا کہ سفر کے تاثرات لکھوں گا مگر پاکستان واپس آ بھی فرصت بالکل عنقا رہی۔ ان سطور میں ایک بات کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں کوپن ہیگن سے اوسلو جاتے ہوئے سکنڈے نیویا کے جہاز میں ایئرلائنز کا ماہ شمارہ "سکینو راما" نظر سے گزرا۔ سکنڈے نیوین ممالک اپنی عریانی اور فحش نگاری

سارے یورپ کو بہت پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ مذکورہ بالا مجلے کے ٹائٹل پر ہالی وڈ کے معروف ترین ایکٹر اینڈی گارشیا کی تصویر اور اندر کے صفحات میں اس کا تفصیلی تعارف ہے۔ اس ایکٹر نے واشگاف الفاظ میں کہا ہے "میں کسی ایسی فلم میں کام کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا جس میں جنسی بے راہ روی اور ننگی تصاویر کا مطالبہ کیا جائے۔"

مضمون نگار گنار رہلین (Gunnar Rehlin) نے ایکٹر کے خیالات کی جو جھلکیاں پیش کی ہیں وہ انتہائی قابل قدر ہیں۔ ہالی وڈ کے ایکٹر کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ گوہر ایوب اینڈ کمپنی کے لئے تازیانہ عبرت ہیں۔ "میرے لئے ماروی (Marvi) میری بیوی ہی سب کچھ ہے۔ میں نے کسی دوسری عورت کو کبھی للچائی ہوئی نظروں سے نہیں دیکھا۔"

(مذکورہ مجلہ صفحہ ۱۶)

گوہر ایوب صاحب نے اپنی سفلی حرکت سے مجلس قانون سازی نہیں بلکہ پوری قوم کا سر شرم سے نیچا کر دیا ہے۔ ان کا سخت ترین محاسبہ ہونا چاہیئے مگر محاسبہ کرے گا کون؟ بد قسمتی سے حزب اقتدار اور حزب اختلاف میں ایک ہی قدر مشترک ہے اور وہ ہے مغربی تہذیب کی نقالی اور محبت! بے نظیر صاحبہ آئے دن ایسی گوہر افشانی کرتی رہتی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ حقیقت میں وہ بھی بنت مغرب ہیں۔ ایسے عناصر نے تو گوہر ایوب کے اس "کارنامے" پر سکھ کا سانس لیا ہو گا۔

وزیر اعظم نواز شریف بلاشبہ مشرقی روایات کی پاسبانی اور رکھ رکھاؤ کا ذاتی حیثیت میں کسی حد تک اہتمام کرتے ہیں مگر ان کے گرد و نواح میں ان کے ساتھی' گوہر ایوب ہی کی قماش کے لوگ ہیں۔ امریکہ میں بھیجی جانے والی سیاست داں سفیر بیگم عابدہ حسین بھی ہر روز کوئی نہ کوئی گل ضرور کھلاتی ہیں۔ یہاں پاکستان میں ان کی "پرفارمنس" دیکھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ واشنگٹن میں وہ کیا کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیتی ہو نگی۔

مغرب میں اب فحاشی و عریانی اور بے حیائی کے سیلاب بلاخیز کا زور ختم ہونے والا ہے۔ وہاں ایسے فورمز میں بھی اب اس طوفان بد تمیزی کے خلاف صدائے

احتجاج بلند کرنے والے پیدا ہو رہے ہیں۔ جن فورمز کا مقصد ہی فحاشی و بے حیائی تھا اور جن کی پہچان بھی یہی۔ ہالی وڈ کی ایک مثال اوپر آپ پڑھ چکے ہیں۔

مسلمان ممالک کے عوام کی قسمت اس وقت تک نہیں بدل سکتی' جب تک یہاں مغربی ثقافت کے دلدادہ اور فرنگیوں کے ذہنی غلاموں کا تسلط ختم نہیں کیا جاتا۔ بد قسمتی سے سلطانی جمہور کے دور میں بھی جمہور کے اپنے غلط فیصلوں کی وجہ سے نقش کہن ہی کی غازہ گری ہو رہی ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ تہذیب بے خدا کے گندے انڈے اٹھا کر پھینک دیئے جائیں۔ اگر اس وقت بھی ایسا نہ ہوا تو مجھے خدشہ ہے "ہماری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں۔"

"پچھلے دنوں انڈونیشیا کے سفارتخانے میں قومی اسمبلی کے سپیکر گوہر ایوب صاحب نے ایسا ڈانس کیا کہ ساری کمی پوری کر دی۔ خواتین کے مطابق تو ان کی تصویریں ویسے ہی بہت اچھی اترتی ہیں۔ بینٹ ایکسواری نے کہا ہے کہ اس طرح محبت کرو جیسے تو محبت کرتا ہے اور اس طرح مرو جیسے عاشق مرتا ہے۔ کیپٹن گوہر ایوب نے بھی عمر بھر ایسے ہی کیا۔ یہاں تک کہ لوگ انہیں ME Go Her Ayub لکھتے۔ صدر ایوب کے لئے ان کے بیٹے ہی پوری دنیا تھے کیونکہ ان کو سنبھالنا ایسا ہی تھا جیسے پوری دنیا کو سنبھالنا۔ رقص کو اعضا کی شاعری بھی کہتے ہیں۔ اس لئے تصویر میں گوہر ایوب صاحب قدم یوں اٹھا رہے ہیں جیسے مصرعے اٹھا رہے ہوں۔ وہ جو کچھ کرتے ہیں اپنے ملک کے لئے کرتے ہیں اور ہمارے ہاں مومنوں کی روایت ہے کہ بچ کے ہار کو سنانے سے عزت نہیں گھٹتی۔ یہی طریقہ فلموں میں بھی رائج ہے۔ ہو سکتا ہے وہ رقص کرکے دوسرے ملکوں کو اور قریب لانا چاہتے ہوں۔ اگرچہ تصویر میں دونوں ملکوں میں چند قدم کا فاصلہ ہی رہ گیا ہے۔"

(ہفت روزہ احوال کراچی 28 نومبر تا 4 دسمبر 1991ء)

ناحق رسوا کیا تصویروں نے ہمیں
ورنہ آدمی تھے ہم بھی بڑے کام کے

نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں فیلڈ مارشل کے فرزند گوہر ایوب

کا ایک سکینڈل منظر عام پر آیا۔ واقعہ یوں ہوا کہ گوہر ایوب دامن کوہ اسلام آباد میں ایک اہم ادارے کے سینئر افسر کی اہلیہ سے بوس و کنار میں مصروف تھے کہ دو نامعلوم ڈاکوؤں نے انہیں روکا اور وزیر کی شادی شدہ محبوبہ کا ہار، انگوٹھی اور نقد رقم لوٹ لی اور فرار ہو گئے جس کے بعد اس عورت نے اپنے دوست وزیر سے کہا کہ مجھے زیور خرید کر دے دو نہیں تو گھر والے باز پرس کریں گے اور معاملہ خراب ہو جائے گا۔ سندھی اخبار کاوش کے مطابق وزیر صاحب نے زیورات خرید کر دینے سے انکار کر دیا جس پر وزیر کے ایک بچپن کے دوست جو وزیر اور ان کی محبوبہ کو اچھی طرح پہچانتا ہے نے اپنے پاس سے زیورات خرید کر اپنے دوست کی محبوبہ کو دے دیے۔

گوہر ایوب نے اس واقعہ کو خلاف حقیقت قرار دیا۔ مگر دامن کوہ میں چوبیس گھنٹے ڈیوٹی پر موجود اہلکاروں نے اس کی تصدیق کی۔ جس پر گوہر ایوب کا قلمدان وزارت تبدیل کر دیا گیا۔

"بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ"



یحییٰ خان

پاکستانی سیاست دانوں میں یحییٰ خان سب سے زیادہ رومان پرست واقع ہوئے ہیں۔ وہ شباب اور شراب دونوں کے رسیا تھے۔ قدرت اللہ شہاب اپنی مشہور زمانہ سوانح عمری "شہاب نامہ" میں رقم طراز ہیں "جن دنوں کشمیر کا جہاد زوروں پر تھا۔ میں آزاد کشمیر حکومت کا سیکرٹری جنرل تھا۔ پلندری اور تراڑ کھل کے درمیان ایک پہاڑی جو نجال ہل میں ہمارا سیکرٹریٹ واقع تھا۔ یہاں پر چند کچے مکان تھے۔ جن میں آزاد کشمیر کے صدر، وزراء اور دوسرے ملازمین کی رہائش گاہیں اور دفاتر تھے۔ دن کے وقت سیکرٹریٹ کا کام عموماً درختوں کے سائے میں ہوتا تھا۔ کسی کے پاس لوہے کی کرسی تھی۔ کسی کے پاس چوبی اسٹول۔ کوئی پتھروں کا چبوترہ بنا کر بیٹھتا تھا۔ کوئی گھاس پر نیم دراز ہو کر فائلیں چلاتا تھا۔ دن میں کئی بار ہندوستان کے بمبار طیارے ہمارے اوپر سے گزرتے تھے۔ کبھی کبھی ان کی پرواز اس قدر نیچی ہوتی تھی کہ پائلٹ کا چہرہ نظر آنے لگتا تھا۔ ایک روز ہم میٹنگ کر رہے تھے کہ ایک گول مٹول سا فوجی جیپ سے اتر کر ہمارے پاس آیا۔ چہرے پر سوجن اور آنکھوں میں گندے انڈے کی ابلی ہوئی زردی سی تھی۔ اس کے ایک ہاتھ میں بید کی چھڑی اور دوسرے میں چمڑے کا گول تھیلا تھا۔ آتے ہی اس نے اپنی چھڑی میری ناک کے عین سامنے گھمائی اور قدرے ڈانٹ کر پوچھا "یہاں کیا تماشا ہو رہا ہے؟"

"میں نے عرض کیا کہ یہ آزاد جموں و کشمیر کا سیکرٹریٹ ہے۔"

یہ سن کر اس کی توند تسلے میں پڑی ہوئی اوجھڑی کی طرح گدگدائی۔ اور گلے سے غوں غوں غاں غاں کی کچھ رندھی ہوئی آوازیں برآمد ہوئیں۔ یہ اس بات کی دلیل

تھی۔ کہ آغا یحییٰ خان صاحب ازراہ تمسخر قہقہے فرما رہے ہیں۔ ہمارے سیکرٹریٹ کی وینٹ کذائی پر چند تحقیری اور تضحیکی پھبتیاں کسنے کے بعد آغا صاحب بور ہو گئے اور کچھ دور پرے جا کر درختوں کی اوٹ میں ایک چٹان پر بیٹھ گئے۔ اپنا تھیلا کھول کر انہوں نے کچھ سینڈوچ نوش فرمائے۔ اور پھر پیاس بجھانے کے لئے غالباً بیئر کی بوتل نکالی۔ ماہ رمضان کے دن تھے۔ یہ دیکھ کر میرا اردلی جلال میں آ گیا اور اس نے دور ہی دور سے انہیں للکارا۔ "خبردار صاحب۔ یہ حرام بند کرو۔ ابھی ابھی سینڈھ کی وادی ہمارے ہاتھ سے نکل کر ہندوستان کے قبضے میں چلی گئی ہے۔ اب خدا کے غضب کو اور نہ بلاؤ۔ بوتل توڑ دو۔ ورنہ خون خرابہ ہو جائے گا۔"

یحییٰ خان نے بوتل تو نہ توڑی۔ لیکن جلدی جلدی سامان سمیٹ کر زیر لب بڑبڑاتا ہوا تو دو گیارہ ہو گیا۔

قدرت اللہ شہاب یحییٰ خان کا مختصر تعارف کروانے کے بعد آگے ایک جگہ لکھتے ہیں:

"کئی برس بعد مجھے یحییٰ خان کی زیارت ایک اور رنگ میں نصیب ہوئی۔ جب پاکستان کا دارالخلافہ راولپنڈی اور اسلام آباد منتقل ہو رہا تھا۔ تو ارباب پنڈی کلب نے کراچی سے تازہ واردان بساط ہوائے دل کی خیرسگالی کے لئے ایک زبردست محفل ہاؤ نوش منعقد کی۔ مارشل لاء کا بول بالا تھا کئی سول سرونٹ چند کلیدی فوجی حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ کچھ بیگمات بھی اس مہم پر اپنے خاوندوں کا ہاتھ بٹانے کے لئے بج دھج کر شریک محفل تھیں۔ اس انجمن میں یحییٰ خان چہک چہک کر، پھدک پھدک کر کبھی ایک بیگم اور کبھی دوسری بیگم سے ٹکراتا تھا۔ بڑی محنت و مشقت کے بعد اس نے ایک طرحدار خاتون کو پھانسا۔ اور اسے گھیر گھار کر باہر لان میں لے گیا۔ کچھ دیر آنکھ مچولی کا کھیل ہوتا رہا۔ بد قستی کے عالم میں یحییٰ خان کی بیمانہ ہنہناہٹ اور طرحدار خاتون کے نرم و نازک قہقہے اندر بیٹھے ہوئے دوسرے امیدواروں کی چھاتی پر مونگ دلتے رہے۔ پھر زور کا دھماکہ ہوا۔ اور سب لوگ بھاگ کر باہر آ گئے۔ خاتون تو ایک میز پر ٹانگیں لٹکائے بڑے آرام سے شمپین پی رہی تھی۔ لیکن غریب یحییٰ خان کسی کرسی

سے ٹکرا کر ادھ موئے دنبے کی طرح زمین پر چاروں شانے چت گرا پڑا تھا۔ یار لوگوں نے دھکیل دھکال کر اسے اٹھایا۔ وہ حنوط شدہ اکڑی ہوئی لاش کی طرح بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا۔ اور کسی نے اس کی پتلون اوپر کھینچ کر توند کے نشیب پر از سر نو فٹ کی۔"

اپنی حرکات کی بدولت یحییٰ خان کے دور کو اگر رنگیلے بادشاہ کا دور کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ کیونکہ ان کے دور میں بری شہرت کی حامل کئی خواتین کی آمد و رفت ایوان صدر میں عام تھی۔ اور ان کے دور اقتدار میں ان سے بھی زیادہ طاقتور جنرل رانی جن کا اصل نام اقلیم اختر المعروف جنرل رانی تھا ثابت ہوئیں۔ جنرل رانی نے کئی بار دعویٰ کیا کہ ذوالفقار علی بھٹو، غلام مصطفیٰ کھر اور دیگر سیاست دان ان کے گھر میں اکثر حاضر ہوتے رہتے تھے۔

اقلیم اختر عرف رانی گجرات کے ایک تھانیدار کی بیوی تھی جس کی رسائی 1964ء میں جنرل یحییٰ تک ہوئی۔ پھر بات یہاں تک پہنچی کہ محفلوں میں ان کے



نورجہاں اور سابق صدر پاکستان یحییٰ خان۔ متحدہ پاکستان کے آخری ایام

ساتھ کچھ اور لڑکیاں بھی آنے لگیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ یحییٰ خان کے دوسرے ساتھیوں کا دل بہلانے کا بندوبست بھی کرتی رہیں۔

یحییٰ خان کی ان عادات اور مشاغل کے تذکروں سے 72۔1971ء کے تمام اخبارات بھرے پڑے ہیں۔ جنرل رانی کا دعویٰ تھا کہ وہ یحییٰ خان سے ہر وہ کام کروا سکتی ہیں، جو دنیا کا کوئی اور شخص نہیں کروا سکتا۔ وہ اکثر پرائیویٹ محفلوں میں کہتی کہ یحییٰ خان میں خود غرضی اور منافقت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اس کی رگوں میں خون نہیں شراب دوڑتی ہے۔ مجھے وہ تمام گر آتے ہیں جو اس کی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں۔

یحییٰ خان اور جنرل رانی کا ایک قصہ بہت مقبول ہوا۔ جب 1965ء کی جنگ کے بعد ایک تقریب میں جنرل رانی نے بہت بڑا ایک گانا اور اس موقع پر نیم عریاں لباس پہن کر رقص کیا۔ ساتھ پنجابی گانا اونچی آواز میں سنایا تو جنرل یحییٰ خان نے کہا کہ آہستہ بولو' ابھی مجھے ایوب خان سے اقتدار بھی لینا ہے۔ جنرل یحییٰ کے دور میں جنرل رانی اور اس کے گھر والے سرکاری ٹرانسپورٹ استعمال کرنے کے علاوہ ہر قسم کے



جنرل رانی دلہن کے روپ میں

سرکاری پروٹوکول سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

امریکی جریدے نیوز ویک نے یحییٰ خان کے متعلق انکشاف کرتے ہوئے لکھا کہ یحییٰ خان کے عہد میں بری شہرت کی حامل عورتوں کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ اپنی رپورٹ میں رسالے نے یحییٰ خان کی جنرل رانی اور دوسری عورتوں کے ساتھ چند غیر مہذب تصاویر بھی شائع کیں۔ اس پر جنرل یحییٰ نے اس رسالے کی پاکستان میں فروخت رکوانے کی دھمکی دی تو اس نے ایک دوسرا فیچر شائع کر دیا۔ جس میں کہا گیا کہ اس دور میں پاکستان کی اصل حکمران (12) عورتیں تھیں اور پھر اس میں ان تمام عورتوں کی کرتوتوں کے بارے میں تفصیلاً رپورٹ دی گئی جو اپنی جگہ ریکارڈ ہیں۔ ان (12) عورتوں میں جنرل رانی' بلقیس خانم' جنرل رانی کی دو بیٹیاں' مسز کے حسین' گلوکارہ نور جہاں' پشاور کی ایک مشہور رقاصہ اور فلمی اداکارائیں شامل تھیں۔ فیچر میں یہ بھی دعویٰ کیا گیا کہ در حقیقت یہ خواتین تعلقات کی آڑ میں جاسوسی کرتی ہیں۔

جیسا کہ اوپر ذکر آیا کہ مسز کے حسین بھی جنرل یحییٰ خان کی منظور نظر خواتین میں شامل تھی وہ جنرل رانی سے زیادہ حسین تھی۔ دونوں میں رقابت کا جذبہ تھا۔ یحییٰ خان دونوں کی موجودگی میں ان کی نوک جھونک سے خوب لطف اندوز ہوتے تھے۔ یحییٰ خان کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے جنرل رانی کو خوش کرنے کے لئے اس کی سفارش پر کئی ٹھیکے دینے کے علاوہ' کئی بڑے افسروں کی تقرریاں اور برطرفیاں کیں اور اسے ایک فلم بنانے کے لئے لاکھوں روپے دیئے۔ یحییٰ خان اب منوں مٹی تلے جا چکے ہیں جبکہ جنرل رانی ٹوٹے پھوٹے مکان میں چارپائی پر لیٹی گئے دنوں کو یاد کرتی رہتی ہے۔

اداکارہ عندلیب جس پر اس کے عاشق حنیف گھمن نے تیزاب انڈیل دیا تھا کے بارے میں مبینہ طور پر پتہ چلا ہے کہ وہ یحییٰ خان کی ناجائز اولاد ہے۔ عندلیب کی والدہ مسز آغا کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ اس کی دوستی یحییٰ خان کی محبوبہ جنرل رانی سے تھی۔ جنرل رانی سے دوستی کا دم بھرنے والے جنرل یحییٰ اور دیگر کئی بیوروکریٹس اور سیاست دان بھی مسز آغا اور اس کی رشتہ دار مون کی "ڈیمانڈ" کرتے تھے۔ مسز آغا نے بھی لو میرج کی مگر یہ شادی پائیدار نہ رہی۔ شادی سے قبل



اداکارہ عندلیب

مسز آغا کا جنرل رانی کے ڈیرے پر آنا جانا تھا۔ یحییٰ خان جب بھی جنرل رانی کے ڈیرے پر جاتے اس کی ملاقات مسز آغا سے ہوتی تھی۔ دونوں میں دوستی بڑھ گئی۔ اکثر دونوں

اکٹھے دیکھے جاتے۔ مسز آغا اکثر محفلوں میں یہ کہتی سنی جاتی۔ کہ جنرل رانی میری بہن ہے اور یحییٰ خان میرا سب کچھ اور میں کسی سے نہیں ڈرتی۔ یحییٰ خان کے قریبی حلقے عندلیب کی پیدائش پر استفسار کرتے نظر آئے کہ یہ بچی شوہر سے ہے یا یحییٰ خان کا گناہ ہے۔

یحییٰ خان کی رنگ رنگیلی زندگی کا یہ واقعہ تو شہرت دوام حاصل کر چکا ہے کہ مشہور فلمسٹار ترانہ صدر یحییٰ خان سے ملنے گئی۔ تو دربانوں نے روک لیا اور خاصی دیر بحث کرنے کے بعد اندر جانے کی اجازت دی مگر جب وہ باہر آئی تو ڈیوٹی پر موجود لوگوں نے اسے سلیوٹ مارا۔ پوچھا گیا کہ جاتے ہوئے تو یہ کارروائی نہیں کی گئی تو وہ لوگ یک زبان بولے کہ جناب پہلے آپ صرف فلمسٹار ترانہ تھیں۔ مگر اندر ہو آنے کے بعد آپ "قومی ترانہ" بن چکی ہیں۔

یحییٰ خان کی شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے مغربی جرائد نے لکھا تھا کہ:

"ہر شخص مختلف طریقے سے ناشتہ کرتا ہے' انگریز انڈے اور سور پسند کرتا ہے۔ جرمن ساس پسند کرتے ہیں مگر یحییٰ خان زنا پسند فرماتے ہیں۔"



نور جہاں جام تھامے ہوئے' صدر پاکستان جنرل آغا یحییٰ خان کے ساتھ

پاکستان کی سیاسی تاریخ کے سب سے بڑے متنازعہ کردار سابق صدر جنرل یحییٰ خان کی وفات کے 19 برس بعد ان کی ذاتی ڈائری "امریکی سی۔ آئی۔ اے اور محکمہ خارجہ کی دستاویزات کے علاوہ پاکستان کے مختلف اداروں کے پاس محفوظ خفیہ رپورٹس پر مشتمل کتاب "جنرل یحییٰ خان شخصیت اور سیاسی کردار" میں اس سازش کو بے نقاب کیا گیا ہے جو ملک توڑنے کے لئے تیار کی گئی تھی اور جس کے کردار پابند سلاسل ہونے کے بجائے اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے بچے کھچے ملک کو تباہ کرنے میں مصروف ہیں۔ کتاب کے مصنف منیر احمد کا تعلق ایک امریکی خبر رساں ادارے سے ہے اور انہوں نے ثابت کیا ہے کہ پاکستان توڑنے کی سازش امریکی سی۔ آئی۔ اے اور اندرا گاندھی نے کی تھی جس پر عملدرآمد کے لئے سیاست دانوں اور جرنیلوں کو استعمال کیا گیا۔ کتاب میں ان کرداروں کی ایک لمبی فہرست موجود ہے۔ یحییٰ خان کی ذاتی ڈائری ان کے صاحبزادے علی یحییٰ خان کے پاس محفوظ تھی جسے انہوں نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق اوپن کر دیا ہے۔

معروف صحافی منیر احمد "جنرل یحییٰ خان' شراب' عورت اور ٹوٹتا بنتا پاکستان" کے عنوان سے لکھتے ہیں :۔

"جنرل یحییٰ خان شراب پیتے تھے مگر وہ بھٹو اور شیخ مجیب الرحمان دونوں کو بھی کبھار ساتھ بٹھا کر بھی پی لیا کرتے تھے۔ چونکہ ذوالفقار علی بھٹو کو معلوم تھا کہ یحییٰ کے شوق کس قسم کے ہیں اس لئے وہ لاڑکانہ میں یحییٰ خان کو شکار کھلوانے کے ساتھ ساتھ دوسرے لوازمات سے بھی ان کی سیوا کیا کرتے تھے۔ یہ ذکر اس دور کا ہے جب شراب کھلے عام فروخت ہوتی تھی' قحبہ خانے کھلے عام چلتے تھے' ہوٹلوں میں گانے بجانے اور جسم فروشی کا کاروبار کھلے عام ہوتا تھا اور یہ درست ہے کہ اسلام ان تمام برائیوں کی ممانعت کرتا ہے مگر شراب فروخت کرنے اور خریدنے والوں کو ممکن ہے رشوت لینے کے لئے تو پکڑ لیا جاتا ہو مگر انہیں اس لئے بہت ہی کم پکڑا جاتا تھا کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ اس طرح عیاشی 1960ء کی دہائی میں ہمارے کلچر کا حصہ بن چکی تھی اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حکمران طبقہ غیر محسوس

انداز میں پاکستان کو Sex Free Society کی طرف لے کر جا رہا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو مرحوم نے اسلامی قوانین اس لئے نافذ نہیں کئے تھے کہ ان پر راتوں رات اسلام کی رحمتیں نازل ہو گئی تھیں بلکہ ایسا انہوں نے محض اقتدار بچانے اور مولوی حضرات کو خوش کرنے کے لئے کیا تھا۔ بھٹو مرحوم نے شراب پر تو پابندی لگا دی لیکن شراب کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہا۔ ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی کابینہ کے اکثر ارکان شراب پیتے تھے اور صرف سیاست دانوں پر ہی کیا موقوف' بڑی تعداد میں سول اور ملٹری بیوروکریسی سے تعلق رکھنے والے افراد بھی یہی شغل فرماتے تھے لیکن ان تمام افراد کی مے نوشی کے قصے اس لئے زبان زدعام نہ ہوئے کہ انہیں پینے کا سلیقہ آتا تھا۔ سوائے چند ایک نوجوان حضرات کے جن میں غلام مصطفیٰ کھر بھی شامل تھے' جب غلام مصطفیٰ کھر گورنر بنے تو وہ شراب پی کر لاہور میں گورنر ہاؤس کے کمروں اور وسیع و عریض سبزہ زار میں غل غپاڑہ مچا دیا کرتے تھے' اور وہ حسین و جمیل خواتین کے ساتھ کس طرح تفریحی لمحات گزارتے تھے وہ اپنی جگہ ایک حقیقت اور تاریخ کا حصہ ہے۔ اسی طرح سندھ کے سابق وزیر اعلیٰ جام صادق شراب نوشی کے حوالے سے بدنام اس لئے ہو گئے کہ وہ سب کے سامنے پیتے تھے اور کہتے تھے کہ "میں شرابی ہوں منافق نہیں۔۔۔۔ ہاں میں پیتا ہوں اور ڈٹ کر پیتا ہوں۔" یہی کچھ حال جنرل یحییٰ خان کا بھی تھا جو پیتے تھے اور ڈٹ کر پیتے تھے وہ شراب پیتے نہیں تھے بلکہ شراب میں نہاتے تھے اور ان کی یہی حرکت نہ صرف ان کے اپنے لئے بلکہ ان کے خاندان کے لئے بھی رسوائی کا سبب بنی۔ ایک مرتبہ موصوف نے ایک غیر ملکی دورے کے دوران اس قدر شراب پی لی کہ ایوان صدر کے عملے کو جہاز دو گھنٹے تک محض اس لئے فضا میں رکھنا پڑا کہ صدر محترم کا نشہ اتر جائے۔

ایوان صدر میں جنرل یحییٰ خان عموماً رات گئے خصوصی محفل سجایا کرتے تھے اور مے نوشی کے ساتھ ساتھ وہ خوبصورت حسیناؤں سے بھی دل بہلاتے رہتے تھے۔ انہی خواتین میں ایک اداکارہ ترانہ بھی تھی جو بلاشبہ خوبصورتی میں اپنی مثال آپ تھی۔ جنرل یحییٰ خان ایوان صدر میں اداکارہ ترانہ کی فرمائش پر کبھی کبھار مستی

میں قومی ترانہ بھی سنا دیا کرتے تھے اور فی الحقیقت اس دوشیزہ کا ایوان صدر میں "ترانہ بجتا تھا" یعنی وہ اس قدر اثر و رسوخ کی مالک تھی کہ اہم عہدوں پر فائز حضرات بھی اس کی خوشامد کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں اس کی شان میں ان سے کوئی بے ادبی نہ ہو جائے۔ ترانہ صاحبہ خوبصورتی میں تو اپنی مثال تھی ہی لیکن ان کے گلے کے نزدیک قدرتی طور پر چھوٹا سا گڑھا بنا ہوا تھا اور یحییٰ خان وہاں شراب انڈیل کر پیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک اور خاتون مسز کے ایم حسین بھی تھیں جن کا تعلق بنگال سے تھا اور وہ بلیک بیوٹی کے نام سے مشہور تھی۔ چونکہ مسز کے ایم حسین کو ایوان صدر میں بھی کبھار آنے کے لئے اپنے شوہر سے "بہانہ" کرنا پڑتا تھا اس لئے صدر محترم نے ان کے میاں صاحب کو سوئٹزرلینڈ میں سفیر بنا کر بھیج دیا۔ ایک مرتبہ مسز کے ایم حسین کا ایک مالیاتی ادارے PICIC کے سربراہ سعید احمد کے ساتھ جھگڑا ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ بلیک بیوٹی نے کسی کی سفارش کی ہو گی اور سعید احمد نے اس پر غور نہیں کیا ہو گا۔ نتیجتاً بلیک بیوٹی نے یحییٰ خان کے سامنے اس کی شکایت کر دی۔ بس پھر کیا تھا راتوں رات سعید احمد کو پیغام دیا گیا کہ پنڈی پہنچو اور استعفیٰ دے دو۔ آخرکار سعید احمد نے تحریری طور پر معذرت کی اور اس معذرت نامہ پر یحییٰ خان نے اپنے ہاتھ سے لکھا "نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی ——"

مسز کے۔ ایم حسین کے بھارتی سفارت کاروں کے ساتھ تعلقات تھے اور انٹیلی جنس کو بہت بعد میں پتہ چلا کہ وہ را کے لئے کام کرنے کے علاوہ سی۔ آئی۔ اے کے لئے بھی خدمات انجام دے رہی تھی۔ جہاں تک اداکارہ ترانہ کا تعلق ہے وہ فوج کی ایک انٹیلی جنس ایجنسی کے لئے کام کرتی تھی۔ یحییٰ خان کا قرب حاصل کرنے والی خواتین میں سب سے زیادہ بدنام جنرل رانی ہوئیں جو گجرات سے تعلق رکھتی تھی اور ان کا اصل نام اقلیم اختر تھا۔ اقلیم اختر عرف رانی کو جنرل رانی کا خطاب خود یحییٰ خان نے دیا تھا کیونکہ وہ بہت تیز اور ہاتھ چھٹ خاتون تھیں۔ بڑے بڑوں کی بے عزتی کر دینا ان کے لئے معمول کا کام تھا۔

یحییٰ خان کے فرزند علی یحییٰ خاں نے ماضی کے جھروکوں میں جھانکنا شروع کیا تو تاریخ ایک نئی شکل لے کر میرے سامنے آگئی۔ علی یحییٰ خان نے اپنے والد کی

زندگی کے اوراق سے پردہ اٹھانے سے قبل پہلے ہی بھرتے بھٹو کو گالیاں دیں اور پھر بولے "تمہیں یاد ہے کہ اس شو ـــــ (بھٹو) نے میرے والد کو ساڑھے پانچ سال گھر اور بوسیدہ عمارتوں میں نظر بند رکھا۔ اگر بھٹو نے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ شائع نہیں کرنا تھی تو پھر اس نے یہ کمیشن بٹھانے کا ڈرامہ کیوں رچایا تھا؟" یہ د...... کا بچہ میرے والد کو قائداعظم ثانی کہتا تھا مگر یہ حرامی سب کچھ بھول گیا۔ خود مجھے بھٹو اکثر کہا کرتا تھا کہ علی تم میرے دوست ہو' علی تم میرے بھائی ہو لیکن میں نے اس پر کبھی اعتبار نہ کیا کیونکہ میں اس کے پورے خاندان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ شاید آپ کو علم نہ ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ بھٹو کی والدہ کے شاہ نواز سے پہلے نہرو کے والد کے ساتھ خصوصی روابط تھے اور یہ وہ حقائق ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ شاہ نواز بھٹو کو بھی نہرو خاندان کے بعض افراد کے ساتھ خصوصی مراسم رکھنے والی خوبصورت لکھن بائی پسند آگئی اور انہوں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر شاہ نواز نے لکھن بائی سے شادی بھی کر لی لیکن کبھی ہو سکے تو دیکھنا کہ بھٹو کا چہرہ کسی طور پر نہرو کے ساتھ ملتا ہے۔ خود بھٹو کا ان کی والدہ نے نام "گاسی رام" رکھا تھا جبکہ ذوالفقار علی بھٹو کا نام انہیں اس وقت ملا جب ان کی والدہ نے اسلام قبول کر لیا۔ مجھے بھٹو سے کبھی بھی دوستی کا شوق نہ تھا کیونکہ وہ اس قدر جھوٹ بولتا تھا کہ خدا کی پناہ!

بھٹو نے اقتدار حاصل کرتے ہی اپنی اصلیت ظاہر کر دی۔ اس نے ہمارے خاندان کو انتقام کا نشانہ بنایا اور میڈم رانی کو میرے والد کے ساتھ نتھی کر دیا حالانکہ میڈم رانی کا تعارف بھٹو نے خود میرے والد سے یہ کہہ کر کرایا تھا کہ "یہ خاتون میری اچھی والدہ ہیں۔" اکتوبر 1971ء میں میری شادی ہوئی' ہم نے بھٹو کو دعوت نہیں دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود وہ شادی سے چند دن پہلے گھر آگیا اور بولا "سر! میرے بھتیجے کی شادی ہے اور مجھے مدعو نہیں کیا گیا۔ یہ بڑی زیادتی ہے۔" جس پر والد صاحب نے کہا کہ ملک کے حالات خراب ہیں اس لئے شادی دھوم دھام سے نہیں منائی جا رہی' بہرحال تم آ جانا۔ لیکن شادی کی تقریب میں بھٹو شراب پی کر غل غپاڑہ کرتے رہے اور ایک جرنیل کو دیکھ کر انہوں نے کہا کہ "اے جنرل! سنو' تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا۔" وہ جنرل ہکا بکا رہ گیا۔ کیونکہ بھٹو کا انداز شرم ناک تھا اور

"وہ تقریب کو خراب کر رہے تھے۔ میں نے بھٹو کو کہا کہ ذلفی تمہیں سلام کرنا ہر کسی کے اوپر لازم نہیں ہے جس پر وہ بولے "ہر کسی پہ لازم ہو یا نہ ہو لیکن کم از کم اس ...... کو مجھے سلام کرنا چاہیے کیونکہ کل رات اس کی بیوی میرے بستر میں تھی۔" شادی کی تقریب ختم ہوئی تو اگلے دن والد صاحب نے مجھے بلا کر کہا کہ بھٹو اور جنرل ...... کے درمیان کل رات کس بات پر جھگڑا ہوا تھا۔ میں نے تفصیل بتائی تو والد نے کہا "اس حرامی کے بچے کو آئندہ کبھی اپنے خاندان کے کسی فنکشن میں مدعو نہ کرنا "یہ ...... کا بچہ دوسروں پر گندگی اچھالتا ہے اور اسے یہ خبر نہیں کہ اس کی اپنی بیوی کل کس کے ساتھ تھی۔"

معروف قلمکار جناب سلطان شاہد اپنی کتاب میں لکھتے ہیں :۔

"یحییٰ خان' عجیب اس لحاظ سے تھا کہ اسے موٹی عورتیں بہت پسند تھیں۔ چنانچہ نورجہاں اور "جنرل" رانی اس کی محفلوں کی جان تھیں اور سب پر چھائی ہوئی تھیں۔ نورجہاں تو خیر اپنے گداز بدن کے ساتھ اپنے گلے کے سوز سے بھی یحییٰ خان کا جی بہلا سکتی تھی اور "سیونی میرا ماہی میرے بھاگ جگاون آگیا' مینوں ہیر بناون آیا" گا کر اس جرنیلی رانجھے کو بہت اونچی ہواؤں میں اڑا سکتی تھی لیکن "جنرل" رانی اس صفت یا خصوصیت سے محروم تھی البتہ وہ سپلائر اچھی تھی اور اس کے سٹاک سے ہر قسم کی لڑکیاں دستیاب ہو سکتی تھیں۔ وہ خود بھی خاصی موٹی عورت ہونے کے باعث یحییٰ کو مرغوب تھی۔ اس معاملہ میں یحییٰ خاں عمر کی کوئی پرواہ نہیں کرتا تھا اور پاکستان کے بعض دوسرے حکمرانوں کے عین برعکس اس نے حسن و کم سنی پر بھی زور نہیں دیا۔ اس کا پیمانہ گداز بدن ہی رہا جو عرف عام میں موٹاپا کہلاتا ہے۔"

گداز بدن پسند کرنے کا ذوق بہت سے مردوں میں ہوتا ہے لیکن یحییٰ خاں میں یہ ذوق اپنی انتہا پر تھا۔ کسی سکھ سردار سے پوچھا گیا تھا کہ آپ کو کون سا پھول پسند ہے؟ اس نے جواب دیا گوبھی کا پھول کیونکہ اس سے ہنڈیا بھر جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ اگر یحییٰ خاں سے پوچھا جاتا کہ آپ کو موٹی عورتیں کیوں پسند

ہیں؟ تو وہ جواب دیتے "موٹی عورت سے گود بھر جاتی ہے۔"

(عورت گناہ کی سولی پر از سلطان شاہد)

مدیر "آتش فشاں" منیر احمد منیر نے راؤ عبدالرشید کے انٹرویو پر مشتمل اپنی کتاب "جو میں نے دیکھا" میں یحییٰ خاں سے متعلق جو گفتگو شائع کی ہے' سوال و جواب کی شکل میں اس کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

سوال: جنرل آغا محمد یحییٰ خاں نسیم حجازی کے ناولوں کے بالکل برعکس محمد شاہ رنگیلے کی طرح دشمنوں کی فوجوں کو طبلے کی تان سے اڑانا چاہتے تھے۔ سنا ہے کہ شمشیر و سناں کے اس دور میں بھی وہ "طاؤس و رباب اول' طاؤس و رباب آخر" میں غرق رہے۔ آپ انٹیلی جنس میں تھے آپ کو زیادہ پتہ ہو گا؟

جواب: جب حالات خراب ہو رہے تھے ایسٹ پاکستان میں مکتی باہنی والے روز بروز حالات بگاڑ رہے تھے۔ لوگ سوچ رہے تھے کہ یہ حالات کس طرح سے ٹھیک ہوں گے۔ ان کا حل کیا ہو گا؟ اس دوران میں یحییٰ خاں کا پشاور میں بنگلہ تیار کیا گیا۔ وہ مکان تو ان کا تھا لیکن اس پر پیسے سارے سٹینڈرڈ بینک کے لگ رہے تھے اور سٹینڈرڈ بینک پشاور کے مینیجر صاحب اسے بنوا رہے تھے۔ پروگرام یہ تھا کہ جب بنگلہ تیار ہو جائے گا تو بینک اس کو کرائے پر لے لے گا۔ اس طرح سے جنرل صاحب کی ہینگ لگی نہ پھٹکڑی' مکان تیار تھا۔ فرنیچر' ایئرکنڈیشنر' قالین وغیرہ سب کچھ ہو گیا پھر پروگرام بنا کہ اس کا افتتاح کیا جائے۔ یہاں پارٹی ہو۔ میری سرکاری رہائش گاہ بالکل ان کے سامنے تھی۔ جب اس فنکشن کی تیاریاں شروع ہوئیں سب سے پہلے ایسے محسوس ہوا کہ پاکستان کے جتنے کنجر اور دلے ہیں وہ مع اپنے اہل و عیال کے یہاں پہنچ گئے ہیں۔ کسی نے کسی ریسٹ ہاؤس پر قبضہ کر لیا اور کسی نے کسی ریسٹ ہاؤس پر۔ اس کے علاوہ جو جنرل یحییٰ خاں کے مخصوص لوگ تھے وہ سارے آ گئے۔

سوال: بعض فلم ایکٹریسوں کے نام بھی لئے جاتے ہیں مثلاً ترانہ وغیرہ۔

جواب: بہرحال جو لوگ بھی تھے اس کے بعد جنرل یحییٰ آئے۔ جنرل حمید بھی ان

کے ساتھ آئے۔ نہ گرمیاں تھیں نہ سردیاں تھیں۔ سوئمنگ پول کے سامنے رات کے ایک 'دو' تین بجے تک شراب وغیرہ چلتی رہی۔ بڑا ہاؤ ہو ہوتا رہا۔ سرچ لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ وہاں پشاور کا ایک جرمن جوڑا تھا وہ آدمی لکڑی کی صنعت کاری کا ایکسپرٹ تھا۔ اسے انہوں نے پاکستان میں لگایا ہوا تھا۔ اس کی بیوی بڑی خوبصورت تھی۔ ان کے متعلق مشہور یہ تھا کہ وہ سی۔ آئی۔ اے کی جاسوس ہے اور اس کا یہی کام ہوتا تھا کہ ہر اس محفل میں 'خاص طور پر فوجیوں کی پارٹی میں کسی نہ کسی طرح ضرور پہنچ جاتی تھی۔ چونکہ خوبصورت عورت تھی۔ وہ ہر جگہ ویلکم ہوتی تھی۔ وہ ایک طرح کا پاسپورٹ تھا۔ چنانچہ وہ محترمہ جنرل یحییٰ خاں صاحب کی پارٹی میں نہ صرف موجود تھی بلکہ یحییٰ خاں کی باقی جو دوست احباب تھیں ان سب میں سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ ویسے بھی ویسٹرن تھی۔ ڈکن (Dikknh) پہن کے ان کے ساتھ نہا رہی تھی۔

سوال: یحییٰ خاں کے مکان کی افتتاحی تقریب کی بات ہو رہی تھی۔

جواب: ہاں پھر یہ ہوا کہ یحییٰ خاں صاحب پتہ نہیں رات کو سوئے یا نہیں سوئے لیکن چار بجے اپنے صرف انڈرویئر میں باہر نکل آئے۔ نشے میں بالکل دھت تھے۔ انہوں نے حکم دیا گاڑی تیار کرو۔ میں اسی وقت راولپنڈی جاؤں گا۔ متعلقہ سٹاف کے لوگ بیچارے بڑے پریشان۔ انہوں نے کہا جی ابھی گاڑی منگواتے ہیں۔ انہوں نے ایس۔ایس۔پی کو فون کیا۔ ایس۔ایس۔پی نے ڈی۔ آئی۔ جی کو فون کیا کہ پریذیڈنٹ صاحب تو راولپنڈی جانے کے لئے تیار ہیں اور برآمدے میں ننگے کھڑے ہیں یحییٰ خاں کے کمرے میں ایک محترمہ تھیں۔ انہوں نے تھوڑا تھوڑا دروازہ کھول کر انہیں واپس بلانے کی کوشش کی لیکن وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح تھے۔ پتہ نہیں وہ اس محترمہ سے کس بات پر ناراض ہوگئے تھے۔

سوال: وہ محترمہ ان کے خاص مہمانوں میں سے کوئی تھیں؟

جواب: جی ہاں! یحییٰ خاں کے گھر کی کوئی محترمہ ابھی وہاں نہیں آئی تھیں۔ ابھی تو

اس گھر میں اوپننگ سرمنی (افتتاحی تقریب) ہو رہی تھی۔ بہرحال اس محترمہ نے کوشش کی لیکن جناب جنرل صاحب بضد تھے کہ میں اسی وقت جاؤں گا۔ پھر یحییٰ خاں صاحب کی ایک اور منظور نظر کو فون کیا گیا۔ اور وہ بڑی منت سماجت کرکے ان کو اندر لے گئیں۔ اس طرح سے کرائسس (بحران) جو تھا وہ ختم ہوا۔ ایسٹ پاکستان کا کرائسس تو کوئی کرائسس نہیں تھا۔ اصل کرائسس جو تھا وہ یہ تھا کہ یحییٰ خاں کو ننگا دھڑنگا کس طرح سے پتلون پہنا کر بٹھایا جائے تو وہ کرائسس بڑی مشکل سے بہرحال ٹل گیا۔

سوال: وہ محترمہ جنہیں رات کے ساڑھے چار بجے فون کرکے بلایا گیا وہ صدر جنرل آغا یحییٰ خاں کو راضی کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ وہ کون تھیں؟

جواب: کوئی سینئر افسر ہی تھا۔ اس کی بیوی تھیں۔

سوال: شاہ ایران نے ایرانی بادشاہت کا جب ڈھائی ہزار سالہ جشن منایا وہاں سنا ہے کہ یحییٰ خاں اتنے دھت ہوئے کہ ان کا وردی میں ہی پیشاب نکل گیا۔

جواب: جی ہاں! ویسے تو ان کے بے شمار قصے ہیں۔

سوال: مثلاً؟

جواب: مثلاً یہ کہ جب ایک دفعہ نیپال کے دورے پر گئے۔ جہاز میں انہوں نے اتنی پی لی کہ چل نہیں سکتے تھے۔ کوئی گھنٹہ پون گھنٹہ جہاز فضا میں گھومتا رہا کہ ان کا نشہ تو اترے تاکہ چلنے کے قابل ہوں پھر جہاز اتارا جائے۔ بہرحال بہت سارے قصے مشہور ہیں۔"

معروف دانشور اور صاحب طرز ادیب جناب مختار مسعود "یحییٰ خان کے انتساب" کے بارے میں اپنے منفرد اسلوب میں لکھتے ہیں

"اس دو روزہ زندگی میں ایک سہ روزہ تقریب کے لئے اتنے انتظامات کئے گئے تھے کہ سات سال گزرنے کے بعد بھی دیکھنے والا دنگ رہ گیا۔ جو لوگ شاہی ضیافت میں شرکت کے لئے جمع ہوئے تھے' ان میں دو چار بادشاہ' پانچ دس صدر'

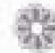
دس بیس وزیر اعظم، سو پچاس وی وی۔ آئی۔ پی اور بے شمار وی۔ آئی۔ پی تھے۔ مہمانوں میں شامل ایک صدر کا نام یحییٰ خان تھا اور ایک شہزادی کا نام گریس تھا۔ استقبالیے میں یہ دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شہزادی صاحبہ کا شاہی لباس اوپر سے کھلا تھا۔ شانہ نظر آتا تھا۔ صدر یحییٰ نے کاندھے پر ہاتھ پھیر کر دیکھنا چاہا کہ ہالی ووڈ کی سابق فلم اسٹار گریس کیلی کی جلد واقعی اتنی شفاف اور ملائم ہے جتنی نظر آتی ہے یا نشے کی وجہ سے ان کی آنکھیں دھوکا کھا رہی ہیں۔ پچھلے وقتوں میں آغا جان نسوانی جلد کی پرکھ کے مشہور ماہرین میں شمار ہوتے تھے۔ عمر بڑی ہو گئی، عہدہ بہت بڑا ہو گیا، بری عادات نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ انہوں نے ہم نشیں کے جسم کو چھو لیا۔ یہ تجسس ماہرانہ بے اختیاری کا نمونہ تھا مگر گریس صاحبہ کو ہمارے صدر کی یہ معصوم اور بے ضرر حرکت ناگوار گزری۔ وہ فلم ہائی سوسائٹی کی ہیروئن تھی۔ پچھلے پندرہ برسوں سے موناکو کے شہزادہ رینیئر کی ملکہ کی حیثیت سے ہائی سوسائٹی کے تمام آداب سے واقف تھی۔ اس نے غصہ بھری نگاہ ڈالی۔ پہلو بدلا اور ہم نشین کی طرف پشت کرلی۔ بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ اسے طول دیتے ہوئے محترمہ نے اپنی شال منگائی اور کاندھوں پر ڈال لی۔ یہ ظاہر کرنے لگیں کہ وہ اس صوفے پر اٹھ کر کہیں اور جانے کی تیاری کر رہی ہیں۔ میرے احباب میں ایک سفارتی آداب کے ماہر ہیں۔ ان کے مطابق شہزادی گریس کا رویہ انتہائی توہین آمیز تھا۔ فلم ایکٹریس نے پاکستان، صدر پاکستان اور یحییٰ خان تینوں کی توہین کی تھی۔ کہاں وہ چھ مربع میل کی نام نہاد ریاست، کہاں وہ علاقہ زیر حمایت فرانس، اور کہاں مشرقی اور مغربی پاکستان پر مشتمل دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت۔ پاکستان میں اس واقعے کی اطلاع سے غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ رنج و غم مغربی پاکستان کے حصے میں آیا اور غصہ و غضب مشرقی پاکستان کے حصے میں۔ لوگ کیا کچھ نہیں کرتے۔ مشرقی پاکستان والے کہنے لگے کہ جس ملک اور اس کے صدر کا یہ حال ہو کہ موناکو کی ریاست کے آگے ہتھیار ڈال دے، اس میں شامل رہنے سے خودکشی کر لینی بہتر ہے۔ بس یہ کہا اور مشرقی پاکستان کا نام بنگلہ دیش رکھ دیا۔

میں ریشمی خرگاہ کے دروازہ کے نزدیک ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ جب یہاں جشن منایا گیا تھا، ان دنوں خزاں کا موسم تھا۔ اس سال پاکستان میں خزاں بڑے زوروں پر تھی۔ آدھا چمن جل کر خاک ہو گیا۔ صدر پاکستان اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جناب یحییٰ خان تھے۔ ان کی پیشانی پر بل تک نہیں پڑا۔ وہ تاریخ کی طرف پشت کئے کھڑے ہلکے لیتے رہے۔ ان کے یہاں ہر روز، روز عید تھا اور ہر شب، شب برات۔ وہ اس خیمہ بستی میں جو شہرت چھوڑ گئے ہیں، اسے یاد کر کے وحشت ہوتی ہے۔ یہاں کئی ایسے سربراہان ریاست اور حکومت موجود تھے جو مشرقی پاکستان کی تیزی سے بگڑتی ہوئی صورت حال کے بارے میں صدر پاکستان کو مشورہ دینا چاہتے تھے۔ ادھر صدر یحییٰ خان کی حالت بالکل غیر تھی۔ نہ دماغ ساتھ دے رہا تھا اور نہ ان کا نشہ۔ میزبان نے بات کرنی چاہی تو اسے جھڑک دیا۔ روس کے صدر پوڈگورنی نے دھمکی دی تو اسے پی گئے۔ یوگوسلاویہ کے صدر اور غیر وابستہ اقوام کے رہنما سے ملاقات کے لئے وقت پر لباس پہن کر تیار نہ ہو سکے۔ سچی بات یہ ہے کہ تیار ہو گئے تھے مگر نشے کی کمزوری کی وجہ سے عین وقت پر پتلون گیلی ہو گئی۔ جتنی دیر یحییٰ خان نے نہانے اور لباس تبدیل کرنے میں لگائی، اتنی دیر میں مارشل ٹیٹو نے مشرقی پاکستان کے مستقبل کے بارے میں اپنی رائے تبدیل کر لی۔

بحریہ کے ایک افسر جو موقع کے گواہ ہیں، جشن کے قصے سنا رہے تھے۔ کہنے لگے جب بات لوگوں کی زبان پر چڑھ جائے تو سچائی پس منظر میں چلی جاتی ہے اور روایت پر سب ایمان لے آتے ہیں۔ مثلاً یہ مشہور ہو گیا ہے کہ شاہی ضیافت کے دوران صدر پاکستان کا پیشاب خطا ہو گیا تھا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ لوگ مارشل ٹیٹو سے ملاقات اور ضیافت والے واقعے کا فرق نہیں جانتے۔ میں آپ کو تفصیل سناتا اور جائے واردات کی نشاندہی کرتا ہوں۔ شامیانہ کے صدر دروازہ کے ساتھ جہاں مہمانوں کی موٹریں آکر رکتی تھیں، وہاں گھاس کا ذرا سا قطعہ ہے جس میں پام کے چھوٹے چھوٹے چند پودے لگے ہوئے ہیں۔ شب بھر کی بلانوشی کے بعد ضیافت ختم ہوئی۔ صدر پاکستان دروازے پر مہمانوں کے ہجوم میں شامل ہو گئے۔ وہ جیب میں ہاتھ ڈالے اپنی موٹر کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے جب انہیں اندازہ ہوا کہ

موٹروں کی قطار بہت طویل اور رفتار بہت سست ہے اور انھیں دیر تک انتظار کرنا ہوگا تو وہ پریشان ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ادھر روشنی اور ادھر بھی روشنی۔ ادھر کیمرے کی آنکھ' ادھر مہمانوں کی نظریں۔ گھاس کے قطعے میں صرف دو چار پودے اور ہر ایک کے پیچھے حفاظتی عملے کا کارکن چھپا ہوا۔ یحییٰ خان کو داد دینا چاہئے۔ اس کا مثانہ لاکھ کمزور سہی مگر اس کے اعصاب بڑے مضبوط تھے۔ جونہی بات برداشت کی حد تک پہنچی اور اسے پار کرنا چاہا' وہ بڑے وقار اور سکون کے ساتھ ٹہلتے ہوئے گھاس کے قطعہ میں داخل ہوئے۔ ایک پام کی طرف منہ کرکے پتلون کے بٹن کھولے اور اس کی آبیاری میں مصروف ہو گئے۔ ایسی آبپاشی سے سوائے نخل غم اور کون سا پودا ہے جو سرسبز ہو سکتا ہے۔ ہکابکا شاہی مہمانوں نے منہ پھیر لیا۔ پاکستانی عملے پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اور یہ پانی صاف اور پاک تھا۔" (لوح ایام سے ایک اقتباس)

کتنے مغرور شہنشاہوں کی تسکیں کے لئے
سالہا سال حسیناؤں کے بازار لگے



ذوالفقار علی بھٹو

پاکستانی سیاست کا ایک متنازعہ ترین کردار جس نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا اور پھر تاریکیوں کے تختہ دار پر چڑھ گیا۔ پاکستانی عوام میں ذوالفقار علی بھٹو قائد عوام بھی ہے اور فاشسٹ بھی۔ پہلا جمہوری وزیراعظم بھی اور کینہ پرور آمر بھی۔ مگر دورخی رائے رکھنے کے باوجود آج بھی زیادہ تر پاکستانی سیاست دان ذوالفقار علی بھٹو کے انداز سیاست کو کاپی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جن میں وہ سیاست دان یا ان کی اولادیں بھی شامل ہیں۔ جو بھٹو کو اس کی سیاسی حاضر جوابیوں کی بدولت شعبدہ باز اور مداری سیاست دان قرار دیتے تھے۔

سیاست میں ذوالفقار علی بھٹو کا مقام خواہ کتنا ہی اونچا ہو مگر ذاتی طور پر وہ صرف ایک "پٹے ہوئے" تھا۔ سیاست میں آنے سے قبل۔ اس کے دوران حتیٰ کہ بطور وزیراعظم بھی اس کے کئی رومانوی قصے مشہور ہوئے۔ فیلڈ مارشل ایوب خان کے دور اقتدار میں بھٹو کا بمبئی کی ایک رقاصہ سے عشق ہوا۔ اس نے بعد میں نیوی کے ایک افسر سے شادی کرلی۔ جوانی میں اقتدار کے مزے جب ملے تو وجاہت اور ذہانت باہم مل کر بھی دل پر قابو نہ رکھ سکے۔ ایک واقعہ کے مطابق انھوں نے اس وقت کی ایک خوبصورت اداکارہ سے اظہار محبت کیا۔ بدنام زمانہ جنرل رانی بھی بھٹو کے لئے رنگین شاموں کا اہتمام کرنے کا ہمیشہ دعویٰ کرتی رہی۔ مشرقی پاکستان کے ایک اعلیٰ افسر کی مطلقہ حسنہ شیخ سے بھی بھٹو بہت متاثر تھے۔ دونوں کے کارنامے بہت مشہور ہوئے اور نوبت شادی تک پہنچ گئی۔

ذوالفقار علی بھٹو عاشقانہ مزاج رکھتے تھے۔ بمبئی میں وہ اداکارہ نرگس کے عشق میں مبتلا رہے۔ وہ گھنٹوں ان سٹوڈیوز کے چکر کاٹتے جہاں نرگس فلم کی شوٹنگ میں حصہ لے رہی ہوتی تھی۔ ان چکروں میں وہ اپنے بڑے بھائی سکندر علی بھٹو کے ہاتھوں کئی دفعہ پٹے۔

زلفی کے نام سے مشہور ذوالفقار علی بھٹو کو بچپن میں "پپو" کہا جاتا تھا وہ ایام طالب علمی سے ہی اپنی "منزل" کی تلاش میں نکل چکے تھے۔ 1934ء میں جب سرشاہنواز بھٹو بمبئی کے گورنر کی کابینہ میں شامل کئے گئے تو ذوالفقار کو بھی اس بڑے شہر کی تعلیم گاہوں میں داخلے کا موقع ملا اور اس وقت ان کے دوستوں میں پیلو مودی، مشتاق علی، عمر قریشی اور جہانگیر شامل ہوئے۔

خوشحال گھرانے کے یہ چشم و چراغ بمبئی میں خوب موج مستیاں کرتے اپنا زیادہ تر وقت کرکٹ کھیلنے اور سینما دیکھنے میں صرف کرتے۔ تمام فکر سے آزاد تھی ان کی زندگی۔ پیلو مودی اپنی یادداشت میں لکھتے ہیں کہ زلفی کو اچھی غذا، عمدہ شراب، قیمتی پوشاک، اور خوبصورت لڑکیاں بہت پسند تھیں۔ انہیں اپنی پڑھائی کی زیادہ فکر نہیں تھی۔ 1945ء میں سینئر کیمبرج کے امتحان سے بالکل اچاٹ ہو گئے تھے۔ خوبصورت لڑکیوں میں ذوالفقار کی دلچسپی بعد ازاں خوب پروان چڑھی اور خوب نکھری۔

تیرہ سال کی عمر میں زلفی بھٹو کی پہلی شادی ان کی چچا زاد بہن شیریں سے ہوئی تھی شادی کے بعد شیریں کا نام امیر بیگم رکھا گیا۔ امیر بیگم ذوالفقار علی بھٹو کے چچا خان بہادر احمد خان بھٹو کی صاحبزادی تھیں۔ خان بہادر احمد خان بھٹو کی وفات کے بعد زلفی ان کی ایک تہائی جائیداد کے مالک بنے تھے۔ اپنی پہلی شادی کے بارے میں زلفی نے اپنی دوسری بیوی بیگم نصرت بھٹو سے کہا تھا کہ انہوں نے امیر بیگم سے شادی صرف دولت کی وجہ سے کی تھی۔ امیر بیگم میں انہیں کبھی کشش نظر نہیں آئی اور نہ کبھی ان کا دل امیر بیگم کی طرف راغب ہوا، جبکہ زلفی کی دوسری شادی کے وقت بھی امیر بیگم لاڑکانہ میں بھٹو خاندان کی آبائی حویلی المرتضیٰ میں موجود تھیں۔

شادی کے وقت امیر بیگم اگرچہ زلفی سے عمر میں بڑی تھیں مگر زلفی بھٹو امیر بیگم کے ساتھ سیر و تفریح (ہنی مون) کی غرض سے کشمیر گئے تھے۔ وہاں دونوں نے کافی دنوں تک قیام کیا اور خوب گل چھرے اڑائے تھے۔ اس تفریح کے تمام اخراجات زلفی کے چچا خان بہادر احمد خان کو ہی برداشت کرنے پڑے تھے۔ زلفی کے قریبی دوستوں کا کہنا ہے کہ زلفی کا یہ کہنا کہ امیر بیگم کے ساتھ ان کے کبھی قریبی تعلقات نہیں رہے ہیں غلط ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو کا جب بھی لاڑکانہ میں قیام رہا ہے وہ امیر بیگم کے ساتھ ہی رہے ہیں بلکہ اکثر و بیشتر امیر بیگم بھی لاڑکانہ سے کراچی آتی رہی ہیں۔ کچھ لوگوں کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ بینظیر بھٹو کی پیدائش کے بعد امیر بیگم کے بطن سے بھی ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ مگر بھٹو خاندان اس بات کو تسلیم نہیں کرتا۔

جنرل ضیاء الحق کے ہاتھوں معزول ہونے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو قتل کے مقدمے میں جیل میں بند کر دیئے گئے جہاں شیریں امیر بیگم نے ان سے دو تین بار ملاقات کی اور ایک مشرقی عورت کی حیثیت سے اپنے شوہر کا ساتھ دیا۔ ممتاز بھٹو کے ایک حالیہ انٹرویو کے مطابق بے نظیر بھٹو نے شیریں امیر بیگم کو ان کی جائیداد سے محروم کر دیا ہے اور وہ اب کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہیں۔

5 دسمبر 1947ء کو ذوالفقار علی بھٹو اپنے دوست جہانگیر کے ساتھ یونیورسٹی آف ساؤدرن کیلیفورنیا (امریکہ) حصول تعلیم کے لئے روانہ ہوگئے۔ یہاں بھی ان کی رنگین مزاجیوں نے کئی گل کھلائے۔ کیلیفورنیا میں انہوں نے کئی توبہ شکن دوشیزاؤں کے ساتھ حسین شامیں گزاریں اور ان سے عہد و پیمان کئے۔ لاڑکانہ اور بمبئی میں قیام کے دوران ان کی رنگین مزاجی کی راہ میں خاندانی وقار، عزت و ناموس کی جو رکاوٹیں حائل تھیں وہ تمام امریکہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی ختم ہوگئیں۔ یہاں ان کے نئے دوستوں کو ان کے شادی شدہ ہونے کا علم بھی نہیں تھا۔ صحت مند جسم پر عمدہ لباس، سر پر گھنگریالے بال اور چہرے پر ہلکی ہلکی مونچھوں نے ان کی شخصیت کو اور پر کشش اور جاذب نظر بنا دیا تھا۔ یہاں زلفی کی ملاقات سب سے پہلے مارگریٹ نام کی ایک خوبصورت دوشیزہ سے ہوئی۔ دونوں عرصہ تک ایک ساتھ لاس اینجلس

کی سرمئی شاموں اور توبہ شکن راتوں سے لطف اندوز ہوتے رہے' بعد میں مارگریٹ نے زلفی کے دوست نیکولا سے شادی کر لی اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے اپنے شوہر کی وفادار بن گئی۔

نیکولا کی وساطت سے ہی زلفی کی ملاقات ایک دوسری دوشیزہ میری ایلن سے ہوئی۔ میری ایلن ایک نوجوان بیوہ تھی۔ زلفی کی اکثر شامیں اس کے فلیٹ میں ہی گزرتی تھیں۔ ایلن کی عمر اس وقت 25 سے 27 سال کے درمیان تھی جبکہ زلفی صرف 20 سال کے تھے مگر وہ اپنی اچھی صحت' پروقار شخصیت اور انگریزی لب و لہجہ کی وجہ سے اپنی عمر سے بڑے نظر آتے تھے۔ اگرچہ ایلن کی بھی کچھ مجبوریاں تھیں مگر وہ زلفی سے پیار کرنے لگی تھی۔

ایلن کے علاوہ زلفی کی خاتون دوستوں میں این' رینالڈ اور لیلی بختیار بھی تھیں۔ زلفی اپنی خاتون دوستوں کے ہمراہ سانتا مونیکا کے ساحل پر سیر کرنا پسند کرتے تھے۔ لیلی بختیار جو کہ بعد میں ڈاکٹر بختیار کے نام سے مشہور ہوئیں' کہتی ہیں کہ وہ (زلفی) مجھ سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ اظہار محبت کے طور پر انہوں نے مجھے ایک خوبصورت ساڑھی اور ایک گھڑی بھی تحفہ میں دی تھی۔ لیلی بختیار کہتی ہیں کہ ہم دونوں اچھے دوست ضرور تھے مگر ایسے بھی نہیں کہ میں ان سے شادی کرتی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد بھٹو نے کراچی میں پریکٹس شروع کر دی اور عملی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ برسراقتدار جنرل سکندر مرزا کو ہر سال وہ لاڑکانہ میں شکار کی دعوت دیا کرتے تھے۔ ان کی تواضع شراب و کباب سے کرتے۔ ایک مرتبہ سکندر مرزا بری فوج کے کمانڈر انچیف ایوب خان کو بھی لاڑکانہ لائے اور شکار کھلانے کے علاوہ ذوالفقار علی بھٹو سے تعارف کرایا۔ دونوں پر ذوالفقار بھٹو کی مہمان نوازی اپنا جادو چلا چکی تھی۔ اعلی کھانے اور عمدہ قسم کی شرابیں اپنا اثر دونوں کے دلوں میں پیدا کر چکی تھیں۔ صدر سکندر مرزا نے انہیں کراچی کی میئر شپ پیش کی لیکن بھٹو نے یہ پیشکش ٹھکرا دی۔

ذوالفقار علی بھٹو کی نصرت بھٹو سے شادی بھی اپنی جگہ ایک "ایڈونچر لو افیئر" ہے۔

بیگم نصرت' زلفی بھٹو سے اپنی ملاقات کا حال یوں بیان کرتی ہیں کہ "میں منا کی شادی کے موقع پر پہننے کے لئے اپنے زیورات نکالنے کی غرض سے جب بینک پہنچی تو وہاں میری ملاقات منا کی ماں سے ہوئی جو ایک نوجوان کے ہمراہ تھیں۔ منا کی ماں نے سلام و دعا کے بعد مجھ سے دریافت کیا' نصرت تم کیسی ہو؟ پھر اس نوجوان کی طرف دیکھ کر میرا تعارف کراتے ہوئے کہنے لگیں اس سے ملو' یہ منا کی سہیلی نصرت اصفہانی اور مجھ سے کہا یہ میرا بیٹا زلفی ہے' امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔"

منا کی شادی کے دن ماریہ حبیب اللہ نے زلفی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بیگم نصرت سے کہا تھا "دیکھو کتنا ہینڈسم ہے۔" بیگم نصرت کہتی ہیں کہ انہوں نے (زلفی) میری طرف دیکھا اور میں نے ان کی طرف۔ بینک کی ملاقات بھی یاد آگئی مگر میں ان کی شخصیت سے زیادہ متاثر نہیں ہوئی۔ اس لئے میں نے سوچا کہ اپنی سہیلی سے کہہ دوں کہ نہیں یہ ہینڈسم کہاں ہیں اسے غلط فہمی ہوئی ہے مگر پھر خود ہی کہتی ہیں کہ حقیقت یہ تھی کہ "وہ اس وقت کافی ہینڈسم نظر آ رہے تھے اور میں دل ہی دل میں ان سے پیار بھی کرنے لگی تھی۔" بیگم نصرت مزید یہ کہتی ہیں کہ تقریب کے دوران جب ان سے میری دوبارہ ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے صرف ہیلو کہا اور چلے گئے' ان کے اس طرح چلے جانے کے بعد میں نے سوچا کہ شاید وہ ٹھیٹھ شرمیلے ہیں' مگر شادی کے استقبالیہ میں جو کہ سنٹرل ہوٹل میں دیا گیا تھا' رقص کے دوران انہوں نے جب مجھے سینے سے لگانے کی کوشش کی تو میں نے ان سے کہا تھا' جناب یہ پاکستان ہے امریکہ نہیں' اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں۔ میری باتیں سن کر زلفی قہقہ لگا کر ہنس پڑے۔ استقبالیہ کے بعد زلفی نے مجھے گھر تک پہنچانے کی پیش کش کی مگر میرے اس جواب پر کہ میں اپنی گاڑی سے آئی ہوں اور باہر میرا ڈرائیور انتظار کر رہا ہے ایسی حالت میں مناسب نہیں سمجھتی کہ تنہا گھر جاؤں۔ انہوں نے مجھے آئس کریم کھانے کی دعوت دی مگر جب میں نے وہ دعوت بھی ٹھکرا دی تو وہ مشتعل ہو گئے اور پھر جارحانہ انداز میں مجھ سے سوال کیا' کیا تم مجھے نہیں پہچانتیں کہ میں کون ہوں۔ پھر جلد ہی ماحول کی کشیدگی دور ہو گئی اور ہم کافی دیر تک بیٹھے ایک

دوسرے سے باتیں کرتے رہے۔

منا کی شادی کے دو دن بعد زلفی نے اپنے ایک دوست کی اہلیہ کی مدد سے بیگم نصرت کو کراچی کے ایک شاندار ہوٹل میں رات کے کھانے پر مدعو کیا۔ وقت مقررہ پر جب بیگم نصرت ہوٹل پہنچیں تو زلفی کو اس خاتون کے ساتھ اپنا انتظار کرتے ہوئے پایا۔ زلفی کے مطابق ان کے لئے کسی ایسی خاتون کو ڈھونڈ نکالنا بہت مشکل تھا جن کے تعلقات دونوں کے ساتھ دوستانہ ہوں۔ بیگم نصرت بتاتی ہیں کہ اس دعوت میں زلفی نے میرے سامنے شادی کی تجویز بھی رکھی تھی مگر میں نے اسے سنجیدگی سے نہیں لیا ہاں میں اتنا ضرور جانتی تھی کہ ایک دو ہفتہ میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کی غرض سے وہ برکلے چلے جائیں گے۔

کراچی سے واپسی کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ برکلے کیمپس کی سیاست میں بھی دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ کونسل کا جب الیکشن ہوا تو بھٹو نے ایشیائی امیدوار کی حیثیت سے الیکشن لڑا اور اس میں کامیاب بھی ہوئے۔ پیلو مودی کے الفاظ میں "زلفی بھٹو یونیورسٹی کی تاریخ میں کونسل کے پہلے ایشیائی ممبر تھے۔" تعلیمی اور سیاسی مشغولیات کے باوجود برکلے میں زلفی کی پرانی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ ہفتہ کے دن لیلی بختیار جب بھی لاس اینجلس سے برکلے آتی تو دونوں کی ملاقات ضرور ہوتی۔ برکلے کے ساحلی علاقہ میں رہنے والی ایک خوبصورت دوشیزہ کیرولن سے زلفی کی ملاقات تقریباً ہر روز ہوا کرتی۔ وطن واپسی کے بعد زلفی اور کیرولن کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ عرصہ تک جاری رہا۔ کیرولن کے علاوہ برکلے میں سوزی نام کی ایک اور پری جمال تھی جس کا ذکر زلفی نے اپنی سوانح میں بھی کیا ہے۔

1951ء کے موسم بہار کے اختتام کے بعد زلفی آکسفورڈ سے کراچی پہنچے۔ کراچی پہنچ کر انہوں نے سب سے پہلے نصرت اصفہانی سے ملاقات کی اور انہیں یہ یقین دلایا کہ دو سال تک میں صرف تمہارے بارے میں ہی سوچتا رہا۔ انہوں نے بیگم نصرت سے یہ شکایت کی کہ ایک سال قبل انہوں نے ذوالفقار کے نام سے اپنے



نصرت بھٹو امریکی صدر فورڈ کے ساتھ ڈانس کرتے ہوئے

ایک دوست کی معرفت انہیں پیغام بھیجا تھا مگر انہوں نے (نصرت) پیغام کا کوئی جواب نہیں دیا۔ زلفی کا اندھیرے میں چھوڑا گیا تیر اپنے نشانے پر بیٹھا۔ اس طرح وہ نصرت کے دل میں اپنے لئے مقام بنانے میں کامیاب ہو گئے۔

بیگم نصرت اس ملاقات کا ذکر یوں کرتی ہیں کہ "انہیں اچانک دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی مگر میں اپنی خوشی کا اظہار کرنا نہیں چاہتی تھی۔ جب میں نے انہیں بنگلے کے گیٹ تک چھوڑنے آئی تو انہوں نے ایک بار پھر اپنی شادی کی تجویز دہرائی میرے اس جواب پر کہ میں اب تک یہ سمجھ رہی تھی کہ آپ مذاق کر رہے ہیں زلفی آپے سے باہر ہو گئے اور کہنے لگے احمق میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ مجھے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے واپس جانا ہے۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ شادی کی رسم جلد از جلد پوری کر لی جائے۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

بیگم نصرت کہتی ہیں کہ "زلفی کے دباؤ کے بعد میں نے اپنے والد اور اپنی بہن سے اپنی شادی کے بارے میں گفتگو کی۔ پہلے تو وہ لوگ تیار نہیں ہوئے۔ ان کا کہنا تھا کہ تم ان سے کس طرح شادی کر سکتی ہو۔ ہم ایرانی ہیں اور وہ سندھی' مگر میرے اصرار پر میرے گھر والے زلفی کے ساتھ شادی کے لئے تیار ہو گئے۔"

1961ء میں بھٹو کی ملاقات ڈھاکہ کے ایک وکیل عبدالاحد کی بیوی حسنہ شیخ سے ہوئی اور اس نے پہلی ملاقات میں ہی بھٹو پر جادو کر دیا۔ نصرت بھٹو کو معلوم ہوا تو اس نے شور مچا دیا۔ بھٹو نے غصے میں آ کر انہیں گھر سے نکال دیا۔ وہ اردشیر کاؤس جی کے ہاں پہنچیں جس نے نصرت کی شادی بھٹو سے کرائی تھی۔ کاؤس جی کی بیگم نصرت کو ایوب خان کے پاس لے گئیں۔ ایوب خان نے بھٹو کو طلب کیا اور کہا

"اپنی بیوی کو واپس لاؤ یا کابینہ سے چھٹی کرو۔"

بھٹو پہلی بات مان گئے لیکن کینہ دل میں رکھا۔

وزیراعظم بننے کے بعد انہوں نے نصرت بھٹو ہی کو خاتون اول کا اعزاز بخشا اور ساتھ ہی حسنہ شیخ سے نکاح کر لیا جو مولانا کوثر نیازی نے پڑھایا۔ بیگم نصرت بھٹو خاتون اول کے سرکاری اعزاز کے باوجود حسنہ شیخ کے آنے سے خاتون دوم بن کر رہ گئیں اور انہوں نے زندگی بھر مولانا کوثر نیازی کا نکاح پڑھانے کا جرم معاف نہ کیا۔

بظاہر یہ واقعات ایک جاگیردار گھرانے کے کھلنڈرے نوجوان کے کارنامے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر شاید معاملہ بالکل ویسا نہیں جیسا کہ ہم سمجھ رہے ہیں۔ ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی بے نظیر بھٹو اپنی کتاب "دختر مشرق" میں رقمطراز ہیں کہ:

1843ء میں انگریزوں نے سندھ فتح کیا تو دودو خان بھٹو کو علاقے کا سردار مقرر کیا۔

میر غلام مرتضیٰ بھٹو دودو خان کا پوتا تھا اس زمانے میں لاڑکانہ کے انگریز مجسٹریٹ کرنل سے ہیو نے ایک سندھی لڑکی کو اپنی قید میں داشتہ بنا رکھا تھا۔ میر مرتضیٰ کو اس لڑکی سے محبت ہو گئی' ایک دن وہ اپنی محبوبہ سے ملنے گیا تو کرنل سے ہیو نے موقع پر پکڑ لیا اور اس پر چابک زنی کرنے لگا۔ میر مرتضیٰ نے جوابی حملہ کر کے اس لڑکی کو یرغمال سے نکال لیا اور اس کے ماں باپ کے گھر پہنچا دیا۔ کرنل سے ہیو نے اس واقعے کا بدلہ یوں لیا کہ میر مرتضیٰ بھٹو کو قتل کے الزام میں پھانس لیا۔

اور کہا جاتا ہے کہ بعد ازاں کرنل سے ہیو نے میر مرتضیٰ بھٹو کو لاڑکانہ میں زہر دے کر قتل کر دیا تھا۔

بے نظیر بھٹو کا کہنا ہے کہ ہمیں یہ واقعہ خاندان میں بار بار سننے کو ملتا تھا۔ اندازہ لگائیں جب بزرگوں کے ایسے واقعات کارناموں کے طور پر سنائے جائیں تو اولاد کیسی نیکوکار بنے گی۔

بھارت میں انگریزی زبان میں شائع ہونے والی ایک کتاب "مدھوبالا" میں انکشاف کیا گیا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو جوانی میں مدھوبالا کو بہت چاہتے تھے اور ان سے شادی کے خواہش مند تھے۔ کتاب کے مصنف سندھی اخبار نویس موہن دیپ ہیں۔ جو میگنا بکس بمبئی نے پہلی بار 1996ء میں شائع کی۔ کتاب کے صفحہ 180 پر میوزک ڈائریکٹر نوشاد کے حوالے سے لکھا ہے کہ مدھوبالا جس سیٹ پر کام کرتی وہاں ایک نوجوان خاموشی سے آ کر بیٹھ جاتا۔ مدھوبالا اس نوجوان کو اس کی دلکشی کی وجہ سے پسند کرتی تھی اور وہ بھی صرف مدھوبالا کی وجہ سے فلم سٹوڈیو آتا تھا۔ دونوں اکثر دوپہر کا کھانا ایک ساتھ کھاتے۔ مدھوبالا اس نوجوان کے ساتھ کھل کر ہنستی تھی اور وہ اسے لطیفے اور مزاحیہ باتیں سنایا کرتا تھا۔ نوجوان کا فلمی دنیا سے کوئی تعلق نہیں

تھا۔ وہ ایک وکیل تھا اور اس کا نام ذوالفقار علی بھٹو تھا۔ وہ ان دنوں ورلی کے علاقے میں رہتا تھا اور شاید بمبئی ہائیکورٹ میں پریکٹس بھی کرتا تھا۔ فلم سٹوڈیو میں مدھوبالا اسے اپنے مہمان کے طور پر اکثر بلاتی تھی۔ فلم بندی کے دوران وہ مسحور ہو کر خاموشی کے ساتھ مسلسل مدھوبالا کو دیکھتا رہتا۔" آگے چل کر موہن دیپ لکھتا ہے کہ بھٹو کی شادی سندھ کے ایک بڑے جاگیردار کی بیٹی شیریں بیگم سے اس وقت ہو چکی تھی جب وہ بیرون ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا' لیکن مغربی طور اطوار کا حامل بھٹو اپنی برقع پوش بیوی کی پروا نہیں کرتا تھا۔ بعد ازاں وہ ایک ایرانی خاتون نصرت کو پسند کرنے لگا اور اس سے شادی کر لی' لیکن وہ بیک وقت کراچی میں بڑے سے بنگلے میں رہنے والی نصرت' لاڑکانہ میں رہائش پذیر پرانے خیال کی شیریں بیگم اور بمبئی کی فلموں میں کام کرنے والی حسین و جمیل مدھوبالا کے درمیان شٹل کاک بنا رہا۔ بمبئی میں بھٹو پریکٹس بھی کرتا تھا اور مدھوبالا کی محبت میں بھی گرفتار تھا۔ بعد ازاں بھٹو نے بھارت چھوڑ دیا اور پاکستان جا کر سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

موہن دیپ نے مدھوبالا سے ذوالفقار علی بھٹو کی محبت پر اپنی تحریر کا اختتام یوں کیا ہے۔ "یہ ستم ظریفی ہے کہ جس طرح انار کلی مغلوں کے ہندوستان کی ملکہ نہیں بن سکی تھی اسی طرح مدھوبالا بھی بھٹو کی محبوبہ ہونے کے باوجود پاکستان کی "خاتون اول" بننے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ موہن دیپ کے بقول اس سے زیادہ مدھوبالا کے بھٹو سے عشق کی تفصیلات میسر نہیں کیونکہ صرف مدھوبالا کی ذاتی ڈائری اس موضوع پر روشنی ڈال سکتی تھی' لیکن مدھوبالا جس کا اصلی نام ممتاز جہاں بیگم دہلوی تھا اور جو پٹھان عطاء اللہ خان کی تیسری بیٹی تھی' کی میت کو قبر میں اتارتے وقت اس کے باپ نے یہ ڈائری اس کے کفن پر رکھ دی اور پھر اس کے اوپر مٹی ڈال دی گئی۔

ذوالفقار علی بھٹو کے سیاسی سوانح نگار سلمان تاثیر جنہیں بے نظیر بھٹو کے سفیر کہلانے کا اعزاز حاصل رہا ہے۔ اپنی انگریزی کتاب "بھٹو دی پولیٹیکل بائیو گرافی" میں انہیں "پلے بوائے" قرار دیتے ہیں۔ سلمان تاثیر کتاب کے دیباچے میں بھٹو کے ساتھ اپنی ابتدائی ملاقاتوں کا احوال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بائیں بازو کے ایک اہم طالب علم لیڈر کو اپنی نو تشکیل شدہ پیپلز

پارٹی میں شامل ہونے کی دعوت کیوں نہیں دی؟ تو انہوں (بھٹو) نے جواب میں کہا۔ "کیونکہ میں نے اس کی آنٹی کے ساتھ .... کیا تھا اور (اس بنا پر) میرے خیال میں وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے۔"

آگے جا کر لکھتے ہیں کہ "بھٹو اپنی نوعمری کے دور میں زبردست ٹھاٹھ دار لباس پہنتے۔ اس کی تمام جزئیات پر نظر رکھتے اور بمبئی کے تاج محل میں کھانا کھاتے۔ اسی دوران انہوں نے لڑکیوں میں دلچسپی کا مشغلہ بھی اختیار کر لیا۔ بھارت کی معروف ایکٹریس نرگس کے بقول وہ انہیں ایک دل پھینک نوجوان کی طرح تاڑتے رہتے تھے۔ وہ بہت سحر طراز اور پسندیدہ شخصیت کے حامل تھے لیکن عام طور پر وہ شراب اور عطر کی ناگوار بو میں بسے رہتے تھے۔ بھٹو جیسا کہ میں انہیں جانتی ہوں ایک جاگیردار تھے جن کی عادات شہزادوں جیسی تھیں جن میں شراب نوشی' شکار اور ہر رات ایک نئی لڑکی کے ساتھ ڈانس شامل تھا۔ تب انہوں نے پتلی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں۔ پہلی مرتبہ وہ ثریا کریم بھائی نام کی ایک بھارتی اتھلیٹ کی محبت میں گرفتار ہوئے جو بعد ازاں بھارت کی ہائی جمپ کی چیمپئن بن گئی۔ اس دور کی تصاویر میں بھٹو ایک پرجوش نوجوان نظر آتے ہیں۔ ان کے چہرے پر مونچھیں موجود ہیں اور وہ فیشن ایبل انداز میں کٹے بالوں والی مسکراتی لڑکیوں کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔

امریکہ میں قیام کے دوران بھٹو معمول سے کہیں زیادہ جوش و خروش سے ریل گاڑی میں لڑکیوں کا پیچھا کیا کرتے تھے۔ اس وقت بھٹو اور ان کے دوست عمر قریشی دونوں نسبتاً زیادہ مالدار خواتین کے ساتھ دوستی کے مراحل سے گزر رہے تھے۔ یہ خواتین بیورلے ہلز میں رہتی تھیں۔ جب وہ دونوں ان خواتین سے ملاقات کے لئے ریل گاڑی میں سوار ہو کر گئے تو ان کے جڑواں رومانس کو شدید جھٹکا لگا۔ جس کے بعد دونوں نے مشترکہ طور پر "ناش" باڈی کی ایک کار خرید لی۔

سلمان تاثیر آگے جا کر لکھتے ہیں کہ

"بھٹو کی پاکستان واپسی کے بعد ان کے اکثر سیاست دانوں سے قریبی روابط ہو گئے۔ حسین شہید سہروردی نے انہیں عوامی لیگ میں لانے کی بہت کوشش کی مگر بھٹو نہ مانے۔ دونوں کے درمیان پھر بھی تعلقات اس قدر بڑھے کہ وہ دونوں اکثر

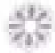
اوقات کراچی کی نائٹ کلبوں میں اکٹھے دیکھے جانے لگے۔ شراب پیتے اور مختلف موضوعات پر بے تکان گفتگو کرتے۔ یہ زمانہ وہ تھا جب بھٹو یورت کا شکار ہو چکے تھے انہوں نے بہت زیادہ شراب پینا شروع کر دی۔ اکثر اوقات وہ بہت زیادہ شراب پی جاتے۔ انہوں نے کراچی کے نائٹ کلبوں '' ایکسلیئر '' بیچ لگژری اور تاج میں بار بار جانا شروع کر دیا۔ پیلس ہوٹل کالی گورے ان کا پسندیدہ نائٹ کلب تھا جس سے وہ اکثر لڑکھڑاتے ہوئے صبح کے وقت باہر نکلتے۔ ان کے ساتھی عام طور پر سندھی وڈیرے ہوتے تھے۔ پینے پلانے کا یہ سلسلہ ساری رات جاری رہتا۔ حتیٰ کہ اگلے دن بھی۔ بھٹو کے بڑے بھائی شراب کی زیادتی کے باعث انتقال کر چکے تھے۔ اس لئے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ خود بھی اس طرح نہ گزر جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی محبتوں کا سلسلہ بھی دراز ہوتا چلا گیا۔ جس کی وجہ سے ہر روز نت نئی داستانیں لوگوں کو سننے کو ملتیں۔

جب بھٹو ایوب کابینہ کا نوجوان وزیر بن کر اسلام آباد پہنچا تو کراچی کے نائٹ کلبوں کی عادت ' جو ان کے کردار کا حصہ بن چکی تھی۔ وہاں بھی نمایاں رہی۔ انہیں ایک عیاش ' تماش بین شخص کے طور پر شناخت کر لیا گیا۔ اس بنا پر وہ اسلام آباد کے آزاد و فیشن گھرانوں میں رونق افروز ہونے لگے۔ اسلام آباد کی کاک ٹیل اور ڈنر پارٹیوں میں وہ سب سے پسندیدہ مہمان کی حیثیت حاصل کر گئے۔ اسلام آباد میں بہت سے اعلیٰ افسروں کی بیویوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے قصے اور ان کی عشق بازی کی داستانیں زبان زد عام ہو کر رہ گئی تھیں۔ وہ نائٹ کلبوں اور پارٹیوں میں ڈانس کرنے میں زیادہ رغبت کا اظہار کرتے۔ بعض اوقات تو انتہائی جوش کے عالم میں وہ اپنے جوتے اتار دیتے تاکہ ان کے ساتھ ڈانس کرنے والی خاتون کے پاؤں کی نازک انگلیاں نہ کچلی جائیں۔ "

یہ ہے ذوالفقار علی بھٹو کی وہ لفظی تصویر جو ان کے ایک قریبی اور معتمد ساتھی سلمان تاثیر نے کھینچی ہے اس ضمن میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ سلمان تاثیر نے اپنی اس کتاب کا اردو ترجمہ "ذوالفقار علی بھٹو بچپن سے تختہ دار تک" بھی شائع کیا ہے مگر اس میں وہ تمام حصے حذف کر دیئے گئے جن کو انگریزی کتاب میں

غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس تبدیلی کا مقصد پاکستانی عوام کو بھٹو کے متعلق مغالطے میں مبتلا رکھ کر ان کا استحصال کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ بھٹو کو جاننے والے بہت پہلے سے یہ تمام باتیں جانتے ہیں لیکن انہیں مخالفین کا جھوٹا پروپیگنڈہ کہہ کر مسترد کر دیا جاتا رہا۔ سلمان تاثیر بھٹو کو وی لیے ہوائے کا خطاب دینے کے باوجود ان کی شخصیت کے سحر کا شکار ہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے۔

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے



بے نظیر بھٹو

بے نظیر بھٹو خود کو دختر مشرق کہتی ہیں۔ وہ دو بار وزیر اعظم رہ چکی ہیں۔ ہاتھ میں تسبیح اور سر پر دوپٹہ ان کے لباس کا لازمی جزو ہے۔ جس کو سر سے بار بار ڈھلکانے سے انہیں باقاعدہ تربیت دی گئی ہے۔ اور اب تو ان کا یہ انداز انتہائی عوام میں خاصا مقبول بھی ہو چکا ہے۔ بے نظیر بھٹو سے ایک بار پوچھا گیا کہ وہ تسبیح پر کیا پڑھتی ہیں تو انہوں نے جواب دیا آیۃ الکرسی۔ پوچھا گیا پھر آپ اتنی جلدی دانے کیسے آگے کر دیتی ہیں اس پر انہوں نے خاموشی اختیار کئے رکھی۔ کیا بے نظیر بھٹو اتنی ہی پاکباز ہیں جتنی وہ خود کو شو کرواتی ہیں۔ ان کے ماضی میں جھانکیں تو اس کا جواب نفی میں ملتا ہے۔ ان کی تسبیح کے بارے میں انہی کے مرحوم بھائی مرتضیٰ بھٹو کہتا تھا کہ وہ دانے اس لئے جلدی پھیرتی ہیں کہ وہ آیۃ الکرسی نہیں بلکہ صرف کرسی کرسی پڑھتی ہیں۔

آکسفورڈ یونیورسٹی میں زمانہ طالب علمی کے دوران پنکی (اب بے نظیر بھٹو کا گھریلو نام) نے انتہائی سرگرم لائف گزاری۔ ان کی زندگی کے بارے میں ان کے ایک کلاس فیلو کولن موئنہان جو برطانیہ میں وزیر کھیل بھی رہ چکے ہیں نے 15 مارچ 1989 کے "ڈیلی ایکسپریس" میں بتایا۔ کہ پنکی دور طالب علمی میں پوری یونیورسٹی میں "Oral Sex" کی ماہر سمجھی جاتی تھی۔ جسے یورپ اور امریکہ میں آج کی نوجوان نسل "سکس نائن" کے نام سے جانتی ہے۔ قصہ یوں ہے کہ بے نظیر بھٹو جب پہلی بار 88ء میں وزیر اعظم بنی اور برطانیہ کا دورہ کیا تو وہاں ایک انٹرویو میں اپنا "حلقہ احباب" وسیع تر بتانے کے خیال سے کہا کہ آپ کے فلاں پارلیمانی رکن

میرے کلاس فیلو رہ چکے ہیں۔ بے نظیر بھٹو انٹرویو دے کر واپس لوٹ آئی اور بات آئی گئی ہو گئی۔ خاصا عرصہ گزرنے کے بعد اس پارلیمانی رکن کولن موئنہان جو وزیر کھیل بن چکے تھے۔ کا انٹرویو شائع ہوا جس میں ان سے انٹرویو نگار نے پوچھا کہ بے نظیر بھٹو کا کہنا ہے کہ آپ ان کے کلاس فیلو تھے۔ یہ بتائیں آپ نے انہیں کیسا پایا۔ وزیر موصوف نے اپنی فطری آزادی کے ساتھ جواب دیا۔ کہ پنکی جیسی لڑکی پوری یونیورسٹی میں نہ تھی اور اسے "Oral Sex" کا ایکسپرٹ کہا جاتا ہے۔ اور مجھے خود بھی اس کا تجربہ ہے۔ یورپی فضا میں یہ عام سی بات تھی کیونکہ وہاں یہ چیز انتہائی عام تھی۔ آج بھی آپ کو اگر آپ مرد ہیں تو کوئی بھی لڑکی آپ سے عام سے انداز میں پوچھے گی "Do You Like Six Nine" آپ کا جواب Yes میں ہونے پر وہ آپ کو اپنا پتہ بتا دے گی۔ اور خاتون ہے تو کوئی مرد پوچھ سکتا ہے۔ یوں قصہ ختم ہو جاتا ہے۔ مگر جب یہ انٹرویو ڈیلی ایکسپریس کی 15 مارچ کی اشاعت میں چھپا تو ایک



1986ء میں مس بے نظیر بھٹو لاہور میں جلسے کے دوران سٹیج پر جاتے ہوئے ایک جیالے کی کسی "حرکت" پر ناراض ہو کر جیالے کو بالوں سے پکڑے ہوئے

طوفان اٹھ گیا کیونکہ بے نظیر بھٹو اب وزیراعظم پاکستان بن چکی تھیں۔ حکومت نے فوری طور پر اس اخبار کی پاکستان میں داخلے پر پابندی لگادی۔

ڈیلی ایکسپریس کا کالم نگار بتین بے نظیر بھٹو کی زمانہ طالب علمی کی ایک تصویر شائع کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ بے نظیر بھٹو نے اپنے والد کی پھانسی کے بعد سے "اسلام کی چادر" اوڑھ لی ہے۔ زمانہ آکسفورڈ میں موصوف منی سکرٹ اور جین زیب کیا کرتی تھیں۔ چند اور خرافات لکھنے کے بعد راس بتین کا کہنا ہے کہ اب بہت کچھ بدل چکا ہے۔ جوانی کے "غیر محتاط" دن بدل چکے ہیں اور اب بے نظیر ایک پسماندہ ملک کی سربراہ ہیں۔

(برطانوی روزنامہ "ڈیلی ایکسپریس" 15 مارچ 1989ء)

اسلام کے مقدس نام پر اپنی پراگندہ شخصیت کو اجاگر کرنے والے بھٹو کی صاحبزادی بے نظیر بھٹو ذہنی طور پر مادر پدر آزاد معاشرے اور کھلے ڈلے جنسی تعلقات کی حامی اور داعی ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ سوسائٹی میں انسان کو کسی قسم کی پابندی قبول نہیں کرنی چاہیئے۔ اسے اپنے سفلی جذبات کی تسکین اور جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ہر وقت ہر حربہ استعمال کرنے کا حق ہے۔ مس بے نظیر بھٹو نے ان خیالات اور نظریات کا اظہار آکسفورڈ کی ایک محفل مباحثہ میں کیا تھا۔ اس مباحثہ کا عنوان تھا "اس ایوان کی رائے میں آزاد معاشرہ اور جنسی تعلقات جائز ہیں۔" مس بے نظیر نے موضوع کی حمایت میں نہایت گرم جوشی اور بے باکی سے دلائل دیئے تھے۔ بے نظیر آکسفورڈ میں مباحثہ کی سوسائٹی کی صدر رہ چکی ہیں۔

(روزنامہ سیاست' 9 ستمبر 1977ء)

عمران خان جو پلے بوائے کی شہرت رکھتے ہیں۔ اور آکسفورڈ یونیورسٹی کے ی تعلیم یافتہ ہیں۔ عام طور پر بے نظیر کے زمانہ طالب علمی کے حوالے سے پوچھے گئے سوالات پر کنی کترا جاتے ہیں مگر یہ قصہ وہ کبھی کبھار نجی محفلوں میں سناتے پائے گئے ہیں۔ اور بے نظیر بھٹو نے خود بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ کرکٹ سٹار ماجد خان کو بچپن سے بہت پسند کرتی ہیں۔ عمران خان نے بتایا کہ جب میں کرکٹ ٹیم میں تھا تو

بے نظیر کے اکثر ماجد خان کے لئے فون آتے۔ مگر ماجد خان اتنی لفٹ نہ کرواتے۔ اس سلسلے میں بے نظیر مجھے رابطے کے طور پر استعمال کرتی یعنی مجھ سے ان کے بارے میں پوچھتی۔ ایک بار یوں ہوا کہ ہم برطانیہ میں کھیل رہے تھے۔ ماجد خان بھی ٹیم میں تھے۔ شیڈول یہ تھا کہ ہم نے برطانیہ سے واپس پاکستان اور پھر ایک نمائشی میچ کھیلنے کے لئے ہالینڈ جانا تھا۔ برطانیہ میں بے نظیر بھٹو بدستور ماجد خان کے پیچھے پڑی رہی۔ اور ٹیم کے پیچھے ہی پاکستان چلی آئی۔ اور اس کے پیچھے پیچھے ہالینڈ پہنچ گئی۔ وہاں جا کر اسے پتہ چلا کہ ماجد خان تو ٹیم کے ساتھ آئے ہی نہیں' وہ تو پاکستان میں رک گئے ہیں۔ یہاں پہنچ کر عمران خان کہتے ہیں کہ میں بتا نہیں سکتا کہ یہ صورت حال جاننے پر پنکی کی کیا حالت ہوئی تھی۔

1988ء کے انتخابات میں جب نواز شریف پنجاب کے وزیراعلیٰ تھے اور حسین حقانی ان کے مشیر برائے میڈیا تھے۔ اس وقت حسین حقانی نے انتخابات کے دوران بے نظیر بھٹو اور ان کی والدہ نصرت بھٹو کی نیم عریاں تصاویر پر مبنی اشتہارات شائع کئے تھے۔ اور جب میاں صاحب وزیراعظم بنے تو حقانی صاحب ان کے خصوصی معاون تھے۔ وہ خاص طور پر ہندوستان اور انگلستان گئے اور بے نظیر بھٹو کے بارے میں قابل اعتراض مواد جمع کرتے رہے۔ اس دور میں اخبارات میں یہ خبر چھپی تھی کہ حقانی صاحب نے ہندوستان میں بے نظیر کے پرانے کلاس فیلوؤں سے ملاقاتیں کیں اور محترمہ کے بارے میں کوائف اکٹھے کئے۔ مصدقہ اطلاع کے مطابق حقانی صاحب نے اپنی کتاب کا مسودہ بھی تیار کر لیا تھا۔ اتنے میں وہ ناہید خان کی بہن کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ معاشقہ دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کرنے لگا اور دوسری طرف شاید میاں صاحب نے ہاتھ کھینچ لیا اور حقانی صاحب کا دل ان سے کھٹا ہو گیا۔ اور یوں حقائق عوام کے سامنے آنے سے رہ گئے۔

البتہ یہ بات اب چھپی نہیں رہی کہ انہوں نے اپنے چہرے کی پلاسٹک سرجری کروائی ہے تاکہ خوبرو نظر آسکیں۔ معروف جریدے ایشیا ویک کی ایک رپورٹ کے مطابق آکسفورڈ یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرتے وقت اس کی عجیب ہیئت ہوتی تھی۔ اس کے گال اندر کو دھنسے ہوئے اور ناک بھی بھدی سی ہوتی تھی۔

رپورٹ میں بتایا گیا کہ پلاسٹک سرجری انہوں نے اپنے عرصہ جلاوطنی کے دوران کروائی۔ اور پھر سب نے دیکھا کہ جب وہ پاکستان لوٹیں تو ممی ڈیڈی کی بچی کی بجائے خود بے نظیر بھٹو بن چکی تھیں۔ جس کا ایک عالم مداح تھا۔

شیخ رشید اپوزیشن کے دنوں میں تواتر کے ساتھ اپنے جلسوں میں یہ الزام



ایک چہرے پر کئی چہرے سجا لیتے ہیں لوگ

لگاتے رہے ہیں کہ بلاول کی شکل فیصل صالح حیات جبکہ بختاور کی شکل جہانگیر بدر سے ملتی ہے۔ اس انتہائی اشتعال انگیز بیان پر پی۔پی۔پی کے جیالوں نے مری روڈ راولپنڈی میں جلوس نکالا اور لیاقت باغ چوک میں شیخ رشید کے خلاف گندی گالیوں

پر مشتمل نعرے بازی کی۔ انہی دنوں پارلیمنٹ کے اجلاس میں اعتزاز احسن اور شیخ رشید کے درمیان جملے بازی اور تکرار بھی ہوئی۔ دونوں نے ایک دوسرے پر الزامات لگائے اور دھمکیاں بھی دیں۔

آج پنکی شوہر پرست بن چکی ہے تو ہم یہی کہیں گے کہ صبح کا بھولا شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔ یا پھر ناقدین کی نظر سے دیکھیں تو یہی محاورہ ذہن میں آتا ہے کہ "نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی"

معاشقہ بے نظیر کا شیرپاؤ سے

"بھٹکی ہوئی بے نظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ کی پہلی ملاقات ہوئی تو اس پہلی ملاقات ہی میں بے نظیر بھٹو نے اپنا دل ہار دیا۔ مبینہ طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ گو حیات محمد شیرپاؤ بھی بے نظیر کو پسند کرنے لگا تھا۔ لیکن یہ سوچ کر بے نظیر کی حوصلہ افزائی کرنے سے قاصر رہا تھا کہ وہ اس کی پارٹی کے چیئرمین کی بیٹی ہے' بے نظیر نے شیرپاؤ کی طرف سے سرد مہری کے باوجود اپنی چاہت کی گرمی میں کوئی کمی واقع نہ ہونے دی اور ایسا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیا' جس کے تحت وہ شیرپاؤ سے گفتگو بھی کر سکتی تھی اور اس کی مہمان نوازی کے مزے بھی لوٹ سکتی تھی۔

حیات محمد شیرپاؤ' ایک قبول صورت صحت مند نوجوان تھا۔ بے نظیر بھٹو نے اس پر ڈورے ڈالنے کی بے حد کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہو سکی' اس کی بڑی وجہ شیرپاؤ کی طرف سے ان روایات کا پاس بھی تھا جو صدیوں سے پٹھانوں میں رائج ہیں اور جن کے تحت ایک سچا پٹھان اپنے دوست کی بیٹی کو کبھی بھی بری نظر سے نہیں دیکھتا۔ شیرپاؤ کی بے توجہی نے جلتی کا کام کیا اور بے نظیر کے دل میں بھڑکی ہوئی نفسانی خواہشات کی آگ کسی طرح بھی سرد نہ ہو سکی۔

بے نظیر بھٹو کو' جب حیات محمد شیرپاؤ کو اپنا بوائے فرینڈ بنانے میں ناکامی ہوئی تو اس نے خیال کیا کہ شیرپاؤ اخلاقی حدود میں مقید ہے۔ اس لئے غیر اخلاقی حرکات کا مرتکب نہیں ہو سکتا' اسے رام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اخلاقیات کا سہارا لیا جائے۔ اس خیال کے تحت آخر بے نظیر بھٹو نے شیرپاؤ کے سامنے نکاح کی

تجویز رکھی اور کہا کہ وہ اسے خلوص دل سے چاہتی ہیں' اس لئے اس کے نکاح میں آنے پر تیار ہے۔

یہ ان ایام کا ذکر ہے جب حیات محمد شیرپاؤ سرحد کے گورنر بن چکے تھے' انہوں نے سوچا' وزیراعظم کی بیٹی سے نکاح کرکے وہ وزیراعظم کے داماد کی حیثیت سے مزید سیاسی قوت تو حاصل کرسکتے ہیں' لیکن سرحد کے عوام کے دلوں میں پیدا ہونے والے ان شکوک و شبہات کو دور نہیں کرسکتے جو اس نکاح کے بعد ان کے دلوں میں پیدا ہوں گے اور وہ سوچیں گے کہ ان کے گورنر نے' سرحد کے غیور پٹھانوں کی روایات کو پامال کرتے ہوئے ایک دوست کی لڑکی پر بری نظر ڈالی تھی اور اب اسے پھانس کر اس سے شادی کر رہا ہے۔ اس اندیشے کے علاوہ شیرپاؤ کو بے نظیر سے نکاح کرنے سے جو چیز باز رکھ رہی تھی' وہ بے نظیر بھٹو کی رنگین مزاجی اور ضرورت سے زیادہ آزاد خیالی تھی' پھر شیرپاؤ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ وہ بے نظیر بھٹو کو اپنے رسم و رواج کی پابندی پر مجبور نہ کرسکے گا۔ بے نظیر بھٹو ایک آزاد پنچھی ہے جسے ڈال ڈال پر بیٹھنے کی عادت ہے۔ وہ لاکھ چاہے' بے نظیر کو اپنی عادت ترک کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ ان وجوہات کے تحت جب حیات محمد شیرپاؤ نے بے نظیر بھٹو سے شادی کرنے سے بھی صاف طور پر انکار کر دیا تو بے نظیر نے اپنی چاہت کا حال اپنی ماں نصرت بھٹو سے بیان کیا۔ نصرت بھٹو نے اپنی بیٹی کو یقین دلایا کہ وہ اس کے والد کی وساطت سے شیرپاؤ کو اس سے شادی پر مجبور کر دے گی۔ اس بات چیت کو چند روز گزرے تو نصرت بھٹو نے ایک مناسب موقع پر اپنے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو بتایا کہ بے نظیر' حیات محمد شیرپاؤ کو پسند کرتی ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے' یہ سن کر بھٹو نے اپنی بیوی کو اجازت دے دی کہ وہ اس سلسلہ میں گفت و شنید کرے اور یہ شادی طے کرے۔ وہ بخوشی شیرپاؤ کو بحیثیت داماد' قبول کرے گا۔ بھٹو نے اس روز کے بعد شیرپاؤ کو اپنا بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا۔ اب بھٹو اٹھتے بیٹھتے شیرپاؤ کو اپنا بیٹا کہتا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کی اجازت کے بعد نصرت بھٹو نے شیرپاؤ کے بزرگوں سے ربط و ضبط بڑھانا شروع کر دیا اور آخرکار ایک مرحلہ پر حرف مدعا زبان پر لے آئی۔

نصرت بھٹو نے کہا کہ وہ حیات محمد شیرپاؤ کو اپنا "منہ بولا" بیٹا سمجھتی ہے اور چاہتی ہے کہ اس منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹا بنا لے جو اسی طرح ممکن ہے کہ بے نظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ کی شادی ہو جائے اور حیات محمد شیرپاؤ اس کا داماد بن کر اس کے بیٹے کی حیثیت حاصل کرے۔

حیات محمد شیرپاؤ کے بزرگوں نے یہ تجویز سن کر فوری طور پر نہ تو اس تجویز کو منظور کیا اور نہ نامنظور بلکہ اس سلسلے میں غور و فکر کا وعدہ کیا اور یہ بھی کہا کہ شادی چونکہ' شیرپاؤ کی ہو رہی ہے۔ اس لئے اس کی رضامندی بھی حاصل کرنا ضروری ہے۔ شیرپاؤ کے بزرگوں کا موقف درست تھا۔ اس لئے نصرت بھٹو خاموش ہو گئی۔

ایک ہفتہ بعد نصرت بھٹو ایک بار پھر شیرپاؤ کے بزرگوں سے ملاقات کے لئے پشاور گئی۔ اس ملاقات میں شیرپاؤ کے بزرگوں نے نصرت بھٹو کو بتایا کہ بعض وجوہات کے تحت شیرپاؤ اور بے نظیر کی شادی نہیں ہو سکتی۔ کافی سوچ و بچار کے بعد ہم خود بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ بے نظیر اور حیات محمد شیرپاؤ کی بہتری اسی میں ہے کہ ان کی شادی نہ ہو' کیونکہ دونوں کے خاندانی رسم و رواج اور تہذیب و تمدن میں واضح فرق ہے۔

یہ سن کر نصرت بھٹو مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گئی اور شیرپاؤ کے بزرگوں کو برا بھلا کہنے لگی۔ نصرت بھٹو کا کہنا تھا کہ بھٹو صاحب چونکہ حیات محمد شیرپاؤ سے پیار کرتے ہیں' اسے اپنا "بیٹا" کہتے ہیں' اس لئے چاہتے ہیں کہ اس سے رشتہ داری قائم کرکے اسے نہ صرف اثر و رسوخ اور سیاسی طاقت کے لحاظ سے پاکستان کی شخصیت نمبر دو (وزیراعظم بھٹو کے بعد) بنا دیں بلکہ عوامی مقبولیت کے لحاظ سے بھی اس کا نہ صرف پاکستان بھر میں کوئی ثانی نہ ہو' بلکہ بیرون پاکستان بھی شیرپاؤ کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا جائے۔ نصرت بھٹو کا کہنا تھا کہ اس کی بیٹی بے نظیر بھٹو پاکستان کی ذہین ترین دوشیزہ ہے' حسن و جمال' فہم و فراست اور پختہ سیاسی شعور کی مالک ہے۔ پاکستان کے علاوہ یورپ اور امریکہ میں بھی لوگ اس سے آشنا ہیں اور بعض حلقوں میں اس کے مداحوں کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہے۔

نصرت بھٹو نے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ لیکن شیرپاؤ کے بزرگوں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا' ہوتا بھی کیسے؟ یہ حقیقت ان پر روز روشن کی طرح عیاں تھی کہ بے نظیر بھٹو ایک آزاد خیال لڑکی ہے جو سرتاپا مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے' رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت کرنے والی' بوائے فرینڈز بنانے کی شوقین' بے نظیر بھٹو گھونٹ گھونٹ شیمپین پی کر دل بہلانے کی عادت میں بھی مبتلا تھی اور شیرپاؤ کے بزرگوں کو اس کے ان سارے مشاغل سے آگاہی حاصل تھی۔

نصرت بھٹو کی طرف سے بے نظیر اور شیرپاؤ کی شادی کی تحریک سے قبل بے نظیر بھٹو جب بھی پشاور آتی تھی' اس کا قیام صدر پیپلز پارٹی اور گورنر سرحد حیات محمد شیرپاؤ کے ساتھ ہوتا تھا۔ اس طرح شیرپاؤ کے بزرگوں کو اسے قریب دیکھنے کے مواقع مل گئے تھے اور اب یہ ناممکن تھا کہ وہ آنکھوں دیکھ کر مکھی نگل لیں' پھر جہاں تک حیات محمد شیرپاؤ کا تعلق تھا اور اس تعلق کو اس شادی میں بنیادی اہمیت حاصل تھی' اسے بے نظیر بھٹو سے اپنی شادی ناپسند تھی' دراصل وہ بے نظیر بھٹو کی عادات و خصائل سے بخوبی واقف تھا اور ان کی روشنی میں اس حتمی نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ وہ اور بے نظیر بھٹو شادی کرکے پرمسرت زندگی بسر نہیں کرسکتے۔

حیات شیرپاؤ کے بزرگوں کی طرف سے صاف انکار کے بعد نصرت بھٹو پشاور سے اسلام آباد پہنچی تو مارے غصے اور شرمندگی کے اس کی حالت دگرگوں تھی۔ نصرت بھٹو نے اپنے شوہر ذوالفقار علی بھٹو کو شیرپاؤ کے بزرگوں کے صاف انکار سے مطلع کیا اور ساتھ ہی بے نظیر بھٹو کی اس سلسلے میں بے تابی کا حال بیان کیا تو مسٹر بھٹو کو انتہائی صدمہ ہوا' اور وہ گہرے غور و فکر میں کھو گیا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ بھٹو نے شیرپاؤ کے بے نظیر بھٹو سے شادی کے انکار کو اپنی بے عزتی پر محمول کیا۔ وہ جوں جوں اس مسئلہ پر غور کرتا تھا۔ اس کے غصے کی آگ بھڑکتی جاتی تھی' حتیٰ کہ ایک مرحلہ پر اس کا غصہ شباب پر پہنچ گیا۔ اسے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو عزیز تھی اور اس سے زیادہ اپنی عزت کا پاس تھا۔ وہ ذہنی طور پر ایک آمر تھا اور دوسرے آمروں کی طرح چاہتا تھا کہ اس کی ہر بات کو "حکم شاہی" سمجھا

جائے اور اس کی بے چون و چرا تعمیل کی جائے' شیرپاؤ کے انکار نے اسے انگاروں پر لوٹا رکھا تھا اور وہ مسلسل کئی روز سے اس مسئلہ کو حل کرنے میں کوشاں تھا' لیکن بے نظیر بھٹو اور شیرپاؤ کی شادی کا مسئلہ تھا کہ کسی طرح حل ہی نہ ہو پاتا تھا۔ بھٹو اس مسئلے کو حل کرنے میں کوشاں تھا کہ اس کے شیطانی دماغ میں ایک سکیم ابھری پھر وہ جوں جوں اس سکیم پر غور کرتا' اس پر اس کے مختلف پہلو بے نقاب ہو جاتے اور وہ اسے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ سودمند اور مفید مطلب پاتا۔ بمصداق ایک تیر دو نشانے' وہ اپنی اس سکیم سے ایک طرف تو حیات محمد شیرپاؤ سے اپنی بے عزتی کا انتقام لینا چاہتا تھا اور اسے حکم عدولی کی سزا دینا چاہتا تھا اور دوسری طرف اپنے سب سے بڑے دشمن اور اس کی پارٹی کو اپنی راہ سے ہٹانے کا خواہش مند تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے شیطانی دماغ نے جو سکیم ترتیب دی تھی' اس کے مختلف پہلوؤں پر گہرے غور و فکر کے بعد اسے عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ ہوا' اس سوچے سمجھے منصوبے کے تحت سب سے پہلے تو یہ پروپیگنڈہ شروع ہوا کہ نیشنل عوامی پارٹی کا غیر ملکی طاقتوں سے رابطہ قائم ہے اور اس کے صدر جناب ولی خاں پاکستان کے دشمن نمبر اول ہیں اور پاکستان کی تباہی کے درپے ہیں۔

ابھی بھٹو اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ ایک روز بیٹھے بیٹھے اس کے جی میں آئی کہ حیات محمد شیرپاؤ کو ایک آخری موقع دیں' دراصل اس سے اپنی بیٹی بے نظیر بھٹو کی بری حالت دیکھی نہ جاتی تھی' جس نے حیات محمد شیرپاؤ کی محبت سے محرومی کے بعد رو رو کر اپنا برا حال بنا لیا تھا۔

بھٹو نے حیات محمد شیرپاؤ کو طلب کیا اور جب شیرپاؤ اس کی خدمت میں حاضر ہوا تو بھٹو نے اسے تحکمانہ لہجہ میں مخاطب کرکے کہا "مسٹر! تم شاید اپنی اصل بھول چکے ہو' تم ایک معمولی پٹھان ہو جسے میں نے زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھا دیا ہے۔ لیکن اب مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں تمہیں پہچاننے میں سخت غلطی کا مرتکب ہوا ہوں' تم ایک خاک نشین ہو' اس لئے کبھی عرش نشیں نہیں ہوسکتے۔"

"میری غلطی! میرا قصور؟" شیرپاؤ نے نظریں جھکائے ہوئے نہایت دھیمی آواز میں کہا۔

"تم نے میری بیٹی بے نظیر کا دل توڑ دیا ہے۔ تم نے میری بے عزتی کی ہے۔ میں تمہیں "بیٹا" کہہ کر پکارتا تھا اور اپنا بیٹا بھی سمجھتا تھا' لیکن تم نے میری شفقت اور میری مہربانیوں کا یہ صلہ دیا ہے کہ میری بیٹی ہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور میری بے عزتی کے مرتکب ہوئے ہو۔"

"سر! بات یہ ہے کہ مس بے نظیر ایک مغرب زدہ ماڈرن گرل ہے' جبکہ میرا گھرانہ ابھی دقیانوسی خیالات کا مالک ہے اور میں خود بھی......"

(سابق بیوروکریٹ اور سیاست دان آصف وردگ نے ایک بار مجھے بتایا کہ دوران طالب علمی اسلامیہ کالج پشاور میں شیرپاؤ کے والد واحد طالبعلم تھے جو کالج میں شرابی اور لوطی مشہور تھے۔ میرے ایک دوست نے کی عادت بتا کر ان کا مجھ سے تعارف کروایا تھا۔) بھٹو نے حیات محمد شیرپاؤ کو فقرہ پورا کرنے دیا اور چلا کر بولا۔

"کیا کہا میری بیٹی مغرب زدہ ہے اور تم دقیانوسی خیالات کے مالک ہو۔ تمہیں غلط بیانی کرتے ہوئے شرم نہیں آتی' میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں' یہ تم ہی تھے نا' جو شملہ میں میری بیٹی کو ورغلاتے رہے ہو اور اب وہ پوری طرح تمہارے چنگل میں پھنس گئی ہے' تو اس سے آنکھیں چرا رہے ہو' مسٹر! میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں' تم ایک محسن کش انسان ہو' تم نے میری قربانیوں کا ناجائز فائدہ اٹھایا ہے اور میری بیٹی پر ڈورے ڈالنے کے بعد اسے دھتکار رہے ہو۔"

بھٹو غصہ میں پیچ و تاب کھا رہا تھا اور شیرپاؤ کی نظروں کے سامنے وہ سارے مناظر گھوم رہے تھے' جن میں بے نظیر بھٹو اس کے ساتھ شملہ کے مختلف مقامات پر سیر و تفریح میں مصروف نظر آتی تھی' دراصل ہوا یہ تھا کہ جن ایام میں ذوالفقار علی بھٹو' مسز اندرا گاندھی سے مذاکرات کے لئے شملہ گیا تھا' اس کے ہمراہ جو پارٹی تھی' اس میں اس کی بیٹی بے نظیر بھٹو اور حیات محمد شیرپاؤ بھی شامل تھے۔

حیات محمد شیرپاؤ مجبوراً سیر و تفریح کے پروگراموں میں بے نظیر بھٹو کے ساتھ شریک تو ضرور ہوتا تھا لیکن اس سیر و تفریح سے لطف اندوز ہونا اس کے بس کی بات نہ تھی' اسے ہر لمحہ یہ فکر ستاتی رہتی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو

بے نظیر بھٹو کو ناگوار گذرے' علاوہ ازیں اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ کسی نے بے نظیر بھٹو اور اسے سیر و تفریح میں مصروف دیکھ لیا اور بے نظیر بھٹو کے والد ذوالفقار علی بھٹو کے کان بھرے تو اس کی پوزیشن مشکوک ہو جائے گی' پھر پتہ نہیں چیئرمین بھٹو پر اس کا کیا رد عمل ہو۔ وہ اپنی بیٹی کا اس کی معیت میں گھومنا پھرنا پسند کرے یا نہ کرے۔

اور آخر کار ایک مرحلہ پر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا۔ کسی نے چیئرمین بھٹو سے لگائی بجھائی کی اور اسے ذہن نشین کرا دیا کہ حیات محمد شیرپاؤ اس کی بیٹی پر اپنی محبت کے ڈورے ڈال رہا ہے اور بے نظیر اس کی باتوں پر یقین کر کے اپنا سب کچھ اس پر نچھاور کر چکی ہے' وہ دل و جان سے شیرپاؤ کو چاہتی ہے اور اب یہ معاملہ اس مرحلہ پر پہنچ گیا ہے کہ اگر چیئرمین بھٹو نے اپنی بیٹی اور شیرپاؤ کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی تو اس کی بیٹی اپنے باپ کے مقابلہ میں اپنے محبوب کا ساتھ دے گی۔

ذوالفقار علی بھٹو جو اپنے طبقے کی تہذیب کے مطابق نت نئے ارمانوں کا قائل تھا اور اپنی پسندیدہ عورتوں کے ساتھ ناجائز طور پر رنگ رلیاں منانا جائز خیال کرتا تھا' عشق و محبت کے جذبات اور باقاعدہ شادی وغیرہ کو جھنجھٹ قرار دے کر اس سے دور بھاگتا تھا' اسے جوں ہی اپنی بیٹی کے حیات محمد شیرپاؤ سے رومان کی خبر ہوئی' وہ آپے سے باہر ہو گیا' اس نے بے نظیر کو سخت سست کہا تو بے نظیر نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ وہ حیات محمد شیرپاؤ سے محبت کر کے کوئی گناہ نہیں کر رہی' وہ اسے دل و جان سے چاہتی ہے اور اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے۔

ظاہر ہے چیئرمین بھٹو کو اپنی بیٹی کا یہ جواب کسی صورت پسند نہ آ سکتا تھا۔ لیکن صورت احوال کا تقاضا یہ تھا کہ وہ خاموش رہے۔ لیکن اس کی خاموشی وقتی تھی وہ اپنے ملک سے دور شملہ میں مسز اندرا گاندھی سے مذاکرات کے لئے آیا تھا۔ اس کی ساری توجہ اندرا گاندھی سے معاملات طے کرنے پر مرکوز ہونی چاہیے تھی لیکن وہ اس قماش کا انسان تھا کہ بیک وقت چار چار اور آٹھ آٹھ معاملات میں دخل

اندازی ضروری سمجھتا تھا۔ شملہ کانفرنس میں مذاکرات کے ساتھ ساتھ وہ اپنی دیگر پسندیدہ دلچسپیوں میں بھی بھرپور حصہ لیا کرتا تھا۔ شراب و کباب سے جی بہلانے والے بھٹو کو اپنی بیٹی اور حیات محمد شیرپاؤ کے مراسم ایک آنکھ نہ بھائے تھے، لیکن مصلحت کے تحت اس نے اپنی بیٹی کو ڈانٹنے ڈپٹنے پر اکتفا کی تھی البتہ وہ حیات محمد شیرپاؤ سے ناراض رہنے لگا تھا۔"

(ننگ وطن از ایم ایس رانا)

معروف صحافی

جناب مقبول احمد خاں لودھی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں

"جس روز پانچ جج حضرات نے سپریم کورٹ آف پاکستان کے ججوں کی حیثیت سے حلف اٹھایا، اس تقریب کے خاتمہ پر باہر آتے ہوئے بے نظیر کے سسر حاکم علی زرداری سپریم کورٹ میں داخل ہوئے اور سپریم کورٹ کے استقبالیہ کے قریب میرے واقف سے پرانی واقفیت کی بنا پر ملاقات کی اور بار بار میرے واقف سے کہا کہ "میرے بیٹے کو بچاؤ۔" دوران گفتگو حاکم علی زرداری نے صاف صاف الفاظ میں کہا کہ "میری بہو عشتی، کنجری اور بدمعاش عورت ہے۔ یہ کرپٹ ہے۔ میرا بیٹا کرپٹ نہیں ہے۔ میرے بیٹے کو بچاؤ۔" ہمارے معاشروں میں سسر اپنی بہو کی عزت کرتا ہے اور آئندہ نسل اسی سے جاری رہتی ہے۔ حاکم علی زرداری کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ بے نظیر بھٹو اپنے سسر کو کس حد تک ناراض کر چکی ہیں۔"

(ماہنامہ افکار ایشیا اسلام آباد مئی 1999ء)

یا اللہ یا رسول بے نظیر بے قصور...؟



آصف علی زرداری

جب بے نظیر بھٹو وزیر اعظم تھیں تو ان کے شوہر آصف علی زرداری کا متعدد خواتین کے ساتھ نام لیا گیا۔ وہ شادی سے پہلے کراچی میں پلے ہوئے مشہور تھے اور اب بے نظیر بھٹو کی وزارت عظمیٰ کے باعث انہوں نے اپنی اس شہرت کو ان مقامات پر بھی کیش کرایا جہاں اس سے پہلے ان کے چیک باؤنس ہوتے رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مرد اول کی دو نمبر کارگزاریوں کے باعث وزیر اعظم ہاؤس کے اندرونی حصے میں متعدد بار پانی پت کی جنگیں بھی ہوئیں، جن میں بے نظیر پر سختی بھی کی گئی، تاہم کئی بار مرد اول کو اسلام آباد سے نکلنا پڑا اور وہ لاہور میں جاکر پنجاب کے ایک چیف سیکریٹری کی بیٹی اور کراچی جاکر وینا حیات اور دیگر دوستوں کے ساتھ غم غلط کرتے رہے۔ اپنے پہلے ایام اسیری میں ان پر سابق وزیر اعظم سندھ جام صادق علی نے خصوصی مہربانیاں کیں جس کے باعث انہیں جیل میں بے نظیر بھٹو سے ملاقات کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے زرداری کی ان ملاقاتوں کو ویڈیو میں محفوظ کر لیا جس کے عوض متعدد بار مراعات حاصل کرتے رہے۔ بے نظیر کے دوسرے دور میں فوزی علی کاظمی، ذوالفقار مرزا اور دیگر افراد زرداری کے دوست رہے۔

سابق مرد اول آصف علی زرداری نے جہاں کرپشن اور بدعنوانیوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی وہاں انہوں نے ہوس پرستی میں بھی سابقہ تمام سیاستدانوں اور

حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ لالی ووڈ کی ایک درجن سے زائد معروف اداکارائیں جن میں ریما، نیلی، ریشم، میرا، مدیحہ شاہ، عندلیب، لیلیٰ، صائمہ، نرما اور لاشانہ کے علاوہ دیگر فنکارائیں اور ماڈل گرلز شامل ہیں، جن کے بارے میں یہ شواہد بھی ملے ہیں کہ وہ شون گروپ کے سربراہ ناصر حسین کے بلاوے پر اسلام آباد پہنچائی جاتیں تھیں جہاں نہ صرف ناصر حسین بلکہ آصف علی زرداری اور سابق دور حکومت کی دیگر اعلیٰ شخصیات ان کو داد عیش دیتی رہی ہیں۔ اداکاراؤں کے عزیز و اقارب نے ان تمام سرگرمیوں کو بھونڈا الزام قرار دیا جبکہ سیاسی حلقے اس بات کا بے چینی سے انتظار کرتے رہے کہ پٹاری میں سے کب سابق حکومت کے کرتا دھرتاؤں کی عیاشیوں کے ثبوت سامنے لائے جاتے ہیں۔ آصف زرداری اور اس کے ساتھیوں کو عیاشیوں کے لیے لڑکیاں سپلائی کرنے والے گروہ کے سرغنہ ڈاکٹر اعظم بیگ کا تعلق کراچی سے ہے جس کے پاس ایک چھوٹے سے افریقی ملک سیرالیون کا ڈپلومیٹک پاسپورٹ ہے جبکہ معروف گلوکارہ نازیہ حسن کے شوہر اشتیاق بیگ جو اعظم بیگ کا بھائی ہے کے پاس مراکش کا پاسپورٹ ہے۔ مئی 97ء کو اعظم بیگ کو کراچی سے گرفتار کیا گیا جس نے دس صفحات پر مشتمل اپنا ایک تحریری بیان دیا جس میں آصف زرداری، شون گروپ کے مالک ناصر حسین شون اور ان کے دیگر ساتھیوں کی عیاشیوں کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔ اعظم بیگ نے بتایا کہ یہ لوگ جن اداکاراؤں کے ساتھ عیاشیاں کرتے رہے، ان میں ریما، مدیحہ شاہ، ریشم، میرا، نیلی، عندلیب، صائمہ، ثنا، لیلیٰ، ماروی، نتاشا، نرما اور لاشانہ شامل ہیں۔ ترجمان نے بتایا کہ اعظم بیگ لاہور، اسلام آباد اور کراچی سے تعلق رکھنے والی معروف نائیکاؤں کے ذریعے گروہ کی خوبصورت لڑکیاں سپلائی کرتا تھا۔ جو نائیکائیں لڑکیاں سپلائی کرتی تھیں، ان میں لاہور کی مسز شمیم مرزا، بشیراں، مسز سیما، اسلام آباد کی ثریا خانم، کراچی کی مسز اقبال یوسف عرف پارو جبکہ لاہور اور اسلام آباد کے دو نوجوان عدنان اور کاشف راجہ سے بھی یہی کام لیا جاتا رہا۔ سابقہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری کے بیرونی

ممالک میں دوروں سے چند روز قبل یہ معروف اداکارائیں اور خوبرو لڑکیاں ان ممالک میں پہنچ جاتی تھیں۔ استنبول، لندن اور امریکہ میں سابقہ وزیر اعظم کے دوروں کے دوران ان اداکاراؤں کے وہاں جانے اور قیام سے متعلق تمام دستاویزی ثبوت قبضے میں لے لیے گئے۔ ذرائع کے مطابق آصف زرداری اس وقت کی وزیر اعظم بینظیر بھٹو کے وفد سے اچانک علیحدہ ہو کر ان خواتین کے پاس پہنچ جاتے تھے اور ناصر حسین شون بھی وہیں موجود ہوتے تھے۔ واضح رہے اداکارہ ریما اور دیگر اداکاراؤں کے پاسپورٹوں پر امریکہ، ترکی اور برطانیہ کے لگے ہوئے ویزوں کے دستاویزی ثبوت ہیں۔ اسلام آباد کے میریٹ ہوٹل کے ایگزیکٹو فلور پر 6 کمرے بک کرائے جاتے تھے، جن کا آپس میں درمیانی دروازے کے ذریعے رابطہ ہوتا تھا اور ان کمروں میں 6 خوبرو لڑکیاں ہر رات ٹھہرا دی جاتیں تھیں۔ آصف علی زرداری میریٹ کے چائنیز ریسٹورنٹ میں آکر بیٹھ جاتے تھے اور وہاں پر سوپ پینے کے بعد سوئمنگ پول دیکھنے کے بہانے لفٹ کے پاس آکر لفٹ کے ذریعے اس ایگزیکٹو فلور پر پہنچ جاتے تھے جہاں کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور وہ باری باری ان تمام کمروں میں جاتے تھے۔ اعظم بیگ اور اس کا گروپ، فیشن شو کے نام پر معصوم لڑکیوں کو لاکر انہیں اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرتا تھا۔ اعظم بیگ نے اپنے بیان میں یہ بھی انکشاف کیا کہ شون گروپ کے مالک ناصر حسین کے 5 سے زائد لڑکیوں کے ساتھ تعلقات تھے۔ اداکارہ ریما کے پاسپورٹ پر سابق وزیر اعظم بینظیر بھٹو کے ترکی، برطانیہ اور امریکہ کے دوروں کے دوران ان ممالک کے ویزے لگے ہوئے ہیں اور پاسپورٹ پر ان کے والد کا نام ڈاکٹر اکمل خان لکھا ہوا ہے اور اس کی تاریخ پیدائش 1971ء بتائی گئی ہے۔ تاہم بینظیر بھٹو کو آصف زرداری کی عیاشیوں کا کوئی علم نہیں تھا۔ لاہور فلمی اداکاراؤں کا رسیا اربوں پتی بزنس مین شون گروپ کے سربراہ ناصر حسین کی ہوس پرستی نے اس کی نیک، پرہیزگار سلیقہ شعار بیوی فرح ناصر، دو بیٹیوں اور دو بیٹوں کو دربدر کرکے ان کی زندگی جہنم بنادی اور ریما کے عشق اور اصرار نے

ناصر حسین کو اتنا دیوانہ بنا دیا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے پر بھی رضامند ہو گیا تھا۔ پیسے کی ہوس کا شکار ان نام نہاد شریف زادی فلمی اداکاراؤں کو مفت کی لاکھوں آمدنی اور نئی نئی کوٹھیوں' کاروں اور بیرونی ممالک کے مفت دوروں کے لالچ نے ریما' نیلی' میرا' لیلیٰ' صائمہ اور ریشم کو ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا اور مذکورہ اداکارائیں ناصر حسین کی ایک منٹ کی قربت حاصل کرنے اور اسے صرف اپنا بنانے کے لیے ناصر حسین کو ایزی کسٹمر (EASY CUSTOMER) سمجھتی تھیں اور ناصر حسین کا دل جیتنے کے لیے اسے ہر طرح سے خوش کرنے کی کوشش کرتیں۔ یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جام صادق کے دور حکومت میں جب جام معشوق کا بھی ریما سے "یارانہ" چل رہا تھا' اسی دوران ناصر حسین نے کراچی کے کھلے سمندر میں ایک بحری جہاز کرائے پر لے کر اس کی خوب سجاوٹ کروائی' جہاں اس نے ایک حاضی سیاسی و بزنس مین دوست کے لیے نیلی' ریما اور اس کی پارٹنرز کے مجرے کا اہتمام کیا' جس کے بعد جام معشوق اور ناصر حسین کے درمیان تصادم ہوا' جیسا کہ ماحول پیدا ہو گیا تھا' اور اس کے بعد ریما کو جام معشوق کے ڈیرے پر ایک اذیت ناک صورت حال سے بھی گزرنا پڑا جس کے بعد ریما تین ہفتے ہسپتال میں زیر علاج رہی۔ علاوہ ازیں جب ناصر حسین چوبیس گھنٹے ریما کے ساتھ گزارنے لگا اور اس کے عشق میں اپنے بیوی بچوں سے لاتعلق ہو گیا تو ناصر حسین کی بیوی نے ایک بزرگ سے رابطہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ ریما نے ملتان کے ایک عامل کے ذریعے ناصر حسین پر کالا جادو کیا ہوا ہے۔ تاہم بعد میں جب اس کی بیوی نے ناصر حسین کو حقیقت سے آگاہ کیا تو ناصر حسین نے ریما کے عشق میں اپنی بیوی کو یہاں تک کہہ دیا کہ وہ اسے تو چھوڑ سکتا ہے ریما کو نہیں' جس پر ناصر کی بیوی نے اس کو بچوں کا واسطہ دے کر کہا کہ تم ریما کو چھوڑ دو' وہ پیسے کے لالچ میں اندھی ہو کر ہماری جانوں کی دشمن بن گئی ہے۔ تم کسی اور سے دوستی کر لو مجھے قبول ہے لیکن ریما کو چھوڑ دو۔ ریما' نیلی' صائمہ' میرا' لیلیٰ اور ریشم کی کسی وجہ سے عدم موجودگی یا

عدم دستیابی پر ناصر زریا' لاشانہ' عندلیب' ماروی اور نتاشا سمیت بیک وقت دو دو تین تین اداکاراؤں کو صرف ایک ٹیلی فون کال پر طلب کر لیتا۔ جبکہ وہ ان اداکاراؤں کو اپنے خاص دوستوں کو خوش کرنے کے لیے بھی انہیں تحفے کے طور پر بھیج دیا کرتا تھا۔ اکثر اوقات وہ گاہے بگاہے اپنی پسند کی ہیروئنوں کو چائنیز پر ڈنر کے لیے بھیج دیا کرتا تھا اور ناصر حسین کی اس فراخ دلی کو دیکھتے ہوئے مذکورہ اداکارائیں ناصر کی ایک فون کال پر ضروری سے ضروری شوٹنگ ادھوری چھوڑ کر چلی جاتی تھیں جبکہ بعض اوقات اگر ناصر بیرون ملک سے انہیں کال کرتا تو وہ ہتیلیاں بارہ گھنٹوں کے دوران ہی اپنے سب سے قیمتی سپانسر کے پاس اڑ کر پہنچ جایا کرتی تھیں جبکہ فلم سازوں اور گھر والوں کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ ریما' میرا' لیلیٰ' صائمہ اور ریشم اکثر اوقات ناصر حسین کو ٹیلیفون کر کے اور جھوٹا رونا رو کر اپنی سچی محبت کا یقین دلاتیں اور ناصر سے گلہ کرتیں کہ وہ دوسری اداکاراؤں میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ کیا میں تمہاری ہر خواہش کو پورا نہیں کرتی یا مجھ میں دیگر کے مقابلے میں کوئی کمی ہے!

بلیو ایریا اسلام آباد میں ٹیکس فری پلازہ پر پولیس نے چھاپہ مار کر آصف علی زرداری کے قریبی ساتھی فوزی علی کاظمی اور مشہور اداکارہ زارا اکبر کو شراب کے نشہ میں دھت رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کے وقت ایک ٹرالی پر قیمتی شراب کی متعدد بوتلیں' بیئر کے ڈبے پڑے ہوئے تھے۔ جبکہ دونوں گلاسوں میں شراب بھری ہوئی تھی اور کمرے میں ٹی۔ وی وی۔ سی۔ آر پر بلیو فلم چل رہی تھی۔

ایس۔ ایس۔ پی راجہ الطاف حسین کی ہدایت پر ایس۔ ایچ۔ او کلثوم ناصر وڑائچ اور سب انسپکٹر غلام مصطفیٰ نے مشترکہ چھاپہ مارا۔ دونوں ملزمان لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں باتیں کر رہے تھے۔ فوزی کاظمی نے فوری طور پر موبائل پر کسی سے فون کرنے کی کوشش کی مگر ایس۔ ایچ۔ او نے منع کر دیا۔ چھاپے میں چند ایسے شواہد بھی پائے گئے جن سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ پولیس کے آنے سے قبل چند اور لوگ بھی موجود تھے جو موج میلہ منا رہے تھے۔ پولیس نے ان دونوں کے خلاف امتناع منشیات آرڈیننس

کے تحت مقدمہ درج کر لیا۔ بعد ازاں دونوں کا پولی کلینک اسلام آباد سے طبی معائنہ کروایا گیا۔ میڈیکل افسر نے فوزی کاظمی کو شراب کے نشہ میں اور زارا اکبر کو ہوش و حواس کی حالت میں قرار دیا۔ بعض اطلاعات کے مطابق زارا کو مے نوشی کے الزام سے بچانے کے لئے اثر و رسوخ استعمال کیا گیا۔ فوزی کاظمی کو 14 دن کے عدالتی ریمانڈ پر جیل بھجوا دیا گیا۔ جبکہ سٹی مجسٹریٹ اسلام آباد ملک ظفر اقبال اعوان نے فوری طور پر اداکارہ زارا اکبر کو پچاس ہزار روپے کے مچلکے داخل کرنے پر ضمانت پر رہا کر دیا۔ جبکہ انسپکٹر سگل نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ ڈاکٹر نے اپنی رپورٹ میں زارا اکبر کو حاملہ قرار دیا ہے۔

زارا اکبر کے والد میاں اکبر نے کہا کہ پارٹیوں میں سب شراب پیتے ہیں۔ زارا نے پی لی تو کون سا جرم کیا۔ زارا اکبر کے گھر واقع بیدیاں روڈ کینٹ جب رابطہ کیا گیا تو ان کی والدہ نے جو سیاہ دھوتی کرتہ پہنے ہوئے تھیں کہا مجھے نہیں معلوم کہ میری بیٹی گرفتار ہو گئی ہے۔ انہوں نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا کہ "کڑی تے کم تے گئی سی 'کیہڑے نامراداں پھڑ لیا"۔

اداکارہ زارا اکبر نے کہا کہ میرے خلاف اس لئے کارروائی ہوئی کہ میں نے چھاپہ ڈلوانے والوں کی "بات" نہیں مانی۔ اگر کوئی میرے عشق میں خود بخود مبتلا ہو جائے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ زارا نے کہا کہ میں نے شراب نہیں پی ہوئی تھی لیکن پھر بھی کہتی ہوں کہ ایسا کون ہے جو شراب نہیں پیتا۔ مجھے بتائیں کتنے 'وزیر' کتنے ایم۔این۔اے اور کتنے ایم۔پی۔اے ہیں جو شراب سے شغف نہیں کرتے۔ پولیس نے جن لوگوں کے کہنے پر میرے گھر پر چھاپہ مارا ہے انہی میں سے ایک نے لاہور میں 17 دسمبر 1996ء کو میری سالگرہ کی پارٹی پر آنے میں یہ شرط عائد کی تھی کہ میں انہیں سوڈے کی بوتل میں شراب ملا کر پلاؤں۔ میں نے انکار کیا مگر وہ نہ مانے۔ زارا اکبر نے کہا کہ شراب تو آج کل سب ہی تھوڑی بہت پیتے ہیں اور اسلام آباد میں اکثر مقامات پر شراب چلتی ہے۔ ضمانت پر رہا ہونے کے بعد اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے اداکارہ نے کہا کہ وہ ایک روشن خیال اور حقیقت پسند لڑکی ہے۔ جو اس سماج میں رائج تمام روایات سے نبٹنے کا حوصلہ رکھتی ہے۔

اداکارہ نے کہا کہ اسے اس واقعہ سے قطعاً کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ ضمانت پر رہا ہونے کے بعد زارا اکبر فوری طور پر لاہور آ گئی اور پھر اگلے دن بدھ کو صبح ہی پرواز سے واپس اسلام آباد چلی گئی۔ اس دن اسلام آباد میں ایک وفاقی وزیر کے ساتھ زارا اکبر نے ان کے دفتر میں صبح 9 بج کر 10 منٹ پر ملاقات کی اور کہا کہ آپ جج کو فون کریں کہ جمعرات کو ہر حال میں فوزی کاظمی کو رہا کر دیں ورنہ بہت برا ہو گا۔ اس کے بعد زارا اکبر تھانہ کوہسار اسلام آباد گئی اور جمعرات کو ہونے والی سماعت کے بارے میں پولیس آفیسر سے کہا کہ وہ صبح سویرے ریکارڈ لے آئیں تاکہ فوزی کی ضمانت ہو جائے۔ جیل میں اگر فوزی کاظمی کو کچھ ہوا یا کسی نے اس کے ساتھ زیادتی کی تو میں اوپر تک جاؤں گی۔

ضمانت کی منظوری کے بعد تفتیشی افسر نے دونوں کو مجسٹریٹ کے ریٹائرنگ روم میں بلایا اور وہاں سے ان کو گھر بھجوا دیا۔ زارا اکبر کو فوزی علی کاظمی کے دوست اپنی کار میں لے گئے اور جبکہ ایک اور نئے ماڈل کی کار میں فوزی کاظمی کو جیل پہنچا دیا گیا۔ زارا اکبر کو رات کے وقت وہیں تھانہ میں ایک تفتیشی افسر کے کمرے میں رکھا گیا۔ جہاں پر اس کے پاس موبائل فون اور دیگر پر تکلف خورد و نوش کی اشیاء موجود تھیں۔ رات وہ ایک "مہمان خانے" میں رہیں ان کے لئے ناشتہ ایک فائیو سٹار ہوٹل سے منگوایا گیا۔

چوہدری شجاعت حسین کا ردعمل

اس واقعہ پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے اس وقت کے وزیر داخلہ چوہدری شجاعت حسین نے کہا کہ "جس کام پر پولیس نے زارا اکبر اور فوزی کاظمی کو گرفتار کیا ہے۔ یہ کام کہاں نہیں ہو رہا اور کون نہیں کر رہا۔ انہوں نے کہا کہ یہ بڑی زیادتی ہے' یہ نہیں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اس آپریشن کے لئے نہیں کہا تھا۔ خدا جانے یہ کس کے کہنے پر کیا گیا' انہوں نے کہا کہ یہ جوڑا نہ تو کسی کو تنگ کر رہا تھا اور نہ ہی کوئی جرم کر رہے تھے نہ ہی انہوں نے نقص امن کیا ہے اور نہ ہی امن و امان کا کوئی مسئلہ پیدا کیا ہے۔ اس لئے ان کی پرائیویٹ جگہ پر چھاپہ مارنا درست نہیں بلکہ پولیس نے انہیں خوف زدہ کر کے خود جرم کا ارتکاب کیا ہے۔ انہوں نے

کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ ان سے زیادتی ہوئی ہے۔ میں کراچی سے واپسی پر اس سلسلہ میں وزیراعظم میاں نواز شریف سے بات کروں گا۔"

زارا اکبر نے کہا کہ چودھری شجاعت نے میرے جذبات کی ترجمانی کی ہے مجھے ان کے بیان سے خوشی ہوئی ہے کیونکہ شراب کون نہیں پیتا۔ پکڑنے والے اپنے گریبان میں جھانکیں انہوں نے کہا کہ ایس۔ایچ۔او نے مجھ سے معذرت کی ہے۔ دریں اثنا حکومت نے ایس۔ایچ۔او کو جنوبی افریقہ ڈیپوٹیشن پر بھجوا دیا۔ جہاں وہ سرکاری فرائض سرانجام دیں گے۔

اس طرح برطانیہ میں پاکستان کے ہائی کمشنر میاں ریاض سمیع نے کہا تھا کہ قرآن پاک میں کس جگہ لکھا ہے کہ "شراب حرام ہے۔"

علماء کرام کا رد عمل

ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم ﷺ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور تین مقامات پر اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ انہوں نے کہا حکومت ہائی کمشنر کے خلاف تادیبی کارروائی کرے۔ معروف عالم دین حافظ عبدالرحمن مدنی نے کہا ریاض سمیع کا بیان ان کے اسلام سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ حکومت کو چاہیئے ایسے شخص کو فوری طور پر برطرف کرکے کارروائی کی جائے۔ جے یو آئی کے رہنماؤں مولانا امجد خان، رشید لدھیانوی اور مولانا جمیل الرحمان درخواستی نے اپنے مشترکہ بیان میں کہا ہائی کمشنر کو فوری طور پر واپس بلا کر ان پر مقدمہ چلایا جائے کیونکہ ایسے سفارتکار ملک اور اسلام کے لئے بدنامی کا باعث بنتے ہیں اور یہ سب کچھ سازش کے تحت کیا جا رہا ہے۔ اگر حکومت نے فوری طور پر ایکشن نہ لیا تو ہم سمجھیں گے یہ بیان دلوانے میں حکومت کی مرضی شامل ہے۔ مرکز الدعوۃ والارشاد کے مرکزی رہنما حافظ عبدالسلام نے کہا دین اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے بعض شرپسند عناصر نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ حکومت کو اپنے بیانات پر فوری ایکشن لینا چاہیئے۔ شباب ملی پاکستان کے صدر، جماعت اسلامی صوبہ سرحد کے نائب امیر شبیر احمد خان، سیکرٹری جنرل شباب ملی اور جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی رہنما حافظ سلمان بٹ نے مشترکہ بیان میں ہائی کمشنر میاں ریاض سمیع کی فوری برطرفی کا

مطالبہ کیا ہے۔ قائدین شباب ملی نے کہا سپیکر قومی اسمبلی کی غیر اسلامی حرکات اور فوٹو اخبارات میں آچکے ہیں اور منصوبہ بندی کی وفاقی وزیر سیدہ عابدہ حسین نے غیر اسلامی اور غیر شرعی باتیں کرنے کو معمول بنا لیا ہے' اس لئے ہم وزیراعظم نواز شریف سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے وزراء مشیروں اور سفیروں کو قرآن و سنت کی تعلیم سے روشناس کرائیں اور غیر اسلامی اور غیر شرعی کام کرنے اور یہودی لابی کے ایجنٹوں کو فوری برطرف کریں ورنہ قوم ان کا خود احتساب کرے گی۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے قرآن میں شراب پر ممانعت کے واضح احکامات کے باوجود ہمارے مغرب زدہ سفارت کار لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کرکے اسلام سے دوری کا ذریعہ بن رہے ہیں جو انتہائی افسوس ناک ہے۔ لہٰذا حکومت ان حرکتوں کا سختی سے نوٹس لے جو پاکستان اور اسلام کی بدنامی کا باعث بن رہی ہیں۔ پیر سید محمد کبیر علی شاہ سجادہ نشین چورہ شریف نے کہا کہ پاکستانی ہائی کمشنر ریاض سمیع کا بیان انتہائی قابل اعتراض اور ان کی یہ حرکت ناقابل معافی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس قسم کے لوگ ایک اسلامی مملکت کے لئے بدنامی کا باعث ہیں۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ یورپی ممالک میں خاص طور پر اسلام دوست لوگوں کو سفیر بنا کر بھیجا جائے تاکہ وہ پاکستان کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔

زارا اکبر اور فوزی کاظمی نے شراب نوشی کی حالت میں گرفتاری کو شوبز سے تعلق رکھنے والے افراد نے سیاسی انتقام قرار دیا۔ ان حلقوں کے مطابق اسلام آباد میں شراب نوشی کثرت سے کی جاتی ہے اور اس سے قبل بے شمار فنکار بھی نشہ کی حالت میں گرفتار ہو کر رہا ہو چکے ہیں لیکن کبھی کسی فنکار کی اتنی کردار کشی نہیں کی گئی۔

ضمانت کے بعد زارا اکبر دبئی چلی گئی۔ جہاں بطور کلب ڈانسر ملازمت اختیار کرلی۔ کچھ عرصہ قبل وہ واپس لوٹ آئی اور آج کل دوبارہ ٹی۔وی ڈراموں میں نظر آ رہی ہیں۔

12 ستمبر 1999ء کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق آصف علی زرداری کے دست راست اور شون گروپ کے چیف ایگزیکٹو ناصر شون نے اداکارہ

ریما کو ساڑھے 12 لاکھ کا ہیروں کا ہار خرید کر دیا۔ بتایا گیا کہ اداکارہ ریما کالی لینڈ کروز میں ناصر شون کے ہمراہ ایپارز سنٹر میں واقع کیرٹ جیولرز میں گئیں اور انہوں نے وہاں سے ساڑھے 12 لاکھ کا ہیروں کا ہار لیا۔ اس ہار کے لئے 5 لاکھ روپے ایڈوانس دیئے گئے تھے۔

جیولر کو ساڑھے چھ لاکھ روپے کے 25 ہزار روپے کے پرائز بانڈ اور ایک لاکھ روپے نقد دیئے گئے۔ ریما نے ہیروں کے ایک اور ہار کا آرڈر دیا جس کی قیمت 21 لاکھ روپے ہے۔ دوسرے ہار کے لئے آٹھ لاکھ روپے کے 25 ہزار روپے کے پرائز بانڈ ایڈوانس کے طور پر دیئے گئے۔ یاد رہے کہ ناصر شون کو ملکی خزانہ لوٹنے کے الزام میں عدالتوں کی طرف سے اشتہاری قرار دیا جا چکا ہے۔

فلم "جان جان پاکستان" سے فلمی کیریئر کا آغاز کرنے والی اداکارہ نور کینیا میں ناصر شون سے ملاقات کرنے کے بعد جولائی 1999ء میں جب وطن واپس کراچی ایئرپورٹ پر پہنچی تو ذرائع کے مطابق نور کے پاؤں سوجے ہوئے تھے اور اسے چلنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ انتظامیہ نے اسے فوراً آغا خاں ہسپتال پہنچا دیا' جہاں اس کے ایڈز سمیت تمام ٹیسٹ کئے گئے۔ ایئرپورٹ پر انتظامیہ نے نور سے ہیلتھ سرٹیفکیٹ مانگا تو اداکارہ سرٹیفکیٹ نہ دکھا سکی جس پر ایئرپورٹ انتظامیہ نے اسے فوری طور پر ہسپتال پہنچا دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نور نے کینیا میں ناصر شون سے ملاقات کرنے کے پانچ لاکھ روپے وصول کئے۔ واضح رہے کراچی ایئرپورٹ پر افریقہ سے آنے والے ہر شخص کا طبی معائنہ کیا جاتا ہے۔

حروں کے روحانی پیشوا پیرپگاڑا کے بیٹے سید گوہر علی راشدی نے کہا ہے کہ میرے اور میری بیوی آنسہ قمر کے درمیان اختلافات آصف زرداری نے پیدا کئے۔ اس سلسلے میں آصف زرداری کی غیر مصدقہ دوسری بیوی سابق چیف سیکرٹری پنجاب اسلم حیات قریشی کی بیٹی ثانیہ قریشی سے میری بیوی کی دوستی نے اہم کردار ادا کیا۔ وہ گزشتہ روز گارڈین جج چودھری محمد دین بسرا کی عدالت میں اپنے دونوں بچوں سے دو سال کی لاتعلقی کے بعد پہلی بار ملاقات کے موقع پر اخبار نویسوں سے گفتگو کر رہے تھے۔ آنسہ قمر سے صلح کے سوال پر انہوں نے کہا کہ جس کے تعلقات آصف

زرداری کے قریبی دوستوں سے ہو جائیں اس سے صلح کرنے سے بہتر ہے کہ خودکشی کر لوں۔ آصف زرداری نے ملک کی طرح ہماری گھریلو زندگی بھی برباد کر دی اور اب میرا مسئلہ گھریلو نہیں رہا بلکہ سیاسی بن چکا ہے لہٰذا ہمارا ملنا ممکن نہیں ہے۔

(9 مارچ 1997ء)

اسلام آباد پولیس کی جانب سے جعلی کرنسی سکینڈل میں گرفتار کئے جانے والے بدنام زمانہ ٹھگ رانا بنارس کے فلم انڈسٹری کی چند خوبصورت ترین اداکاروں کے پس پردہ بھیانک روپ کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات ہوئے ہیں جس سے نگار خانوں میں ہلچل مچ گئی اور متعلقہ اداکاراؤں کی رات کی نیندیں حرام ہو گئیں۔

"الاخبار" کے مطابق رانا بنارس نے انکشاف کیا ہے کہ سابق حکومت کے دور میں حکومتی جماعت کے اہم ترین عہدیدار آصف علی زرداری کی وجہ سے اس کے تعلقات فلمسٹار ریما سے کشیدہ ہو گئے تھے۔ ایک موقع پر جب مذکورہ شخص نے ڈیڑھ لاکھ کے ریٹ کے برعکس ریما کو ساڑھے 3 لاکھ روپے میں بک کیا تو میرے لئے یہ غیرت کا مسئلہ بن گیا اور میں نے ساڑھے 4 لاکھ روپے ادا کر کے ریما کو اسلام آباد جانے سے روک دیا۔ رانا بنارس نے بتایا کہ اس واقعہ کا علم جب زرداری کو ہوا تو وہ میری جان کا دشمن بن گیا اور مجھ پر کئی قاتلانہ حملے کرائے۔ رانا بنارس نے انکشاف کیا کہ اس کی بربادی میں چنچل ریما' کمسن صاحبہ' دلکش مدیحہ اور پری چہرہ صائمہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ رانا بنارس نے بتایا کہ میرے پاس پیسے آنے کی دیر تھی کہ لاہور کے چند بڑے فلمساز دوستوں کی معرفت یہ تمام ہیروئنیں پکے ہوئے پھل کی طرح میری جھولی میں آ گریں۔ یہ اداکارائیں مجھ سے سچی محبت کی قسمیں کھاتی تھیں۔ صاحبہ کی ماں نے مجھے اپنا منہ بولا بیٹا بنایا ہوا تھا اور مجھے اپنی بیٹی کے مستقبل کا سہارا قرار دیتی تھی۔ میں نے متعدد مرتبہ ایک رات کی محبت کے لئے صاحبہ' ریما' صائمہ اور مدیحہ کو ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیا۔ ریما سے تو میری شادی کی بات بھی چل رہی تھی اور میں نے اسے شادی کے وعدے پر ہی حال میں 45 لاکھ روپے کی مالیت کی ہیروں کی انگوٹھی لیکر دی تھی' اس کے علاوہ میں نے ریما کے بینک اکاؤنٹ میں

25 لاکھ روپے جمع کرائے تھے۔ ایک برانڈ نیو پجارو 'ٹویوٹا کار بھی خرید کر دی تھی۔

بنارس کے مطابق بھارت کی مشہور ہیروئن ریکھا سے بھی اس کی دوستی تھی اور گزشتہ سال دبئی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں ریکھا کے ساتھ کئی شامیں گزاریں۔ تمام اخراجات کے علاوہ نقد 5 لاکھ روپے بھی دیئے۔ رانا بنارس نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا کہ میں نے اپنی تمام جمع پونجی فلم انڈسٹری کے ان خوبصورت چہروں پر نچھاور کر دی لیکن آج سب مجھ سے دور ہیں۔

انہوں نے کہا کہ گزشتہ 15 سال کے دوران میں نے 80 کروڑ روپے سے زائد کا فراڈ کیا ہے۔ جس سے میں نے صرف مظفر آباد میں اپنے لئے دو کنال کی کوٹھی بنائی ہے اور باقی رقم اپنی حسرتیں پوری کرنے پر اڑا دی۔ رانا بنارس نے کہا کہ اس ملک میں ہر مال بکاؤ ہے' بڑے بڑے سیاسی رہنما اور شرافت کے لبادوں میں ملبوس شخصیت کے اندرون خانہ کیا گھناؤنے کھیل ہیں اگر ان سے پردہ اٹھا دوں تو آدھے سے زیادہ سیاست دان عوام کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔

میاں نواز شریف



میاں نواز شریف دو بار وزیر اعظم بن چکے ہیں۔ انہوں نے جس انداز سے بریف کیس کے ذریعے اور مختلف شخصیات کے کندھوں پر چڑھ کر اپنی سیاست کو چمکایا۔ وہ اپنی جگہ ایک تاریخ ہے۔ پاکستان میں ان کے مخالفین اور حمایتی دونوں کی تعداد کروڑوں میں گنی جاتی ہے۔ عام زندگی میں انہیں معصوم اور سیدھا سادھا انسان گردانا جاتا ہے۔ مگر ذاتی زندگی میں ان کا کردار بھی دوسرے سیاست دانوں سے کچھ مختلف نہیں۔ مشہور گلوکارہ طاہرہ سید سے اس کے معاشقے کے قصے ایک عرصہ تک

لوگوں کی زبان پر رہے۔ اور جب طاہرہ سید اور ان کے شوہر نعیم بخاری کے درمیان یہ تنازعہ طلاق کی صورت اختیار کر گیا۔ تو تب بھی سب لوگ اس کا ذمہ دار نواز شریف کو گردانتے تھے۔ علیحدگی کے بعد نعیم بخاری نے بڑے دکھی دل کے ساتھ کہا کہ میں ہی گاڑی کو گھسیٹ رہا تھا۔ گاڑی کے طاہرہ سید والے پہیے نے تو ابتداء ہی میں زندگی کی گاڑی چلانے سے انکار کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ نواز شریف کو طاہرہ سید کی زلفوں کے جال سے ان کی بیگم کلثوم نواز شریف نے نکالا۔ اور صورت حال کو سنبھالتے ہوئے اپنے شوہر اور ان کے سیاسی کیریئر کو سنبھالا دیا۔ جبکہ نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں طاہرہ سید کو وزیر اعظم ہاؤس میں "خاتون اول" کی طرح پذیرائی حاصل تھی۔

31 اکتوبر 1993ء کو کراچی کے ایک اخبار نے رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ مری کے دلفریب مقام پر پنجاب ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن کی چیئر لفٹ سے گلوکارہ طاہرہ سید کو پیپلز پارٹی کی حکومت نے محروم کر دیا ہے۔ طاہرہ سید کو یہ چیئر



یا اللہ۔ مجھے معاف کرے

لفٹ نواز شریف نے اپنے پہلے دور حکومت میں عطا کی تھی۔ اس لفٹ سے طاہرہ سید کو روزانہ ہزاروں روپے کی آمدن ہوتی تھی۔ اور نواز شریف کی منظور نظر ہونے کی بدولت وہ حکومت کے مقرر کردہ کرایہ سے زائد بھی وصول کرتی تھی جس سے ادارے کو شدید نقصان اٹھانا پڑتا تھا۔ اخبار نے نے اپنی رپورٹ کے اختتام پر لکھا کہ گلوکارہ طاہرہ سید کیپٹیر نعیم بخاری کی اہلیہ تھیں۔ مگر 1990ء میں نواز شریف کے برسر اقتدار آنے کے بعد دونوں میں شدید اختلافات رونما ہو گئے تھے جو بعد ازاں طلاق پر منتج ہوئے۔

حال ہی میں روزنامہ خبریں نے اپنے سنڈے میگزین میں معروف صحافی نجم سیٹھی سے انٹرویو کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ معروف گلوکارہ طاہرہ سید کو نواز شریف کے قریبی ساتھی سابق سینیٹر سیف الرحمان کی کمپنی "ریڈ کو" کی طرف سے ہر ماہ 5 لاکھ روپے ملتے تھے۔

(روزنامہ خبریں سنڈے میگزین 9 جنوری 2000ء)

طاہرہ سید کے بعد میاں نواز شریف کا دوسرا سکینڈل جو منظر عام پر آیا۔ وہ ان کے مشیروں کی غلط بیانی کا نتیجہ تھا۔ جو مسلم لیگ' عمران خان کی سیاسی مقبولیت کو ختم کرنے کے لئے سیتا وائٹ کو منظر عام پر لائی۔ تو دوسری طرف میاں نواز شریف کا داغدار دامن بھی عوام کے سامنے آگیا۔

12 جنوری 1997ء کو ایک ہندوستانی اخبار "سماچار" نے انکشاف کیا کہ نواز شریف انڈین اداکار فیروز خان اور سنجے خان کی بہن دلشاد بیگم کی زلفوں کے اسیر رہے ہیں۔ اخبار میں دلشاد بیگم کا انٹرویو بھی شائع ہوا۔ جس میں اس نے اپنے تعلقات سے پردہ اٹھاتے ہوئے انکشاف کیا کہ نواز شریف دل پھینک' عاشق مزاج اور صرف نام کے ہی شریف ہیں۔ اس نے بتایا کہ 1991ء میں میرے کہنے پر نواز شریف نے کشمیر میں فوجی کارروائیاں بند کرا دیں۔ اور اپنے ملک کی سب سے بڑی جماعت (جماعت اسلامی) سے ٹکر لے لی۔

دلشاد بیگم کے انکشافات کو نواز شریف کے دور حکومت میں روزنامہ مساوات لاہور نے بھی شائع کیا۔ مگر نواز شریف نے اس کی اس وقت تردید نہیں کی۔

مگر جب انتخابات کے دوران یہی واقعات مزید تفصیلات کے ساتھ لاہور ہی کے ایک ہفت روزہ "سیاسی لوگ" نے شائع کئے۔ تو اس کے ایڈیٹر غلام حسین پر قاتلانہ حملہ کروایا گیا۔ ذرائع کے مطابق اس حملے میں آئی۔بی کے اہلکار ملوث تھے۔

دلشاد بیگم نے لندن سے شائع ہونے والے جریدے "لباس انٹرنیشنل" کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ اس کے شوہر میاں جاوید لکڑی کا کاروبار کرتے تھے۔ ان سے تین بیٹیاں پیدا ہوئیں بعد ازاں وہ انتقال کر گئے۔ جس کے بعد اس نے آزاد زندگی گزارنا شروع کی۔ اس کی خوبصورتی، ساڑھی باندھنے کے دلکش انداز اور دلفریب اداؤں سے ایک حلقہ اس کا اسیر تھا۔ پاکستان میں اس کی آمد سنگل فیملی کے ایک



دلشاد بیگم

صنعت کار کی بیگم کے ذریعے ہوئی اور اس نے ہی بھوربن میں منعقدہ ایک تقریب میں اس کی ملاقات میاں نواز شریف سے کروائی۔

میاں نواز شریف دلشاد بیگم کی اداؤں پر ایسے مرمٹے کہ اسے پاکستان میں سرکاری مہمان کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ حتیٰ کہ قومی اسمبلی میں اس معاملے پر باقاعدہ سوال اٹھایا گیا۔ کہ ایک غیر ملکی خاتون کس طرح پاکستان میں سرکاری پروٹوکول کی مستحق قرار دی جا رہی تھی جبکہ اس کا تعلق دشمن ملک سے ہے۔ مگر "عشق نہ پوچھے ذات کوئی" کے مصداق اسیر رانجھا کا سفر جاری رہا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ دونوں کی پہلی ملاقات بھوربن میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہجر کے لمحات نے کئی واقعات کو بھی جنم دیا۔ ایک دن جبکہ نواز شریف لاہور میں تھے۔ بھوربن کے خوشگوار موسم کو دیکھتے ہوئے دلشاد بیگم نے انہیں فون کر کے اصرار کیا۔ کہ وہ فوری طور پر بھوربن پہنچیں۔ تاہم میاں نواز شریف نے سرکاری کاموں کی وجہ سے معذرت کرتے ہوئے اسے فون پر ایک گانا سنایا۔ جسے اس وقت انٹیلی جنس بیورو نے ٹیپ کر لیا تھا۔ یہ طلعت محمود کا گانا تھا جس کے بول تھے۔

شام غم کی قسم آج غمگین ہیں ہم
آ بھی جا آ بھی جا آج میرے صنم
رت حسیں ہے تو کیا چاندنی ہے تو کیا
زندگی دور ہے اور جدائی ستم

ہجر و وصال کے اس دور میں عشق کے راستے پر دونوں اس قدر دور چلے گئے۔ کہ طاہرہ سید کے معاملے کی طرح خاندان کے بزرگوں کو اس بار بھی مداخلت کرنا پڑی۔

ایک دفعہ نواز شریف اسلام آباد سے لاہور آ رہے تھے کہ انہیں جہاز میں دلشاد بیگم کا خصوصی پیغام ملا اور انہوں نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر فوری طور پر جہاز واپس اسلام آباد لے جانے کا حکم دیا۔ جہاں سے وہ سیدھے وصال یار کے لئے بھوربن چلے گئے۔

یہ سلسلہ ان کی وزارت عظمیٰ تک چلا اور ٹیلی فون پر رومانی گیت گائے' خصوصی ملاقاتوں اور ہیلی کاپٹر پر خصوصی سیر و تفریح کے واقعات سامنے آئے اور خصوصی طور پر دلشاد بیگم سے ٹیلی فون پر گانوں کی فرمائش "آج کوئی ایسا گیت گاؤ کہ ہمارے جذبات جاگ اٹھیں" ہے' جو ریکارڈ کی صورت میں ایک خفیہ ادارے کے پاس موجود ہے۔ حال ہی میں حکومت کی جبری برطرفی کے بعد پرائم منسٹر ہاؤس سے فوجی حکام نے سابق وزیر اعظم کے کمرے سے جو سامان برآمد کیا ہے ان سے بھی موصوف کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔

12 اکتوبر 1999ء کو نواز شریف حکومت کی برطرفی کے بعد پرائم منسٹر ہاؤس سے عیاشی کا جو سامان برآمد ہوا' اس میں سیکسی بیڈ (جس پر عیاشی اور رنگینی کے تمام لوازمات بالاہتمام موجود ہوتے ہیں)' ویاگرا گولیوں کا ایک بڑا سٹاک' بلیو پرنٹ ویڈیو کیسٹس اور غیر ملکی فحش رسائل شامل ہیں۔ روزنامہ جنگ کی ایک خاص رپورٹ جسے معروف صحافی کامران خان نے مرتب کیا ہے کے مطابق سابق وزیر اعظم نواز شریف نے پرائم منسٹر ہاؤس میں لطیفے اور گانے سنانے والے دوست ٹھہرا رکھے تھے جو نواز شریف کے لئے محافل سجاتے اور انہیں خوش رکھتے۔

قومی احتساب بیورو کے انتہائی مصدقہ ذرائع نے گزشتہ روز اس امر کی تصدیق کی ہے کہ معزول وزیر اعظم کے خلاف باتھ رومز کے لیے مساج اور مالش کی تربیت کے لیے سرکاری خرچ پر 4 حسین خواتین اور 5 مردوں کو فرانس بھجوانے کے کیس کی تحقیقات مکمل کر کے ان مرد و خواتین کے دفعہ 161 کے تحت بیان قلمبند کر لیے گئے ہیں اور آئندہ چند روز میں ایک تحقیقاتی ایجنسی مذکورہ افراد کے مجسٹریٹ کے سامنے بیانات قلمبند کروا کے "حمام ریفرنس" کے نام سے کیس عدالت بھیجے گی۔ معتبر ذرائع نے اے این این کو بتایا کہ لاہور سے تعلق رکھنے والے لکشمی چوک کی رہائشی (ط) نے احتساب بیورو کے اعلیٰ حکام کے سامنے رضاکارانہ سنسنی خیز انکشافات کیے اور اپنے باقی ساتھیوں کے نام بتاتے ہوئے کہا کہ مجھے ہر ہفتے خصوصی طور پر اسلام آباد بذریعہ جہاز لایا جاتا اور یہاں وزیر اعظم ہاؤس میں "خصوصی خدمات" سر

انجام دینے کے بعد واپس لاہور کے لیے روانہ کر دیا جاتا۔ (ط) نے بتایا کہ ان دو شیزاؤں اور مردوں نے 3 سے 6 ماہ کا عرصہ سرکاری خرچ پر بیرون ملک گزارا۔ نواز شریف کے شاہانہ انداز میں بنے ہوئے ان باتھ رومز میں خواتین کے مساج کے لیے بیڈن روڈ لاہور سے تعلق رکھنے والے 2 افراد کو خصوصی تربیت بھی دلوائی گئی۔ ذرائع نے بتایا کہ تحقیقاتی ادارے نے فرانس میں مساج کی تربیت کے لیے بھجوائی جانے والی 4 حسین و جمیل دوشیزاؤں کے بارے میں بھی تفصیلات جمع کی ہیں' جس سے ہوشربا داستانیں سامنے آئی ہیں۔ نواز شریف نے اس خصوصی باتھ روم کا نقشہ انٹروڈ موٹل پرائیویٹ لمیٹڈ گلبرگ لاہور سے خصوصی ہدایات کے ساتھ بنوایا تھا' جس میں 19 ملی میٹر کے شیشے اور 10 فٹ کے آئینے نصب کروائے گئے تھے۔ ذرائع کا کہنا ہے کہ نواز شریف نے 28 x 14 فٹ باتھ روم کے لیے قومی خزانہ سے لاکھوں ڈالرز کا سامان درآمد کیا' جس پر ابھی تک ڈیوٹی ادا کرنے سے متعلق کوئی کاغذات احتساب بیورو کو پیش نہ کیے جا سکے ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ باتھ روم کے نلکوں پر سونے کا پانی چڑھوایا جبکہ اتنی مالیت سے کسی غریب گھرانے کی بیٹی کی رخصتی کی جا سکتی تھی۔ اس باتھ روم میں گھومنے والا خصوصی رنگین ٹیلی ویژن اور گندی فلموں کے لیے وی سی آر بھی موجود ہے۔ موسم کے مطابق ٹھنڈا اور گرم رکھنے والے اس باتھ روم میں 2 آرام دہ کرسیاں' ایک کونے میں چکوری بکس' مساج کرانے کے لیے گول ایرانی رگ قالین' نہانے کے ٹب میں داخلے کے لیے صندل کی خوشبودار لکڑی کی سیڑھیاں' ایک باتھ روم میں 2 واش بیسن بلجیم سے درآمد کردہ شیشے کے شلف اور ورزش کرنے کا قیمتی سامان نصب کیا گیا۔ پاکستان کے عوام کے لیے اس سے بڑا المیہ اور کیا ہو گا کہ غریب غربت کے باعث ملک میں خود کشیاں اور خود سوزیاں کر رہے تھے اور وقت کا وزیر اعظم عظیم الشان باتھ روم میں گھنٹوں مساج اور ٹی وی دیکھنے میں مصروف رہتا۔ احتساب بیورو کے ذرائع نے مزید بتایا کہ (ط) نے یہ بھی انکشاف کیا کہ ایک سائل (نجمن زیب) جس وقت ماڈل ٹاؤن کی کھلی

کچہری میں انصاف نہ ملنے پر خودسوزی کر رہا تھا تو معزول وزیر اعظم نواز شریف اس وقت باتھ روم میں (ا) کے ہاتھوں مساج کروا رہے تھے۔ توقع ہے کہ آئندہ چند روز میں "حمام ریفرنس" کے نام سے یہ ریفرنس عدالت کو بھجوا دیا جائے گا۔

مزید برآں معزول نواز حکومت کے دور میں عرب شہزادوں کی "خدمت" کے لیے سرکاری سطح پر شراب و شباب فراہم کرنے کا انکشاف ہوا ہے۔ "معقول اداکارہ جانان ملک نے عرب شہزادوں کی تواضع کی۔ ذرائع کے مطابق سابقہ دور حکومت میں ایک عرب ریاست کے ولی عہد کے دورہ پاکستان کے ہمراہ جو وفد آیا تھا' اس کی رہائش کے لیے مقامی فائیو سٹار ہوٹل کے چالیس کمرے اور فلم انڈسٹری کی خوبصورت ترین "کلیوں" کو خصوصی طور پر حکومتی سطح پر بک کیا گیا تھا۔ ذرائع کے مطابق ماضی کی معروف اداکارہ سویٹی کی بیٹی اور اداکارہ جانان ملک کو ان مہمانوں کا دل بہلانے کے لیے بک کیا گیا تھا اور اس دوران جانان ملک نے ایک رات میں مہمانوں کا دل بہلانے کے لیے 8 لاکھ روپے کی رقم وصول کی تھی۔ ذرائع نے یہ بھی بتایا ہے کہ جانان ملک مذکورہ رات کو مقامی فائیو سٹار ہوٹل کے تقریباً 5 کمروں میں مہمان نوازی کے فرائض انجام دیتی رہی۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جانان ملک کے ہمراہ فلم انڈسٹری کی دیگر اداکاراؤں اور ماڈلز کو مہمانوں کی مہمان نوازی کے لیے بک کیا گیا تھا لیکن اداکارہ جانان ملک کو پڑھی لکھی ہونے اور روانی سے انگریزی بولنے کی وجہ سے زیادہ رقم سے نوازا گیا تھا۔

دلشاد بیگم اور نواز شریف کے سکینڈل پر ملکی میڈیا نے بہت کچھ چھاپا۔ جبکہ مسلم لیگ والے اسے سوچی سمجھی سازش قرار دیتے رہے۔ اسی دوران یہ باتیں بھی منظر عام پر آئیں جن میں دعویٰ کیا گیا۔ لاہور' اسلام آباد' مری اور بھوربن میاں نواز شریف کی "رنگین وارداتوں" کے گواہ ہیں۔ جبکہ ایک اخبار میں یہ اعلان بھی آیا کہ ہم ملک کے سینئر صحافیوں کی موجودگی اور بند کمرے میں نواز لیگ کے معززین کے اعزاز میں ایسی نمائش کر سکتے ہیں کہ ان کے چاروں طبق روشن ہو جائیں۔

طاہرہ سید اور دلشاد بیگم صرف دو خواتین ہی میاں نواز شریف کی منظور نظر نہیں رہیں بلکہ ان میں کئی اور پردہ نشینوں کے نام بھی آتے ہیں۔ ایک دور میں یہ بات بہت مشہور ہوئی کہ فلم انڈسٹری میں کسی بھی ہیروئن کی کامیابی کا راستہ ماڈل ٹاؤن سے ہو کر جاتا ہے۔ جبکہ ایک بار معروف کالم نگار ہارون رشید نے میاں نواز شریف کی ذاتی زندگی کے حوالے سے چند نکات اٹھائے تھے۔ جس سے ان کی ذاتی شرافت کے کئی نمونے سامنے آتے ہیں۔ انہوں نے سوال کیا کہ۔

○ کیا ہمیشہ کے وعدہ معاف گواہ حسین حقانی انھیں کے اور بیان کرنا پسند کریں گے کہ وزارت اعلیٰ کے دنوں میں نواز شریف ہر روز گھنٹے بھر کے لیے کہاں غائب ہو جایا کرتے تھے؟

○ کیا چودھری پرویز الٰہی خدا کو حاضر ناظر جان کر بتا سکتے ہیں کہ جب نواز شریف کی وزارت اعلیٰ کے خلاف سازش کے بعد وہ برطرف کر دیے گئے تو وہ اپنے دوستوں کو کون کون سی داستانیں سنایا کرتے تھے؟

○ کیا جامعہ پنجاب کا وہ ذمہ دار افسر گواہی دینے پر آمادہ ہے کہ اس نے صبح دم ماڈل ٹاؤن لاہور کے پارک میں کیا دیکھا تھا اور آخر کار اس پر کون کون سے اسرار کھلے تھے؟

○ کیا لاہور کے وہ پولیس افسر زندہ ہیں یا مر گئے جنہوں نے اچانک ایک رات پنجاب کے وزیر اعلیٰ کو ایک پراسرار مقام پر دیکھا اور ان پر وہ بات منکشف ہو گئی جسے چھپانے کے جتن کیے گئے تھے؟

○ کیا چودھری خادم بتانا پسند کریں گے کہ ایک دن ان پر اچانک غنڈے کیوں حملہ آور ہو گئے تھے؟

○ اور کیا جنرل حمید گل اس دعوے کی تردید کرتے ہیں کہ خفیہ ایجنسیوں کے ریکارڈ سے بعض ٹیپس (Tapes) محض اس لیے ضائع کر دی گئیں کہ نواز شریف کے اقتدار کا راستہ ہموار کیا جا سکے؟

یہ سوال آج بھی جواب طلب ہیں۔ اور اپنی جگہ اہمیت رکھتے ہیں کیا میاں



ماڈل ٹاؤن کی رہائش گاہ پر ایک مسلم لیگی خاتون رقص کرتے ہوئے
پس منظر میں بیگم کلثوم نواز شریف خوش ہو رہی ہیں

نواز شریف عوام کے کٹہرے میں از خود ان سوالوں کے جواب دینے کی جرات رکھتے ہیں؟

حرام کی کمائی ہو یا گناہ کا بیج اپنا اثر دکھا کر چھوڑتا ہے۔ سو نواز شریف کی سیاہ کاریاں ان سے آگے نسل میں بھی منتقل ہو چکی ہیں۔ 1997ء کے انتخابات کے دوران شریف برادران کے دونوں "ہونہار" فرزند حسین نواز اور حمزہ شہباز لاہور کے انٹرنیشنل ہوٹل کے کمرہ نمبر103 میں رنگ رلیاں منایا کرتے تھے۔ حسین نواز جہاں انتخابی مہم چلا رہے تھے وہاں ان کے ساتھی حسیناؤں کی تلاش میں بھی رہتے تھے۔ ایسی حسیناؤں میں کئی تو ضرورت مند دوشیزائیں تھیں۔ جو مالی مفادات کی خاطر ہوٹل انٹرنیشنل میں حمزہ شہباز اور حسین نواز کے ساتھ ملاقاتوں پر مجبور تھیں۔ لیکن دو لڑکیاں ان دونوں نوجوان "بچوں" کے دل میں رہ کرتی تھیں۔ جن میں ایک شو بزنس کی معروف کردار میڈم صدیقی کی صاحبزادی عارفہ صدیقی ہیں۔ جبکہ دوسری ارم حسن اس وقت ٹی۔وی ڈراموں میں بکثرت پائی جاتی ہے۔ ان دنوں یہ ہوٹل نواز شریف کے ایک ساتھی کی ملکیت تھا۔ جسے بعد میں کوآپریٹو سکینڈل میں دھر لیا گیا۔ وہ مدد کے لئے نواز شریف کے پاس گیا تو بڑے میاں حاجی محمد شریف نے اسے کہا "اعوان صاحب اسیں تہاڈی کوئی مدد نہیں کراں گے تسیں تے ساڈے منڈے وی ہوٹل وچ خراب کردتے" (اعوان صاحب ہم آپ کی کوئی مدد نہیں کریں گے آپ نے تو ہمارے بچے ہوٹل میں خراب کر دیے ہیں۔)

اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئی کھیت

حال ہی میں اداکارہ ریما نے نواز شریف کی حمایت میں بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ فوج نے نواز شریف کی حکومت کو برطرف کر کے اچھا اقدام نہیں کیا۔ فلم "قسمت" کے سیٹ پر صحافیوں سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملک میں جمہوری نظام چلنا بہت ضروری ہے اور نواز حکومت نے جو بھی اقدام کئے وہ سب ملک و قوم کی بھلائی کے لئے ہی کئے تھے۔ انہوں نے کہا شہباز شریف اور نواز شریف نے پاکستان کو ترقی کی راہ پر لگا دیا تھا لیکن جب پاکستان 21 ویں صدی میں شان و شوکت سے داخل ہونے والا تھا اسی وقت فوج نے مداخلت کر دی۔ ریما نے کہا کہ

میں یہ سب کچھ ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ نواز شریف اور شہباز شریف کو لوگ یاد کریں گے کیونکہ انہوں نے ہمیشہ ملک کی بھلائی کے لئے ہی سوچا اور اس کا صلہ انہیں یہ ملا کہ انہیں ناکردہ گناہوں کی سزا دی جا رہی ہے۔

~ قدم بڑھاؤ نواز شریف ہم تمہارے ساتھ ہیں

جناب! یہ ہیں میاں نواز شریف جنہیں خاص حلقوں میں جی۔ون اور بی۔ٹی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ جبکہ نواز شریف کے ٹی بٹ سے "تعلقات" بھی اب پوشیدہ نہیں رہے۔ حال ہی میں ایک اخبار نے ان "تعلقات" پر خصوصی اشاعت کا اہتمام کیا۔ جس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ جناب نواز شریف "موٹروے" کے ساتھ ساتھ "جی۔ٹی روڈ" پر سفر کرنے کے بھی عادی ہیں۔



میاں شہباز شریف

میاں شہباز شریف کو اچھے ایڈمنسٹریٹر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ذاتی زندگی میں بھی وہ اچھے منتظم ہیں۔ مصطفیٰ کھر کی طرح وہ سب کے نام منظر عام پر لانے کی بجائے چھپ کے شادی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے وہ کھر کی طرح اپنی شادیاں منظر عام پر نہیں لاتے۔ عوام یہ جانتے ہیں کہ ان کی صرف ایک شادی ہوئی ہے مگر حقائق اس سے یکسر مختلف ہیں۔ کیونکہ وہ تین شادیاں کر چکے ہیں۔ اس



شہباز شریف لاہور چیمبر کے استقبالیہ میں اداکارہ شاہدہ منی سابق وزیر اعلیٰ شہباز شریف کو خود انحصاری فنڈ کے لئے 10 ہزار روپے کا چیک دیتے ہوئے

کے علاوہ مزید خفیہ شادیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ میاں صاحب کی بیویوں کے ہاتھوں ڈسے ہوئے ایک پولیس افسر ذاتی دوستوں میں یہ قصہ یوں بیان کرتے ہیں۔

میں ڈیفنس میں تھا جب مجھے ڈی۔ آئی۔ جی کا فون آیا کہ فلاں نمبر کوٹھی پہنچ جاؤں۔ وہاں ڈکیتی کی واردات ہوئی ہے۔ میں وہاں چلا گیا۔ علاقہ کا ایس۔ ایچ۔ او پہلے سے وہاں موجود تھا۔ اندر گیا تو ایک خوبصورت خاتون موجود تھی جس کا نام عالیہ تھا۔ میں نے ان سے واردات کے متعلق پوچھا' وقوعہ دیکھا اور واپس دفتر آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے ڈی۔ آئی۔ جی صاحب کا پھر فون آیا کہ برآمدگی ہو گئی؟ میں نے حیرانگی سے کہا۔ سر برآمدگی کیسی ابھی تو صرف وقوعہ دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھے سخت سست کہا۔ میں نے اپنے ذرائع سے پتہ کیا۔ کہ اصل معاملہ کیا ہے تو معلوم ہوا کہ محترمہ میاں شہباز شریف کی دوسری بیوی ہیں۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں بے موت مارا گیا اور پھر وہی ہوا میرا تبادلہ ڈیرہ غازی خان کر دیا گیا۔ بلدیاتی انتخابات زوروں پر تھے۔ انتخابات کے بعد ضلع کونسل کے چیئرمین کا انتخاب ہونا تھا۔ کہ مجھے لاہور سے فون آیا کہ رفیق میراثی کو چیئرمین بنانے کا اوپر سے حکم آیا ہے۔ تم اس کے لئے حمایتی اکٹھے کرو۔ میں



وزارت سیاحت کی جانب سے عشائیہ کے موقع پر وحیدہ صدیقی رقص پیش کر رہی ہیں۔ سٹیج کے سامنے سابق وزیر اعلیٰ شہباز شریف اور سابق وفاقی وزیر شیخ رشید منصف بیٹھے ہیں

نے پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ رفیق میراثی کے پاس صرف ایک ووٹ ہے اور وہ بھی اس کا اپنا۔ جبکہ مخدوم خاندان جس کا تعلق مسلم لیگ سے ہی تھا کے پاس (40) ووٹ ہیں۔ میں پریشان ہو گیا کہ ایک کو چالیس اور چالیس کو ایک کیسے بناؤں۔ اسی دوران مجھے یہ خوفناک اطلاع ملی کہ دراصل رفیق میراثی کی ایک بہن جو بہت خوبصورت ہے۔ میاں شہباز شریف کے عقد میں ہے۔ یہ سنتا تھا کہ مجھے اپنی منزل سامنے نظر آنے لگی۔ میں نے اپنے اسسٹنٹ کو ساتھ لیا اور مخدوم صاحب کے پاس چلا گیا اور ماجرا انہیں کہہ سنایا۔ وہ غصہ سے پاگل ہو گئے۔ اور فوری طور پر میاں نواز شریف جو اس وقت وزیراعظم تھے انہیں فون کیا اور کہا کہ چھوٹے میاں کو کنٹرول کریں۔ وہ میراثیوں کو ہمارے اوپر لانا چاہتا ہے۔ پھر مجھے یہ حکم دیا گیا کہ میں واپس آ جاؤں۔ میں باہر نکلا تو دفتر کا ایک ملازم میرے تبادلہ کے احکامات لیکر آ چکا تھا۔

جناب! یہ ہیں چھوٹے میاں جنہیں خاص حلقوں میں جی نو اور سی ڈی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

گزشتہ سال بازار حسن سے مہمان اداکاروں کا قافلہ شہباز شریف کی لال سہانرا آمد پر مخدوم عالی کی نئی ایمبولینس گاڑیوں پر مجرے کیلئے گیا۔ ڈاکٹر فضل کریم نے طوائفوں کو سات سات ہزار جبکہ اداکاروں کو چھ چھ ہزار کے علاوہ سپیشل چادروں کے سیٹ اور سونے کے چار تولے کے تاج دیئے۔ ریما کو مجرے کے بعد کالے ہرنوں کا جوڑا مشتاق وڑائچ نے تحفہ میں دیا۔ تفصیلات کے مطابق بازار حسن کی بعض طوائفوں نے حاجی فضل کریم کی کمزوری پکڑ لی اور جلد تیم میں بطور انچارج ہسپتالوں اور ڈسٹرکٹ ہیلتھ آفیسر تعیناتی کے دوران اسکی حیرت انگیز عیاش پرستیوں کا انکشاف کرتے ہوئے کہا کہ سابقہ دور حکومت میں شہباز شریف کی بطور وزیر اعلیٰ بلوچستان لال سہانرا آمد کے وقت ایک مرتبہ مہمان اداکاروں کی شرکت کیلئے جب فوری طور پر گاڑیاں دستیاب نہ ہو سکیں تو مشتاق وڑائچ نے حاجی فضل کریم سے رابطہ کیا اور فوری طور پر بازار حسن میں مہمان طوائفوں کو نئی ایمبولینس گاڑیوں کے ذریعے نیشنل پارک کے ریسٹ ہاؤس پر پہنچانے کا پیغام دے کر خود مہمان اداکارہ ریما اور مدیحہ شاہ

کو لے کر گوکل کے پتن سے لال سانرا روانہ ہو گئے جہاں میاں شہباز شریف انتظار کر رہے تھے۔ صرف ایک گھنٹے کے مجرے کے بعد وی آئی پی شخصیات جب آرام کیلئے روانہ ہو گئیں تو فضل کریم اینڈ کمپنی دوسری جگہ محفل جما کر رات بھر رقص و سرود کی محفل کی مزے لوٹتے رہے۔ صبح ہوتے ہی فضل کریم نے مروز پکا کی طوائفوں کو سات ہزار فی کس جبکہ اداکاروں کو چھ چھ ہزار ریالٹ کے گھڑے، چار تولے پر مشتمل سونے کے تاج موقع پر انعام کے طور پر دیے جبکہ ریما کو مجرے کے بعد کالے ہرنوں کا جوڑا مشتاق وڈ' نے پیش کیا۔ بعد ازاں مشتاق وڈ کے اصرار پر ریشما اور مدیحہ شاہ کو مشتاق وڈ، فضل کریم اور ان کے پانچ دیگر ساتھیوں نے معروف اداکاراؤں کو تین دن کیلئے مہمان بنا لیا اور صحرائی علاقے کی سیر کرواتے رہے۔

ذرائع کے مطابق ریما نے پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ سے "پہلی ملاقات" کے بعد تحفے میں 70 زینت بلاک والی کوٹھی لی تھی۔ سابق وزیر اعلیٰ کی ریما سے ملاقات ایک فلمساز نے کرائی تھی جو اب تک دو فلمیں بنا چکا ہے۔ اس بات کا گواہ ایک اور فلمساز بھی ہے جس کی ایک فلم بن رہی ہے۔ یاد رہے کہ اداکارہ ریما اپنی فیملی کے ہمراہ ان دنوں ماڈل ٹاؤن این بلاک کے ایک عالی شان بنگلے میں رہ رہی ہے۔

شہباز شریف کے بارے میں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے چوتھی شادی بھی کر رکھی تھی۔ ان کی چوتھی بیوی سابق ایم۔ڈی۔پی۔ٹی۔وی شاہد رفیع کی مطلقہ ہیں۔ ذرائع نے بتایا کہ سابق ایم۔ڈی پی۔ٹی۔وی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی اہلیہ جو "نیلو" کے نام سے جانی جاتی ہے کے تعلقات میاں شہباز شریف سے بہت بڑھ چکے ہیں تو انہوں نے اپنے دوستوں کے سمجھانے کے باوجود غیرت میں آکر اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی۔

سردار فیض محمد خان کھوسہ کی صاحبزادی اور سابق ایم۔ڈی پی۔ٹی۔وی شاہد رفیع کی سابقہ بیوی نیلوفر کھوسہ نے کہا کہ جس وقت نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب تھے اس وقت شہباز شریف سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ نیلوفر کھوسہ نے کہا میرا تعلق

ایک تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے۔ میرے بھائی طارق کھوسہ، آصف کھوسہ اور ناصر کھوسہ اہم عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ شہباز شریف سے میرے تعلقات شاہد رفیع سے طلاق کی وجہ سے نہیں بنے۔ انہوں نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ شاہد رفیع گھر میں غلط خواتین لے کر آتے تھے جبکہ یہ گھر میرے والدین نے مجھے تحفہ میں دیا۔ میری بیٹی بڑی ہو رہی تھی۔ لہٰذا میں شاہد کو ایسے کاموں سے روکتی تھی۔ یہ بات ہی طلاق کی وجہ بنی۔ نیلوفر نے کہا کہ نکاح کرنا کوئی بری بات نہیں۔ نہ کوئی گناہ ہے لیکن شہباز شریف سے میرے نکاح کے بارے میں کوئی حقیقت نہیں۔ میں اپنی ایک بچی اور دو بیٹوں کی پرورش میں مصروف ہوں۔ نیلوفر کھوسہ کی تمام گفتگو کے برعکس نیلوفر کے قریبی ذرائع کا دعویٰ ہے کہ نیلوفر کھوسہ کی طلاق کی وجہ ان کے شہباز شریف سے تعلقات تھے۔ کھوسہ خاندان کے بزرگوں کو جب ان تعلقات کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے نیلوفر سے پوچھا کیا اس نے شہباز شریف سے نکاح کر لیا ہے جس پر نیلوفر نے اس کی تردید کی اور بتایا کہ وہ شہباز شریف کے ساتھ انٹرنیشنل فلائٹ پر گئی تھی۔ ذرائع کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ نیلوفر کا شہباز شریف سے نکاح ہو چکا ہے۔

معزول وزیر اعلیٰ شہباز شریف کی دوسری بیوی عالیہ احمد عرف ہنی کے قریبی خاندانی ذرائع کے مطابق عالیہ شہباز شریف کی قانونی بیوی ہے اور ان کا نکاح نامہ موجود ہے۔ خاندانی ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ خفیہ نکاح لندن میں ہوا اور عالیہ ہنی کی خواہش پر تقریباً تین سال کے بعد بیٹی خدیجہ شہباز پیدا ہوئی۔ عالیہ احمد لاہور ڈیفنس کے ایلیو بلاک میں رہائش پذیر ہے۔ یہ گھر سابق وزیر اعلیٰ شہباز شریف نے نکاح کے بعد اسے لے کر دیا۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ عالیہ احمد ہنی شریف خاندان سے قانونی جنگ کے لئے تیار ہے۔ اس ضمن میں شہباز شریف کی دوسری بیوی عالیہ ہنی نے شہباز شریف کی پہلی بیوی نصرت شہباز کے تمام الزامات مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر نصرت شہباز کو یقین نہیں ہے تو وہ میرے گھر آئیں اور میں شہباز شریف کے ساتھ ہونے والے نکاح کی تمام دستاویزات دکھانے کے لئے تیار ہوں۔ نکاح نامے کے علاوہ اور بڑا ثبوت یہ ہے کہ میری بیٹی کی شکل شہباز شریف سے

کولے کرو گوکل کے پتن سے لال سانزا روانہ ہو گئے جہاں میاں شہباز شریف انتظار کر رہے تھے۔ صرف ایک گھنٹے کے مجرے کے بعد وی آئی پی شخصیات جب آرام کیلئے روانہ ہو گئیں تو فضل کریم اینڈ کمپنی دوسری جگہ محفل جما کر رات بھر رقص و سرود کی محفل کی مزے لوٹتے رہے۔ صبح ہوتے ہی فضل کریم نے مروز پکی طوائفوں کو سات ہزار فی کس جبکہ اداکاروں کو چھ چھ ہزار ریالٹ کے گھے' چار تولے پر مشتمل سونے کے تاج موقع پر انعام کے طور پر دیے جبکہ ریما کو مجرے کے بعد کالے ہرنوں کا جوڑا مشتاق وڈ' نے پیش کیا۔ بعد ازاں مشتاق وڈ کے اصرار پر رشا اور مدیحہ شاہ کو مشتاق وڈ' فضل کریم اور ان کے پانچ دیگر ساتھیوں نے معروف اداکاراؤں کو تین دن کیلئے مہمان بنا لیا اور صحرائی علاقے کی سیر کرواتے رہے۔

ذرائع کے مطابق ریما نے پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ سے "پہلی ملاقات" کے بعد تحفے میں 70 زینت بلاک والی کوٹھی لی تھی۔ سابق وزیر اعلیٰ کی ریما سے ملاقات ایک فلمساز نے کرائی تھی جو اب تک دو فلمیں بنا چکا ہے۔ اس بات کا گواہ ایک اور فلمساز بھی ہے جس کی ایک فلم بن رہی ہے۔ یاد رہے کہ اداکارہ ریما اپنی فیملی کے ہمراہ ان دنوں ماڈل ٹاؤن این بلاک کے ایک عالی شان بنگلے میں رہ رہی ہے۔

شہباز شریف کے بارے میں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے چوتھی شادی بھی کر رکھی تھی۔ ان کی چوتھی بیوی سابق ایم۔ڈی۔پی۔ٹی۔وی شاہد رفیع کی مطلقہ ہیں۔ ذرائع نے بتایا کہ سابق ایم۔ڈی پی۔ٹی۔وی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کی اہلیہ جو "نیلو" کے نام سے جانی جاتی ہے کے تعلقات میاں شہباز شریف سے بہت بڑھ چکے ہیں تو انہوں نے اپنے دوستوں کے سمجھانے کے باوجود غیرت میں آکر اپنی اہلیہ کو طلاق دے دی۔

سردار فیض محمد خان کھوسہ کی صاحبزادی اور سابق ایم۔ڈی پی۔ٹی۔وی شاہد رفیع کی سابقہ بیوی نیلوفر کھوسہ نے کہا کہ جس وقت نواز شریف وزیر اعلیٰ پنجاب تھے اس وقت شہباز شریف سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ نیلوفر کھوسہ نے کہا میرا تعلق

ایک تعلیم یافتہ گھرانے سے ہے۔ میرے بھائی طارق کھوسہ' آصف کھوسہ اور ناصر کھوسہ اہم عہدوں پر کام کر رہے ہیں۔ شہباز شریف سے میرے تعلقات شاہد رفیع سے طلاق کی وجہ سے نہیں ہے۔ انہوں نے الزام لگاتے ہوئے کہا کہ شاہد رفیع گھر میں غلط خواتین لے کر آتے تھے جبکہ یہ گھر میرے والدین نے مجھے تحفہ میں دیا۔ میری بیٹی بڑی ہو رہی تھی۔ لہٰذا میں شاہد کو ایسے کاموں سے روکتی تھی۔ یہ بات ہی طلاق کی وجہ بنی۔ نیلوفر نے کہا کہ نکاح کرنا کوئی بری بات نہیں۔ نہ کوئی گناہ ہے لیکن شہباز شریف سے میرے نکاح کے بارے میں کوئی حقیقت نہیں۔ میں اپنی ایک بیٹی اور دو بیٹوں کی پرورش میں مصروف ہوں۔ نیلوفر کھوسہ کی تمام گفتگو کے برعکس نیلوفر کے قریبی ذرائع کا دعویٰ ہے کہ نیلوفر کھوسہ کی طلاق کی وجہ ان کے شہباز شریف سے تعلقات تھے۔ کھوسہ خاندان کے بزرگوں کو جب ان تعلقات کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے نیلوفر سے پوچھا کیا اس نے شہباز شریف سے نکاح کر لیا ہے جس پر نیلوفر نے اس کی تردید کی اور بتایا کہ وہ شہباز شریف کے ساتھ انٹرنیشنل فلائٹ پر گئی تھی۔ ذرائع کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ نیلوفر کا شہباز شریف سے نکاح ہو چکا ہے۔

معزول وزیر اعلیٰ شہباز شریف کی دوسری بیوی عالیہ احمد عرف ہنی کے قریبی خاندانی ذرائع کے مطابق عالیہ شہباز شریف کی قانونی بیوی ہے اور ان کا نکاح نامہ موجود ہے۔ خاندانی ذرائع نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ خفیہ نکاح لندن میں ہوا اور عالیہ ہنی کی خواہش پر تقریباً تین سال کے بعد بیٹی خدیجہ شہباز پیدا ہوئی۔ عالیہ احمد لاہور ڈیفنس کے ایلیو بلاک میں رہائش پذیر ہے۔ یہ گھر سابق وزیر اعلیٰ شہباز شریف نے نکاح کے بعد اسے لے کر دیا۔ ذرائع کا دعویٰ ہے کہ عالیہ احمد ہنی شریف خاندان سے قانونی جنگ کے لئے تیار ہے۔ اس ضمن میں شہباز شریف کی دوسری بیوی عالیہ ہنی نے شہباز شریف کی پہلی بیوی نصرت شہباز کے تمام الزامات مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر نصرت شہباز کو یقین نہیں ہے تو وہ میرے گھر آئیں اور میں شہباز شریف کے ساتھ ہونے والے نکاح کی تمام دستاویزات دکھانے کے لئے تیار ہوں۔ نکاح نامے کے علاوہ اور بڑا ثبوت یہ ہے کہ میری بیٹی کی شکل شہباز شریف سے

عمل طور پر ملتی ہے۔

بعض حلقے میاں صاحب پر یہ الزام بھی لگاتے ہیں کہ کیولری گراؤنڈ پر خطیر رقم سے تعمیر کئے جانے والے پل اور سڑک کی تعمیر دوسری بیگم عالیہ ہی کی خواہش پہ ہوئی۔ لیکن ہم اس کو صرف الزام ہی تصور کرتے ہیں کیونکہ اگر عوام الناس کو اس سے فائدہ پہنچا ہے تو بیگم صاحبہ کی یہ خواہش ہمارے لئے باعث رحمت بنی ہے نہ کہ باعث زحمت۔

خفیہ شادی پر وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ

وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس میاں محبوب احمد' جسٹس فدا احمد اور جسٹس اعجاز یوسف پر مشتمل تین رکنی فل بنچ نے عائلی قوانین میں طلاق' دوسری شادی اور وراثت سے متعلق دائر کی جانے والی 37 مختلف درخواستوں پر بدھ کے روز اپنا مختصر فیصلہ جاری کیا۔ ایک سو سے زائد صفحات پر مشتمل تفصیلی فیصلہ بعد میں جاری کیا جائے گا وفاقی شرعی عدالت نے قرار دیا ہے کہ خفیہ نکاح غیر اسلامی ہے اور نکاح کی رجسٹریشن نہ کروانے والوں کی پہلے سے موجود سزا میں دوگنا اضافہ کر دیا ہے۔ اب یہ سزا تین ماہ سے بڑھ کر چھ ماہ کر دینے کے لئے قانون میں ترمیم کرنے کا حکم جاری کیا ہے۔ عدالت نے اپنے فیصلہ میں قرار دیا ہے کہ اسلام میں خفیہ شادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ نکاح کی رجسٹریشن لازمی کرانا قرار دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں وفاقی شرعی عدالت نے لاہور ہائی کورٹ کے ایک فیصلہ کا بھی حوالہ دیا جس میں خفیہ شادی کو خلاف اسلام قرار دیا گیا ہے۔ شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ میں شوہر کی جانب سے بیوی کی اجازت کے بغیر دوسری شادی کرنے پر قرار دیا ہے کہ بیوی کے والدین اور خود بیوی بھی اس شوہر سے نان نفقہ کے لئے دعویٰ کر سکتے ہیں۔

علماء کرام کا رد عمل

جمعیت علماء اسلام کے مرکزی کونسل کے اراکین مولانا عبدالمالک' حاجی احسان الحق' حاجی محمد ایوب ممند' مولانا محمد امین اور صوبائی جنرل کونسل کے رہنماؤں مولانا عبداللطیف اور مولانا عبدالسلام نے وفاقی شرعی عدالت کے تاریخی فیصلے پر تبصرہ

کرتے ہوئے کہا ہے کہ خفیہ نکاح حرام ہے تو پھر اعظم ہوتی' شیخ رشید' چوہدری نثار' پیر صابر شاہ اور شہباز شریف کی خفیہ شادیوں کو منظر عام پر لایا جائے اور نکاح تجدید کرایا جائے۔ جمعیت کے رہنماؤں نے یہ بھی کہا کہ متاثرہ خواتین کو اسلامی حقوق کے مطابق ان کا نان و نفقہ دیا جائے اور مذکورہ بالا افراد کو وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے مطابق حسب جرم سزا دی جائے۔

یہ تیری رعونت کی سزا ہے کہ نہیں ہے



عمران خان

کرکٹ سے سیاست تک 'عمران خان نے شہرت کی بلندیوں کو چھوا ہے۔ "پلے بوائے" کی شہرت کے حامل عمران خان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ شادی کے بعد وہ پارسا ہو چکا ہے۔ اور کچھ ڈھلتی عمر نے بھی اپنا کام دکھایا ہے۔ مگر مجھے خود تحریک انصاف میں کافی عرصہ تک ایک کلیدی عہدے پر فائز شخصیت نے بتایا کہ ہم نے عمران خان کا نام "پانچ منٹی" رکھا ہوا تھا۔ اس نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ تحریک انصاف میں بیشتر عہدیدار خواتین صرف اس کے لمس کی خاطر آئی ہوئی ہیں۔ جبکہ کچھ ایسی خواتین بھی ہیں جو عمران خان کی پرسنالٹی کو کیش کرواتے ہوئے نوجوان لڑکیوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کر رہی ہیں۔ بہرحال عمران خان کے بارے میں میڈیا میں اتنا کچھ شائع ہو چکا ہے۔ کہ شاید ہی کسی پاکستانی کے سکینڈلز کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہو۔ اس لئے یہاں پر ہر واقعہ کی تفصیل میں جانے کی بجائے چیدہ چیدہ واقعات کا حوالہ دیا جا رہا ہے کیونکہ ہمارا مقصد جنسی لطف لینا نہیں بلکہ حقائق کو ایک جگہ یکجا کرنا ہے۔

80 کی دھائی میں جب عمران خان نے پاکستانی کرکٹ کے ہمراہ انڈیا کا دورہ کیا۔ ایک طرف تو انڈین کرکٹ کے کھلاڑی اس کی تیز باؤلنگ سے خوفزدہ رہے تو دوسری جانب انڈین فلم انڈسٹری کی خوبصورت ہیروئنوں کے دل کی دھڑکن عمران خان بن گیا۔ اس سکینڈل میں زینت امان کا نام پاکستانی اور انڈین پریس نے نمایاں طور پر شائع کیا۔ اس دورے میں عمران خان کا پٹھا تیز باؤلنگ سے چڑھ گیا جب کہ اس تکلیف کو سکینڈل میں تبدیل کر دیا گیا اور یہاں تک اخبارات نے شائع کر دیا کہ

عمران نے زینت امان سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ بعد میں یہ صرف سکینڈل کی صورت بن کر رہ گیا۔ اس کے بعد انڈیا کی ایک اور مشہور ایکٹریس ریکھا کے بارے میں بھی اخبارات میں دونوں کا رومانس اور سکینڈل شائع ہوا۔ عمران کی سکینڈل لائف میں ایشیائی خواتین اتنی تعداد میں نہیں جتنی غیر ملکی لڑکیوں کے بارے میں اس کے سکینڈل بنے۔ شاید اس کی وجہ صرف یہی ہو سکتی ہے کہ اس کی عمر کا زیادہ تر حصہ یورپ اور مغربی ممالک میں گزرا ہے۔ "مغربی ممالک کی حسین ترین لڑکیاں جو عمران خان کی محبت میں گرفتار ہوئیں اور بعد میں سکینڈل بن کر رہ گئیں۔ ان میں میری ہل وان' ریکا سارجنٹ' لیڈی لیزا کیمپ بل' سیلو گولڈ سمتھ' ٹیکن جیم لیلو' بلیکر' کورولائن کیٹ اور نیویارک کی قانون کی طالبہ۔ شیرون سلور نمایاں ہیں جس نے عمران کو کنگ خان کا نام دیا۔ شیرون سلور نے نیچرل ہسٹری میوزیم میں کینسر ہسپتال کی تعمیر میں امداد کرنے کے لئے فنڈ کا اہتمام بھی کیا تھا اس میں ڈوچس آف یارک کی آئی وینڈ میپ' پامیلا سٹیفن سن اور جیری ہال کے نام بھی شامل ہیں۔

ہانگ کانگ سے ٹیلی کاسٹ ہونے والی نشریات ایم۔ٹی۔وی کی ایک اناؤنسر نے 93ء میں اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ اس کے تعلقات عمران خان سے ہیں اور وہ جلد شادی کرنے والے ہیں۔ ٹی۔وی کی اس اناؤنسر یار برانے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ ہر صورت میں عمران خان سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ اس نے اپنے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ عمران خان زبردست وطن پرست انسان ہیں اسے بات بات پر پاکستان نظر آتا ہے۔ یہ ایک اچھی بات ہے لیکن اسے ہم بھی نظر آنا چاہئیں۔

اسی ضمن میں آسٹریلیا کی متعدد خواتین کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو عمران خان سے شادی کرنے کی خواہش مند تھیں بلکہ وہ تو اس کی خاطر پاکستان آنے کو بھی تیار تھیں لیکن عمران خان نے ان کے بارے میں اپنے بننے والے سکینڈلز سے انکار کیا۔ آسٹریلین خاتون لو تھی ہیریمن نے برملا عمران خان کے بارے میں اپنی محبت کا اعتراف کیا۔

1994ء کے آخری مہینے میں اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ کرکٹر عمران خان

ایک جرمن دوشیزہ کرسٹائن بیکر کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔ ایک مقامی ہفت روزہ نے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا کر عمران خان گزشتہ سال اپنے دوست رولنگ سٹون کی پچاسویں سالگرہ کی تقریب میں شرکت کے لئے جرمنی گئے تو وہاں پر ان کی ملاقات کرسٹائن بیکر سے ہوئی۔ کرسٹائن بیکر نے پاکستان کے کئی دورے کئے اور ان کے جواب میں عمران خان بھی اس سے ملاقات کرنے کے لئے جرمنی گئے۔ اسی سال جنوبی افریقہ کے دارالحکومت جوہنسبرگ میں منعقد مقابلہ حسن میں بھارتی نژاد حسینہ ایشوریا رائے نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں عمران خان کی پجارن ہوں اور کینسر ہسپتال کے لئے چندہ اکٹھا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

کرکٹ کی دنیا کے کئی کھلاڑی اس بات کے گواہ ہیں کہ کئی بھارتی اداکارائیں شارجہ میں عمران خان کے ساتھ راتیں گزارا کرتی تھیں۔ جن میں حسینہ عالم ایشوریا رائے اور بھارت کی صف اول کی اداکاراؤں میں پوجا بھٹ، سری دیوی بھی شامل تھیں۔ کئی حسینائیں "جیون ساتھی" بننے کی خواہشات کے تابع عمران خان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کرتی رہیں۔

عمران خان بھارتی حسینہ ایشوریا رائے میں اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ انہوں نے اسے "مقابلہ حسن" میں شرکت کرنے سے روکا۔ ایشوریا رائے عمران خان کی حقیقت جان چکی تھی۔ اس لئے وہ مقابلہ حسن میں گئی اور کامیاب ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی رگ پھرپھڑی اور اس نے عمران خان کو پیش کش کی کہ وہ اس کی تمام رقوم کے لالچ کے ٹارگٹ پورے کر سکتی ہے۔ لیکن وہ ایسا صرف عمران کے ساتھ شادی کی صورت میں کرے گی۔ عمران خان نے اس کی پیش کش کو قبول کیا۔ لیکن شادی کے معاملہ میں گومگو کی کیفیت اس لئے برقرار رکھی کہ اس طرح عمران خان کی "مارکیٹ ویلیو" متاثر ہوتی تھی۔

اسی طرح پاکستان فلم انڈسٹری کی معروف اداکارہ ریشم اور بابرہ شریف پر عمران خان کے ساتھ تنہائی کے دوران ملاقات میں جو بیتی اس کی گواہی پوری فلم انڈسٹری دے سکتی ہے۔ گلوکارہ ناہید اختر شادی کرکے گلوکاری کو خدا حافظ کہہ چکی



عمران خان حسینوں کے جھرمٹ میں

ہے۔ اس کا نام بھی عمران خان کے نام لیواؤں میں ایک عرصے تک لیا جاتا رہا۔

ایک کردار بھارت کی نامور فلمی اداکارہ "ریکھا" ہیں۔ ریکھا کے ساتھ عمران کے دوستانہ مراسم کے قصے دونوں نامور ہستیوں کے کیریئر کا حصہ ہیں۔ سانولی رنگت اور تیکھے نقوش والی بھارت کی سدابہار ہیروئن ریکھا نے اس ضمن میں کئی

ایک جرمن دوشیزہ کرسٹائن بیکر کے ساتھ شادی کرنے کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔ ایک مقامی ہفت روزہ نے اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے لکھا کہ عمران خان گزشتہ سال اپنے دوست رولنگ سٹون کی پچاسویں سالگرہ کی تقریب میں شرکت کے لئے جرمنی گئے تو وہاں پر ان کی ملاقات کرسٹائن بیکر سے ہوئی۔ کرسٹائن بیکر نے پاکستان کے کئی دورے کئے اور ان کے جواب میں عمران خان بھی اس سے ملاقات کرنے کے لئے جرمنی گئے۔ اسی سال جنوبی افریقہ کے دارالحکومت جوہانسبرگ میں منعقد مقابلہ حسن میں بھارتی نژاد حسینہ ایشوریا رائے نے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ میں عمران خان کی پجارن ہوں اور کینسر ہسپتال کے لئے چندہ اکٹھا کرنے کے لئے تیار ہوں۔

کرکٹ کی دنیا کے کئی کھلاڑی اس بات کے گواہ ہیں کہ کئی بھارتی اداکارائیں شارجہ میں عمران خان کے ساتھ راتیں گزارا کرتی تھیں۔ جن میں حسینہ عالم ایشوریا رائے اور بھارت کی صف اول کی اداکاراؤں میں پوجا بھٹ، سری دیوی بھی شامل تھیں۔ کئی حسینائیں "جیون ساتھی" بننے کی خواہشات کے تابع عمران خان کی جنسی خواہشات کی تکمیل کرتی رہیں۔

عمران خان بھارتی حسینہ ایشوریا رائے میں اس قدر دلچسپی رکھتے ہیں کہ انہوں نے اسے "مقابلہ حسن" میں شرکت کرنے سے روکا۔ ایشوریا رائے عمران خان کی حقیقت جان چکی تھی۔ اس لئے وہ مقابلہ حسن میں گئی اور کامیاب ہو گئی۔ اس کے بعد اس کی رگ پھر پھڑکی اور اس نے عمران خان کو پیش کش کی کہ وہ اس کی تمام رقوم کے لالچ کے ٹارگٹ پورے کر سکتی ہے۔ لیکن وہ ایسا صرف عمران کے ساتھ شادی کی صورت میں کرے گی۔ عمران خان نے اس کی پیش کش کو قبول کیا۔ لیکن شادی کے معاملہ میں گومگو کی کیفیت اس لئے برقرار رکھی کہ اس طرح عمران خان کی "مارکیٹ ویلیو" متاثر ہوتی تھی۔

اسی طرح پاکستان فلم انڈسٹری کی معروف اداکارہ ریشم اور بابرہ شریف پر عمران خان کے ساتھ تنہائی کے دوران ملاقات میں جو بیتی اس کی گواہی پوری فلم انڈسٹری دے سکتی ہے۔ گلوکارہ ناہید اختر شادی کرکے گلوکاری کو خدا حافظ کہہ چکی



عمران خان حسینوں کے جھرمٹ میں

ہے۔ اس کا نام بھی عمران خان کے نام لیواؤں میں ایک عرصے تک لیا جاتا رہا۔

ایک کردار بھارت کی نامور فلمی اداکارہ "ریکھا" ہیں۔ ریکھا کے ساتھ عمران کے دوستانہ مراسم کے قصے دونوں نامور ہستیوں کے کیریئرز کا حصہ ہیں۔ سانولی رنگت اور تیکھے نقوش والی بھارت کی سدابہار ہیروئن ریکھا نے اس ضمن میں کسی

ہچکچاہٹ کے بغیر کھلے لفظوں میں یہ اعتراف کیا ہے کہ اس کے اور عمران خان کے درمیان دوستانہ تعلقات ہیں۔ ریکھا کی یہ اخلاقی جرأت خواہ ہندو یا پاکستانی معاشرہ میں پسندیدگی کی مظہر ہو۔ لیکن ریکھا کی اس بیباکی کی ماضی میں کوئی مثال سامنے نہیں آئی۔ ریکھا نے دوستی کے اس حق کو ادا کرتے ہوئے لاہور کے ایک ایسے شو میں بھی شرکت کی جو کینسر ہسپتال کے لئے رقم اکٹھی کرنے کی غرض سے عمران خان نے منعقد کیا تھا۔ ریکھا نے اس شو میں اپنے فن کا مظاہرہ بھی کیا جس کی وجہ سے عمران خان کو اپنے مشن کی کامیابی کے لئے خاصی خطیر رقم مل گئی اور اس عرصہ کے لئے ریکھا کی قربت بھی۔

عمران خان کے حوالے سے ارجنٹائن کی ایک خوبرو دوشیزہ "لوسی" نے بھی خصوصی شہرت حاصل کی اندرون وبیرون ملک یہ بات عام ہو گئی کہ عمران خان لوسی کو بیوی بنا رہے ہیں۔ لیکن وہ بیوی بننے کے حق سے محروم رہی۔ اور اس کا حسن اور مال و دولت بھی اسے خان کے دل کی رانی نہ بنا سکے۔ اسی طرح لندن کی ایک گوری "جین" کے بارے میں بھی کہا جاتا تھا کہ ان دونوں کے تعلق کوئی نہ کوئی شکل ضرور اختیار کر لیں گے۔ جین کا باپ ایک بین الاقوامی تاجر ہے اور صنعت کاروں کی صف اول میں شمار ہوتا ہے۔ تعلقات کے دوران عمران خان اور جین کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے نزدیک دونوں کے تعلقات دیرپا ہوں گے۔ جین بھی کینسر سے نفرت کرتی ہے اور میڈیکل کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد "کینسر" پر ریسرچ کر رہی ہے۔ جین کے بارے میں جب افواہیں سامنے آئیں تو عمران خان نے حسب دستور اس کی تردید کی مگر جین کے دورہ پاکستان نے "سچ" کا بول بالا کر دیا۔ وہ کئی روز تک عمران خان کی مہمان رہی۔ اور یوسف صلاح الدین نے ان کے اعزاز میں ایک شاندار دعوت کا بھی اہتمام کیا۔ مگر یہ عشق بھی منزل تک نہ پہنچ سکا۔

عمران خان اور سوزانا کانسٹائن جب لندن کے ایک نائٹ کلب میں ساتھ ساتھ نظر آنے لگے تو برطانوی اخبارات نے اس کو سکینڈل کا نام دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ وہ عنقریب اس دوشیزہ سے شادی کرنے والے ہیں۔ عمران خان کے

بارے میں ایسی خواتین کے بھی سکینڈل بنے جن کو وہ جانتے تک بھی نہیں۔ ان میں سوزینہ نامی برطانوی دوشیزہ بھی شامل ہے جس نے برملا عمران خان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کر کے شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔

انہی دنوں عمران خان کے بارے میں برطانوی اخبارات نے قیاس آرائیاں شروع کر دیں کہ عمران خان یقیناً اشاو ہاٹ' ریما سارجنٹ 'لیزا ان تینوں میں سے کسی ایک سے ضرور شادی کر لیں گے اور اگر ان کی شادی کسی بھی برطانوی حسینہ سے ہو گئی پھر وہ عملی طور پر سیاست میں حصہ نہیں لے سکیں گے لیکن بعد میں یہ رومانس بھی سکینڈل کی صورت بن کر ختم ہو گیا۔ عمران خان کی جب شیرون سلور سے دوستی کا چرچا ہوا تو اس کے بارے میں برطانوی پریس نے لکھا کہ 1970ء میں جب عمران خان نے انگلینڈ کا دورہ کیا تو ان کی والدہ نے نصیحت کی تھی کہ وہ کسی غیر ملکی سے شادی ہرگز نہ کریں۔ شروع میں عمران خان پر اس نصیحت کا بہت اثر ہوا اور انہوں نے عالمی مصورہ ریما سارجنٹ کی محبت کو ٹھکرا دیا اور اپنے ایک بیان میں کہا تھا کہ وہ جب بھی شادی کریں گے مسلمان اور ملکی لڑکی سے کریں گے لیکن ان کی یہ بات آج 25 سال کے بعد غلط ثابت ہو گئی۔

برطانوی اخبار ڈیلی میل نے اداکارہ جیتا فاسیو کے بارے میں بھی لکھا کہ وہ عمران خان کی محبت میں گرفتار ہونے کے بعد اس سے شادی کرنے کی خواہش مند ہے۔ اسی طرح 90ء کی دہائی میں عمران خان کے بارے میں ایک خبر شائع ہوئی کہ عمران خان نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ عنقریب جرمن خاتون جو پیشے کے لحاظ سے اناؤنسر ہیں شادی کرنے والے ہیں۔ عمران خان کے اس فیصلے کی خبر جب ان کے گھر زمان پارک پہنچی تو وہاں پر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ ان کی بہنوں کے خواب ادھورے رہ گئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عمران خان کے والد نے اس کی شادی بیوہ کزن کے ساتھ کرانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

یہاں اگر سیتا وائیٹ کا ذکر نہ کیا جائے۔ تو پڑھنے والوں پر یقیناً زیادتی ہو گی۔ کیونکہ یہ وہ خاتون ہیں جس نے عمران خان کو سب سے زیادہ "ڈسٹرب" کیا۔ حتیٰ کہ سیاسی و عوامی حلقے سیاست میں اگلی ناکامی کا ذمہ دار بھی سیتا وائیٹ کو ہی ٹھہراتے ہیں

جس نے میں انتخابات کے دوران عدالت میں عمران خان کو گھسیٹ لیا تھا کہ وہ اپنی ناجائز بیٹی ٹیری کو اپنی بیٹی تسلیم کرے۔

برطانوی اخبار ڈیلی ایکسپریس نے برطانوی لارڈ وائٹ کی بیٹی سیتا کے حوالے سے ایک سنسنی خیز رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ سیتا نے ایک لڑکی کو جنم دیا ہے۔ برطانوی صحافی راس بینن نے اس بچے کو عمران خان سے منسوب کر دیا۔ اس واقعہ نے عمران خان کی پیشہ ورانہ زندگی پر نہایت ہی بدترین اثر ڈالے۔

لاس اینجلس سے شائع ہونے والے اخبار "پاکستان لنک" میں شائع ہونے والے خصوصی انٹرویو میں سیتاوائٹ نے کہا کہ ٹیریان میرے اور عمران خان کے رنگین اور سنگین جسمانی تعلق کا خوبصورت "نتیجہ" ہے اور میں عمران خان کی اجازت سے اس کی بچی کی ماں بنی تھی۔ میدان سیاست میں کودنے سے پہلے عمران خان نے ٹیریان کے اپنی بیٹی ہونے کی کبھی تردید نہیں کی تھی' اس لئے میں پاکستان



ایک خاتون کے ہمراہ

عوام کو عمران خان کا اصل چہرہ دکھانے کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی ٹیریان کی مدد بھی کرنا چاہتی ہوں' جس نے کبھی اپنے والد کو نہیں دیکھا' لیکن ہمیشہ اس کے بارے میں باتیں کرتی رہتی ہے۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان نے کبھی بھی برطانوی اور امریکی لڑکیوں سے اپنے تعلقات کو نہیں چھپایا۔ کیا لوگوں کو علم نہیں ہے عمران خان شادی کے بغیر ایک بچی کا باپ بن چکا ہے؟ سیتا وائٹ نے انکشاف کیا کہ میں بھی عمران خان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میں اس کا ایک بچہ پیدا کرنا چاہتی تھی جو کہ ہمارے مغربی معیار کے مطابق کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اس نے عمران خان سے اپنے تعلقات کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پہلی بار لندن میں اپنی سہیلی میری وڈہال کے ساتھ اس کے فلیٹ پر گئی' پھر ہماری دوستی ہو گئی اور عمران خان نے مجھے پاکستان چلنے کی دعوت دی۔ اس نے انکشاف کیا کہ میں عمران خان کے زمان پارک والے گھر میں چار ماہ مقیم رہی۔ ہم وہاں سے مری گئے جہاں ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے

اور شکار کھیلا۔ پاکستان کی اہم شخصیت یوسف صلاح الدین بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم شمال کے برف پوش پہاڑوں کی سیر کو نکلے تو میں عمران خان کی "ساتھی" تھی جبکہ یوسف صلاح الدین اپنی رفاقت کے لئے ایک طوائف "گڈی" کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ (اس موقع پر سیتا نے اخبار نویسوں کو عمران خان کے ساتھ اپنی' یوسف صلاح الدین اور اس کی ساتھی طوائف "گڈی" کی تصاویر بھی دکھائیں۔)

جب سیتا وائٹ سے استفسار کیا گیا کہ کیا عمران خان کے خاندان کو تمہارے ساتھ اس کے تعلقات کا علم تھا؟ تو اس نے انکشاف کیا کہ میں چار ماہ اس کے گھر زمان پارک میں مقیم رہی' اس کے اہل خانہ اور دوستوں کو ہر چیز کا علم تھا۔ عمران خان کے خاندان کو علم تھا کہ میں اس کی گرل فرینڈ ہوں' یہ ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان کے دو چہرے ہیں۔ پاکستان پہنچتے ہی وہ بہت بڑا قدامت پسند بن جاتا ہے' جو لوگوں پر توجہ نہیں دیتا تھا۔ مجھے بار بار کہتا' لوگوں کی طرف مت دیکھو...... میرے پیچھے چلو...... کار میں بھی اس کے ساتھ فرنٹ نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ جہاز میں بھی مجھے عمران خان نے پچھلی نشست

جس نے مین انتخابات کے دوران عدالت میں عمران خان کو گھسیٹ لیا تھا کہ وہ اپنی بچاونز بیٹی ٹیری کو اپنی بیٹی تسلیم کرے۔

برطانوی اخبار ڈیلی ایکسپریس نے برطانوی لارڈ وائٹ کی بیٹی سیتا کے حوالے سے ایک سنسنی خیز رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ سیتا نے ایک لڑکی کو جنم دیا ہے۔ برطانوی صحافی راس بینن نے اس بچے کو عمران خان سے منسوب کر دیا۔ اس واقعہ نے عمران خان کی پیشہ ورانہ زندگی پر نہایت ہی بدترین اثر ڈالے۔

لاس اینجلس سے شائع ہونے والے اخبار "پاکستان لنک" میں شائع ہونے والے خصوصی انٹرویو میں سیتا وائٹ نے کہا کہ ٹیریان میرے اور عمران خان کے رنگین اور سنگین جسمانی تعلق کا خوبصورت "نتیجہ" ہے اور میں عمران خان کی اجازت سے اس کی بچی کی ماں بنی تھی۔ میدان سیاست میں کودنے سے پہلے عمران خان نے ٹیریان کے اپنی بیٹی ہونے کی کبھی تردید نہیں کی تھی' اس لئے میں پاکستان



ایک خاتون کے ہمراہ

عوام کو عمران خان کا اصل چہرہ دکھانے کے ساتھ ساتھ اس کی بیٹی ٹیریان کی مدد بھی کرنا چاہتی ہوں' جس نے کبھی اپنے والد کو نہیں دیکھا' لیکن ہمیشہ اس کے بارے میں باتیں کرتی رہتی ہے۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان نے کبھی بھی برطانوی اور امریکی لڑکیوں سے اپنے تعلقات کو نہیں چھپایا۔ کیا لوگوں کو علم نہیں ہے عمران خان شادی کے بغیر ایک بچی کا باپ بن چکا ہے؟ سیتا وائٹ نے انکشاف کیا کہ میں بھی عمران خان سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میں اس کا ایک بچہ پیدا کرنا چاہتی تھی جو کہ ہمارے مغربی معیار کے مطابق کوئی بری چیز نہیں ہے۔ اس نے عمران خان سے اپنے تعلقات کے آغاز کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ پہلی بار لندن میں اپنی سہیلی ٹیرزی وڈہال کے ساتھ اس کے فلیٹ پر گئی' پھر ہماری دوستی ہو گئی اور عمران خان نے مجھے پاکستان چلنے کی دعوت دی۔ اس نے انکشاف کیا کہ میں عمران خان کے زمان پارک والے گھر میں چار ماہ مقیم رہی۔ ہم وہاں سے مری گئے جہاں ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے

اور شکار کھیلا۔ پاکستان کی اہم شخصیت یوسف صلاح الدین بھی ہمارے ساتھ تھے۔ جب ہم شمال کے برف پوش پہاڑوں کی سیر کو نکلے تو میں عمران خان کی "ساتھی" تھی جبکہ یوسف صلاح الدین اپنی رفاقت کے لئے ایک طوائف "گڈی" کو ساتھ لے کر گیا تھا۔ اس موقع پر سیتا نے اخبار نویسوں کو عمران خان کے ساتھ اپنی' یوسف صلاح الدین اور اس کی ساتھی طوائف "گڈی" کی تصاویر بھی دکھائیں۔)

جب سیتا وائٹ سے استفسار کیا گیا کہ کیا عمران خان کے خاندان کو تمہارے ساتھ اس کے تعلقات کا علم تھا؟ تو اس نے انکشاف کیا کہ میں چار ماہ اس کے گھر زمان پارک میں مقیم رہی' اس کے اہل خانہ اور دوستوں کو ہر چیز کا علم تھا۔ عمران خان کے خاندان کو علم تھا کہ میں اس کی گرل فرینڈ ہوں' یہ ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران خان کے دو چہرے ہیں۔ پاکستان پہنچتے ہی وہ بہت بڑا قدامت پسند بن جاتا ہے' جو لوگوں پر توجہ نہیں دیتا تھا۔ مجھے بار بار کہتا' لوگوں کی طرف مت دیکھو...... میرے پیچھے چلو...... کار میں بھی اس کے ساتھ فرنٹ نہیں بیٹھ سکتی تھی۔ یہاں تک کہ جہاز میں بھی مجھے عمران خان نے پچھلی نش

بٹھایا۔ لیکن لندن پہنچتے ہی دوسرا عمران نمودار ہو جاتا' جہاں میں اس کی باہنوں میں باہنیں ڈال کر کھلے بندوں گھوم پھر سکتی تھی اور اس سے طویل گفتگو کرتی تھی۔ اس طرح پاکستان میں وہ مجھے لمبے بازوؤں والا لباس پہننے پر مجبور کرتا تھا۔ ایک بار میں نے وہاں "شارٹ سکرٹ" پہنی تو اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا' یہ تم کیا کر رہی ہو۔ انہی دنوں عمران خان نے بتایا کہ میں نے کرکٹ سے ریٹائر ہو کر پاکستان میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے' اس لئے اب ہمیں اپنی راہیں جدا کر لینی چاہئیں۔ میں نے اس کی تائید کی اور اس کے ساتھ ویڈیو فلم بنوانے کے بعد پاکستان کو الوداع کہہ کر لندن پہنچ گئی۔ سیتا نے کہا کہ عمران نے اسے بتایا تھا کہ اسلام نے مردوں کو ایک سے زیادہ خواتین کے ساتھ جنسی تعلقات قائم رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس کے علاوہ عمران خان نے مجھے پاکستان میں اپنی زندگی کے بارے میں مختصر بریفنگ بھی دی تھی اور کہا تھا کہ میں اب سیاست دان بنوں گا۔ پاکستان پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا' یہ ایک غریب ملک ہے جہاں عمران خان کا ایک بادشاہ کی طرح ہر جگہ استقبال کیا جاتا ہے۔ میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ عمران کے گرد ہر مقام پر ہجوم اکٹھا ہو جاتا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ وہ لندن میں کرکٹ کھیل کر پاکستان میں شہرت حاصل کر رہا ہے اور وہ ہمیشہ پاکستانیوں کی نظروں میں رہنا چاہتا ہے۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران پاکستانی لڑکیوں کے بجائے غیر ملکی خواتین میں زیادہ مقبول رہا ہے اور مجھے علم تھا کہ وہ اپنی دلہن کی تلاش میں تھا' کیونکہ وہ اپنی کئی دوستوں کو پاکستان لیکر گیا کہ وہ پاکستان میں اس کے اہل خانہ کے ساتھ گزارا کر سکتی ہیں یا نہیں۔ اکتوبر 1991ء میں جب عمران لاس اینجلس آیا' اس وقت میری ایک سہیلی بھی آئی ہوئی تھی۔ میں نے عمران خان سے کہا میں اس کے بچے کی ماں بننا چاہتی ہوں' اس نے کہا "بصد شوق مجھے کوئی اعتراض نہیں" عمران نے کہا میں لڑکا چاہتا ہوں جو کرکٹ کھیل سکے' میں نے جواب دیا بہت اچھا دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد عمران واپس چلا گیا اور چند ماہ بعد اس کا فون آیا تو اسے بتایا "میں امید سے ہوں" تو عمران نے بے تاب ہو کر بار بار دریافت کیا مجھے بتاؤ کیا

ہے...... کیا ہے۔ چار ماہ بعد ضروری ٹیسٹ کرانے کے بعد میں نے فون پر بتایا کہ لڑکی ہوگی' جس پر عمران بڑا مایوس ہوا اور مجھے کہا کہ تمہیں حمل ضائع کروا کے اس سے جان چھڑا لینی چاہئے۔ اس پر میں نے عمران سے کہا کہ لڑکا نہیں ہوا تو کیا ہے' ہماری بچی ٹینس کھیل سکے گی' وہ اداکارہ بن جائے گی' وہ ہر کام کرے گی۔ ٹیریان دو سال کی ہوئی تو میں نے اس کی تصویر عمران خان کو بھجوائی' ان دنوں وہ اس بات پر شدید پریشان تھا کہ میں ٹیریان کی تربیت محبت اور نظم و ضبط سے کروں۔ اس وقت تک ہمارے تعلقات میں سرد مہری پیدا ہو چکی تھی اور غالباً 1994ء میں اس نے جمائما سے محبت کا کھیل شروع کر دیا تھا اور پھر اس کی ٹیلی فون کالوں میں طویل وقفے بڑھتے گئے اور جب بھی میں نے اس کے دفتر فون پر عمران سے بات کرنا چاہی تو میری اس سے بات نہیں کرائی جاتی تھی اور پھر اس نے جمائما سے شادی کر لی۔ ٹیریان کے پیدائشی سرٹیفکیٹ میں والد کے خانے میں عمران کا نام نہ ہونے کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے سیتا نے کہا کہ اس وقت میں نے نام نہیں لکھا تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں اب بھی ایسا ہی کروں گی۔ کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ "غیرت مند مسلمان" نامی کتاب کا مصنف اور تحریک انصاف کا سربراہ اپنی بیٹی کے ساتھ بھی انصاف کرے اور اسے باپ کا پیار دے۔

مذکورہ بالا واقعات محبوب لیڈر عمران خان کے ذاتی کردار کے عکاس ہیں۔ ہم اپنی پاکبازی کا دعویٰ نہیں کرتے۔ مگر کیا لیڈروں کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہوتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ کرکٹ سے ریٹائرمنٹ اور سیاست میں دلچسپی کے دوران خوبرو لڑکیاں اور دوسرے لوگ اپنے سبز باغ عمران خان کے ہاتھوں دیکھنے کے بعد اپنا رستہ بدل گئے۔ ایک روز معروف امریکی صحافی کرسٹینا لمب عمران کے ساتھ تھی۔

وہ اسے اپنے سیاسی راہنما کے پاس لے گیا اور ان سے ملتجی ہوا کہ وہ اس کی اس دوست لڑکی کو دیکھیں اور اپنی مردم شناسی کی اہلیت کو کام میں لا کر رہنمائی کریں کہ آیا اس صحافی خاتون سے شادی کرنی چاہئے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب جنرل حمید گل اور عمران خان کے درمیان ایک راز ہے۔

بٹھایا۔ لیکن لندن پہنچتے ہی دوسرا عمران نمودار ہو جاتا' جہاں میں اس کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر کھلے بندوں گھوم پھر سکتی تھی اور اس سے طویل گفتگو کرتی تھی۔ اس طرح پاکستان میں وہ مجھے لمبے بازوؤں والا لباس پہننے پر مجبور کرتا تھا۔ ایک بار میں نے وہاں "شارٹ سکرٹ" پہنی تو اس نے مجھے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا' یہ تم کیا کر رہی ہو۔ انہی دنوں عمران خان نے بتایا کہ میں نے کرکٹ سے ریٹائر ہو کر پاکستان میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کر لیا ہے' اس لئے اب ہمیں اپنی راہیں جدا کر لینی چاہئیں۔ میں نے اس کی تائید کی اور اس کے ساتھ ویڈیو فلم بنوانے کے بعد پاکستان کو الوداع کہہ کر لندن پہنچ گئی۔ سیتا نے کہا کہ عمران نے اسے بتایا تھا کہ اسلام نے مردوں کو ایک سے زیادہ خواتین کے ساتھ جنسی تعلقات قائم رکھنے کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس کے علاوہ عمران خان نے مجھے پاکستان میں اپنی زندگی کے بارے میں مختصر بریفنگ بھی دی تھی اور کہا تھا کہ میں اب سیاست دان بنوں گا۔ پاکستان پہنچنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا' یہ ایک غریب ملک ہے جہاں عمران خان کا ایک بادشاہ کی طرح ہر جگہ استقبال کیا جاتا ہے۔ میں یہ دیکھ کر ششدر رہ گئی کہ عمران کے گرد ہر مقام پر ہجوم اکٹھا ہو جاتا تھا۔ اس وقت مجھے احساس ہوا کہ وہ لندن میں کرکٹ کھیل کر پاکستان میں شہرت حاصل کر رہا ہے اور وہ ہمیشہ پاکستانیوں کی نظروں میں رہنا چاہتا ہے۔ سیتا وائٹ نے کہا کہ عمران پاکستانی لڑکیوں کے بجائے غیر ملکی خواتین میں زیادہ مقبول رہا ہے اور مجھے علم تھا کہ وہ اپنی دلہن کی تلاش میں تھا' کیونکہ وہ اپنی کئی دوستوں کو پاکستان لیکر گیا کہ وہ پاکستان میں اس کے اہل خانہ کے ساتھ گزارا کر سکتی ہیں یا نہیں۔ اکتوبر 1991ء میں جب عمران لاس اینجلس آیا' اس وقت میری ایک سہیلی بھی آئی ہوئی تھی۔ میں نے عمران خان سے کہا میں اس کے بچے کی ماں بننا چاہتی ہوں' اس نے کہا "بصد شوق مجھے کوئی اعتراض نہیں" عمران نے کہا میں لڑکا چاہتا ہوں جو کرکٹ کھیل سکے' میں نے جواب دیا بہت اچھا دیکھتے ہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ اس کے بعد عمران واپس چلا گیا اور چند ماہ بعد اس کا فون آیا تو اسے بتایا "میں امید سے ہوں" تو عمران نے بے تاب ہو کر بار بار دریافت کیا مجھے بتاؤ کیا

ہے......... کیا ہے۔ چار ماہ بعد ضروری ٹیسٹ کرانے کے بعد میں نے فون پر بتایا کہ لڑکی ہوگی' جس پر عمران بڑا مایوس ہوا اور مجھے کہا کہ تمہیں حمل ضائع کروا کے اس سے جان چھڑا لینی چاہیے۔ اس پر میں نے عمران سے کہا کہ لڑکا نہیں ہوا تو کیا ہے' ہماری بچی ٹینس کھیل سکے گی' وہ اداکارہ بن جائے گی' وہ ہر کام کرے گی۔ ٹیریان دو سال کی ہوئی تو میں نے اس کی تصویر عمران خان کو بھجوائی' ان دنوں وہ اس بات پر شدید پریشان تھا کہ میں ٹیریان کی تربیت محبت اور نظم و ضبط سے کروں۔ اس وقت تک ہمارے تعلقات میں سرد مہری پیدا ہو چکی تھی اور غالباً 1994ء میں اس نے جمائما سے محبت کا کھیل شروع کر دیا تھا اور پھر اس کی ٹیلی فون کالوں میں طویل وقفے بڑھتے گئے اور جب بھی میں نے اس کے دفتر فون پر عمران سے بات کرنا چاہی تو میری اس سے بات نہیں کرائی جاتی تھی اور پھر اس نے جمائما سے شادی کر لی۔ ٹیریان کے پیدائشی سرٹیفکیٹ میں والد کے خانے میں عمران کا نام نہ ہونے کے بارے میں سوال کا جواب دیتے ہوئے سیتا نے کہا کہ اس وقت میں نے نام نہیں لکھا تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ میں اب بھی ایسا ہی کروں گی۔ کیونکہ میں چاہتی ہوں کہ "غیرت مند مسلمان" نامی کتاب کا مصنف اور تحریک انصاف کا سربراہ اپنی بیٹی کے ساتھ بھی انصاف کرے اور اسے باپ کا پیار دے۔

مذکورہ بالا واقعات محبوب لیڈر عمران خان کے ذاتی کردار کے عکاس ہیں۔ ہم اپنی پاکبازی کا دعویٰ نہیں کرتے۔ مگر کیا لیڈروں کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہوتا ہے؟ یقیناً نہیں۔ بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ کرکٹ سے ریٹائرمنٹ اور سیاست میں دلچسپی کے دوران خوبرو لڑکیاں اور دوسرے لوگ اپنے سبز باغ عمران خان کے ہاتھوں دیکھنے کے بعد اپنا رستہ بدل گئے۔ ایک روز معروف امریکی صحافی کرسٹینا لیمب عمران کے ساتھ تھی۔

وہ اسے اپنے سیاسی راہنما کے پاس لے گیا اور ان سے ملتجی ہوا کہ وہ اس کی اس دوست لڑکی کو دیکھیں اور اپنی مردم شناسی کی اہلیت کو کام میں لا کر رہنمائی کریں کہ آیا اس صحافی خاتون سے شادی کرنی چاہیے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب جنرل حمید گل اور عمران خان کے درمیان ایک راز ہے۔

جو بات راز نہیں ہے وہ یہ ہے کہ اس دن کے بعد عمران طویل عرصے کے لئے برطانیہ چلا گیا' پھر ایک روز اخبارات میں خبر شائع ہوئی کہ اس کی منگنی سر جیمز گولڈ اسمتھ کی بیٹی جمائما گولڈ اسمتھ کے ساتھ ہو گئی ہے۔ جو بالآخر شادی پر منتج ہوئی۔



پیر پگاڑا

سندھ کے ایک روحانی پیشوا اور آمروں کے پسندیدہ "سیاسی پیر" کو عقیدت مندوں کے نزدیک بڑی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان کے عقیدت مندوں کے نزدیک تو پیر صاحب کا کسی حسینہ پر مہربان ہو جانا باعث افتخار ہے لیکن یہ "پیر" سیاسی حلقوں میں "میکساوجسٹ" کی حیثیت سے خصوصی شہرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے کئی بار صرف حسیناؤں کی خاطر اپنی جماعت کے ٹوٹے کئے ہیں۔ لاہور کی ایک مشہور سیاسی خاتون محمودہ پر' پیر صاحب بہت مہربان تھے جبکہ یہ محمودہ عمر رسیدہ مگر صحت مند حسینہ ہونے کی بنا پر ایک ایسے ملک کی عاشق تھی جو اس پاکستانی سیاست کے ایک اہم عہدہ پر فائز ہیں۔ یہ ملک سیاست کے لئے "ایوب خانی" تحفہ ہیں۔ انہیں ایوب خان کی کابینہ میں خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ اپنی اہمیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ محمودہ کے قریب ملک قریب تر اور پھر قریب ترین ہوتے گئے۔ پیر صاحب کی خواہش تھی کہ محمودہ ان کے حرم میں بھی داخل ہو لیکن ملک کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں تھا۔ ملک کی حالت یہ ہوا کرتی تھی کہ وہ ملک بھر کی تمام مصروفیات ختم کر کے رات گزارنے کے لئے گلبرگ نہر کے کنارے واقع محمودہ کی کوٹھی میں عیاشی کے لئے آ جاتے۔ یہ محمودہ' پیر اور ملک کے درمیان ایک ایسا تنازعہ بن گئی کہ ان کی جماعت میں ملک گروپ بن گیا۔ یہ الگ بات ہے کہ اس گروپ میں صرف محمودہ اور ملک ہی شامل تھے۔ ملک صاحب کی اب جوانی ڈھل چکی' محمودہ کے بال بھی سفید ہو گئے مگر وہ بالوں کو رنگ کر کے جوان ہونے پر اصرار کرتی ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ دونوں کی آتش عشق یا آتش سیکس ابھی ٹھنڈی نہیں ہوئی' وقت ملنے پر دونوں

اسلام آباد کے ایک سابق وزیراعظم کے گیسٹ ہاؤس میں پائے جاتے ہیں۔ ملک صاحب نے جس محمودہ کی خاطر پیر صاحب کو ناراض کیا تھا آج اسی محمودہ کی خاطر کئی سیاست دانوں کو ناراض کرنے پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ پیر صاحب کا اصرار ہے کہ ملک آج بھی محمودہ سے دستبردار ہو جائیں تو ان کی جماعت ایک ہونے کے ضمن میں پیش رفت ہو سکتی ہے۔ پیر صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ ایک بار محمودہ کو ہمارے ہاں کھانے کی دعوت پر بھیج کر تو دیکھیں پھر انہیں گوشت اور دال کے بھاؤ معلوم ہو جائیں گے۔ ملک صاحب اس رسم کو توڑنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ پیر صاحب کے پاس ایک بار جانے والی عورت کسی نوجوان مرد کے قابو نہیں آتی۔ اگر محمودہ نے ڈھلتی جوانی میں پیر صاحب کا حرم دیکھ لیا تو پھر وہ کسی ملک کے پاس جانے کی ضرورت مند نہیں رہے گی بلکہ پیر صاحب کے ہی گیت گاتی پھرے گی۔ پیر صاحب ماضی میں بھی کئی ادھیڑ عمر سیاست دان عورتوں کو ڈھیر کر چکے ہیں۔ ان میں ایک ایسی بی بی بھی ہیں جو پیر صاحب کے ہاں سے گزر کر سرکاری جماعت میں عہدہ تک حاصل کر چکی ہیں۔ لیکن جس وقت یہ صاحب لاہور میں آتے ہیں تو تمام سیاسی وابستگیوں کو بالائے طاق رکھ کر ان کے ہاں حاضری کو اپنی بے قراری کا ثبوت قرار دیتے ہیں۔ ان پیر صاحب کا دعویٰ ہے کہ وہ جس سیاسی لونڈے پر ہاتھ رکھتے ہیں وہ ملک کا وزیراعظم بن جاتا ہے اور جس خاتون پر مہربان ہوتے ہیں وہ ایم۔ پی۔ اے، ایم۔ این۔ اے، سینیٹ کی رکن، صوبائی وفاقی وزیر اور نہ جانے کیا کچھ بن جاتی ہے۔ بات ہو رہی تھی ملک اور محمودہ کی، ان دونوں کی ملاقات اسلام آباد کے گیسٹ ہاؤس میں ہوتی ہے۔ دونوں مل کر آزاد کشمیر کے سابق وزیراعظم کے ساتھ شراب پیتے ہیں۔ جوں جوں رات ڈھلتی ہے محمودہ کی بوڑھی جوانی بے لگام ہوتی جاتی ہے اور سیاسی بوڑھوں پر ایک بار پھر جوانی غالب آجاتی ہے۔ ایسی ہی حالت میں گیسٹ ہاؤس میں لاہور کے ایک اعلیٰ پولیس آفیسر کو حکم دیا جاتا ہے کہ لاہور میں سابق وزیراعظم کے بہنوئی کو گرفتار کر لیا جائے کہ اس نے محمودہ پر قیامت ڈھا دی ہے۔ حکم دینے والا کہہ رہا تھا جناب فراڈ اور وہ بھی میری محمودہ کے ساتھ۔ اعلیٰ افسر نے یقین دلایا کہ محمودہ کو شکار کرنے والا بٹ آج ہی تھانوں میں ذلیل ہو گا۔ چنانچہ رات گئے پولیس

نے ماڈل ٹاؤن کی ایک کوٹھی میں چھاپہ مارا لیکن سابق وزیراعظم کا رشتہ دار اس وقت بازار حسن میں اپنی دو نمبر بیوی یا داشتہ کے ساتھ رنگ رلیوں میں مصروف تھا۔ وائرلیس چلی اور ایک بڑا سیاسی کردار پولیس کی حراست میں آ گیا۔ اس گرفتاری کو اس سیاسی کردار کی داشتہ بھی دیکھ رہی تھی جو سالہا سال سے بلو کی داشتہ بنے مجبور یا خوش ہے۔ مجبور تو نہیں اسے خوش ہی کہا جائے گا کہ اس کے بطن سے تو اب بلو کی ایک بیٹی بھی پیدا ہو چکی ہے۔ اب اگر اپنی اس بیلی کو چھوڑے گا تو اسے یہ دکھ ہمیشہ رہے گا کہ بیلی کسی وقت بھی اس کی بیٹی کو بازار کی زینت بنا سکتی ہے۔ اب پتہ نہیں بلو اور بیلی کے اس کھیل کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن محمودہ اور ملک کے کھیل نے بلو کو جیل میں بند کر رکھا ہے اور یقیناً اس وقت تک بند رہے گا جب تک ان کا اقتدار باقی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بلو اپنی شکست تسلیم کر کے محمودہ کو راضی کر لے۔ لیکن سنا ہے کہ بلو اپنی دھن کا پکا ہے، وہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کر سکتا ہے کسی بڈھی گھوڑی کے ہاتھوں بلیک میل ہونے والا نہیں ہے۔

یہ پیر صاحب ان دنوں لاہور سے اس لئے آؤٹ ہیں کہ خواتین کی نشستوں پر انتخابات نہیں ہو رہے جونہی کوئی حکومت خواتین کی مخصوص نشستوں پر الیکشن کرانے کے لئے تیار ہو گی تو پیر صاحب لاہور میں ڈیرے ڈال لیں گے اور پھر جو سیاسی وڈیریاں انہیں خوش کرنے میں کامیاب ہوں گی ان کا تعلق خواہ کسی بھی جماعت سے ہو وہ اسمبلی میں پہنچ جائیں گی۔ پیر صاحب اپنی نجی محفلوں میں اکثر یہ بتاتے ہیں کہ فلاں عورت جو اس وقت فلاں عہدے پر بیٹھی ہے وہ ایک وقت ہمارے پاس آئی تھی اس نے ہمارے ساتھ گپ شپ کی، کھانا کھایا، رات کی مہمان بنی، صبح اٹھی تو سیاسی کارکن یا ادب کی ٹھیکیدار ہونے کی بجائے ایم۔ پی۔ اے یا ایم۔ این۔ اے تھی۔

پیر صاحب کی ”کشف و کرامات“ کا سلسلہ صرف ان تک ہی محدود نہیں رہا بلکہ یہ ”روحانی کیفیت“ ان کی اگلی نسلوں میں بدرجہ اتم شامل رہی۔ جبکہ پیر صاحب نے اپنے خاندان کو بھی نہیں بخشا۔ ان کے بیٹے گوہر علی راشدی نے ان پر الزام عائد کیا کہ پیر صاحب کی اپنی بہو سے ناجائز تعلقات ہیں۔ یہ بات بڑھ کر عدالت تک

بھی گئی۔ اس دوران ایک روزنامے کو انٹرویو دیتے ہوئے گوہر راشدی نے بتایا کہ جو عورت صبح پانچ بجے گھر آئے اور تین بجے۔ پھر ناشتہ کرے وہ بھلا بچوں کا کیا خیال رکھ سکتی ہے۔ میرے موسیٰ اور عیسیٰ دو سال سکول میں فیل ہوئے۔ وہ پڑھائی میں بہت پیچھے رہ گئے ہیں کیونکہ انہیں ماں کی مناسب توجہ نہیں مل رہی جبکہ بچوں کی ماں کو فیشن شوز سے فرصت نہیں ملتی۔ سرِ شام ہی گھر پر پیپلز پارٹی اور مسلم لیگیوں کا جشن شروع ہو جاتا ہے۔ گھر میں بوتیک کے نام سے دو نمبر کاروبار کھول رکھا ہے اور "میں خود اس کا چشم دید گواہ ہوں اور میرے پاس تمام ثبوت اور ویڈیو موجود ہیں۔

پیر علی گوہر راشدی نے کہا میری قسمت میں اس دن ہی زہر کھول دیا گیا تھا جب میری شادی آنسہ قمر سے طے پائی تھی۔ نوابزادہ نصراللہ کی بہن اپنی بیٹی سے میری شادی کرنا چاہتی تھیں مگر وہ دو سو کلو سے زیادہ بھاری تھیں' لہٰذا میں نے انکار کر دیا۔ لہٰذا انہوں نے میرا رشتہ اپنی ہمسائی آنسہ قمر سے طے کر دیا۔ میرے والدین اس رشتے سے بہت خوش تھے جبکہ میں خوش نہیں تھا اور میں نے بیوی کو دیکھا تک نہیں تھا۔ شادی کی پہلی رات آنسہ کو مرگی کا دورہ پڑ گیا۔ گھبراہٹ میں کچھ سجھائی نہیں دیا آخر جوتا سنگھایا تو اسے ہوش آیا۔ ساری رات جاگ کر گزاری کہ یا اللہ یہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ اگلے روز والد صاحب کو شکایت کی مگر انہوں نے میری ایک نہ سنی اور پھر تواتر کے ساتھ ایسا ہوتا رہا۔ میں ماں سے اکثر کہتا' ماں آپ نے میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ مرگی کی مریضہ سے میری شادی کر دی ہے مگر ماں سب سے زیادہ اسے چاہتی تھی۔ ماں کہتی بیٹا ایسی بیوی تمہیں کہیں نہیں ملے گی۔ میں کہتا ماں اگر اسے باورچی خانے میں کھانا بناتے ہوئے یا باتھ روم میں مرگی کا دورہ پڑ گیا تو کیا ہو گا' تو ماں کہتی کہ اس کے لئے بہت سارے نوکر ہیں تم فکر مت کرو۔ ماں نے اس کی ہمیشہ حمایت کی اس پر بھروسہ کیا مگر اس نے ماں کی مانگ کا سندور چھین لیا۔ بڑھاپے میں اس کو ایسا دکھ دیا جس کا مداوا ممکن نہیں ہے۔ علی گوہر راشدی نے بتایا میں اپنی شرافت میں لٹ گیا ہوں۔ مجھے میری بیوی نے ہمیشہ بے وقوف بنایا۔ میرے پاس کنگری ہاؤس کراچی میں بہت کم عرصہ رہی۔ علاج کے بہانے لاہور میں ہی رہتی اور اگر کبھی چھ ماہ بعد کراچی آتی تو انہیں دورے پڑنے شروع ہو جاتے۔ میرے پاس

اس کی مرگی کی سب رپورٹس موجود ہیں جس کا میں ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں اور آنسہ قمر جہاز میں کراچی جا رہے تھے تو فرسٹ کلاس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں محترمہ کو دورہ پڑ گیا۔ مجھے مصیبت پڑ گئی کہ کیا کریں۔ وہاں دوسرے مسافر بھی اکٹھے ہو گئے۔ سب عملہ بھی گھبرا گیا فوراً فرسٹ ایڈ دی مگر مجھے معلوم تھا کہ صرف جوتا سنگھانے سے ہی یہ مسئلہ حل ہو گا۔ بہت شرمندگی کے ساتھ میں نے گندہ جوتا بیگ میں سے نکال کر اس کو سنگھایا تو وہ ہوش میں آئی۔ مجھے کہاں کہاں شرمندگیاں اٹھانی پڑی ہیں میں بتا نہیں سکتا۔ سارا جہاں اس کی ان حرکتوں سے واقف ہے۔ مرگی کے دورے میں وہ ایسی الٹی سیدھی حرکتیں کرتی۔ کئی مرتبہ ناک کان اور زبان پر چوٹیں آئی ہیں۔ آپ اس کی زبان دیکھ لیں جگہ جگہ سے کٹ چکی ہے۔ ناک پر چوٹیں آئیں اور بدنام میں ہو گیا کہ علی گوہر نے پیٹا ہے' جبکہ وہ مرگی کے دورے سے عجیب عجیب حرکتیں تڑپ تڑپ کر ہاتھ پاؤں مارتیں' کھڑے ہونے کی کوشش میں کئی مرتبہ چوٹیں آئیں۔ دیکھنے والا بھی کہتا کہ اس کی پٹائی ہوئی ہے مگر ڈاکٹروں کو سب معلوم ہوتا کہ اس کو مرگی کا دورہ پڑا ہے۔ جب ڈاکٹروں کو معلوم پڑتا کہ یہ میری بیوی ہے اور میں کون ہوں تو ڈاکٹر اکثر مجھے کہتے کہ تم نے کس "کیس" سے شادی کر لی ہے' جان چھڑاؤ اپنی' کیونکہ مرگی کا کہیں بھی کوئی علاج نہیں ہے' سوائے جوتے سنگھانے کے۔ شروع شروع میں تو میں بالکل خاموش ہو گیا اور اپنے آپ میں گھٹ گھٹ کر مرنے لگا کیونکہ میں باپ کی کمائی سے کھاتا تھا اپنا کچھ نہیں تھا۔ پھر کچھ عرصہ پہلے میں نے گھر والوں سے بات کی کہ میں اور شادی کروں گا کیونکہ مجھے ہوش مند بیوی چاہئے لہٰذا والدین نے مجھے اس کی اجازت دے دی۔ جب قمر زمان کائرہ صاحب کو معلوم پڑا تو انہوں نے کہا آپ دوسری شادی کر لیں مگر اس کو طلاق مت دیں' لہٰذا میں نے نہ صرف اس کو علیحدہ ڈیفنس میں گھر لے کر دیا بلکہ اس کے نام ٹرانسفر کر دیا اور بچوں کے نام جائیداد بھی لکھ دی۔ اتنی جائیداد کو خود ان کا خاندان سوچ نہیں سکتا۔ میں بچوں کو باقاعدگی کے ساتھ 30 ہزار خرچہ دیتا رہا ہوں تاکہ ان کی پڑھائی جاری رہے مگر مجھ سے علیحدہ رہنے پر بچوں کا بیڑہ غرق ہو گیا۔ بچے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ان کی تعلیم کا حرج ہوا۔ وہ دو سال فیل ہو گئے۔

بچوں نے بتایا کہ ان کا اس ماحول میں دم گھٹتا ہے۔ ماں صبح پانچ بجے گھر آتی ہے اور دو بجے تک سوتی ہے۔ پھر شام کو گھر پر سیاسی لوگوں کا "میلہ" لگ جاتا ہے۔ مسلم لیگی اور پیپلزپارٹی والے عوام کے سامنے تو دست و گریبان ہیں مگر ڈیفنس میں جا کر ایک ہو جاتے ہیں۔ سارے اختلافات بھول کر اکٹھا شیئر کرتے ہیں۔ ان سیاسی لوگوں کی خدمت کے لئے فیشن شوز کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ڈیفنس میں گھر میں کسی قسم کا کاروبار کرنا ممنوع ہے مگر محترمہ نے گھر پر بوتیک کھول رکھا ہے تاکہ لوگوں کا آنا جانا رہے۔ اکثر اسلام آباد کے چکر لگائے جاتے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ فیشن شوز کے اخراجات اور اسلام آباد کے اخراجات اور دو دو لاکھ روپے کے کپڑے کہاں سے آتے ہیں؟ مجھے معلوم ہے میرے پاس تمام ثبوت موجود ہیں۔ میرے بڑے بھائی میری والدہ کو اکثر کہتے کہ لاہور میں بہت گڑبڑ ہے اور محترمہ دو نمبر کام کر رہی ہیں اور والد صاحب کو سب معلوم ہے مگر والدہ یقین نہیں کرتی تھیں۔ میں خود بھی بھائی کی باتوں پر یقین نہیں کرتا تھا۔ میں جب گھر آتا تو دیکھتا گھر پر میلاد ہو رہی ہے' قرآن خوانی ہو رہی ہے۔ میں حیران رہ جاتا مگر جب والدہ نے والد کو رنگے ہاتھوں پکڑا تو سب سراغ مل گیا کہ یہ کارنامے تو بھوروانی کے ہیں۔ وہ ماڈلنگ اور فیشن شو کے بہانے لڑکیوں کو گھر پر بلاتیں' محفلیں سجاتیں اور والد صاحب کو "خوش" کرتیں۔ والدہ صاحبہ کے احتجاج پر ان کا پتہ ہمیشہ کے لئے کاٹ دیا گیا اور میرے بچوں کو مجھ سے چھیننے اور میری جائیداد ہڑپ کرنے کے لئے عدالت سے رجوع کیا گیا مگر میں عدالت میں سب ثبوت پیش کروں گا اور سب کو ننگا کروں گا۔

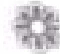
مگر دوسروں کو ننگا کرنے کا عزم رکھنے والے گوہر راشدی کو اپنے لب سینا پڑے اور اپنے بیٹے سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔ گوہر راشدی اب پراسرار طور پر منظر سے غائب ہو چکے ہیں مگر پیر صاحب کی کرامات بدستور جاری ہیں اور انہوں نے "خدمت خلق" کے جذبے کے تحت 14 سالہ لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ پیر صاحب کے پوتے نے دادا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی تو وہ ناتجربہ کار ہونے کی وجہ سے مار کھا گیا۔ 15 اگست 1997ء کو خبر ملی کہ۔

پیر پگاڑا کا پوتا اور وزیر مملکت مخدوم احمد محمود کا بھانجا اسلام آباد کے ایک

بڑے ہوٹل میں رات گزار کر کال گرل اور 13 ہزار روپے کا بل چھوڑ کر بھاگ گیا۔ وزیر مملکت نے پیسے بھجوائے اور اپنے بھانجے کی طرف سے آئندہ ایسی شکایت نہ ملنے کی ضمانت دے کر کال گرل اس کے دلال کو واپس کروائی۔ تفصیلات کے مطابق پیر پگاڑا کا پوتا اور پیر صبغت اللہ راشدی کا بیٹا جو وزیر مملکت مخدوم احمد محمود کا بھانجا بھی ہے' گزشتہ روز وفاقی دارالحکومت کے ایک بڑے ہوٹل میں آیا اور انتہائی مہنگا کمرہ بک کرایا۔ رات کو عامر نامی دلال سے ایک کال گرل بھی منگوائی۔ موصوف ساری رات بیرون شہر ٹیلیفون کالیں بھی ملاتے رہے اور اگلے روز کال گرل اور ہوٹل کا 13 ہزار روپے کا بل چھوڑ کر بھاگ گئے۔ ہوٹل انتظامیہ کو شک گزرا تو اس نے کمرے میں بیٹھی کال گرل سے پوچھا تو 14 سالہ لڑکی رو پڑی اور بتایا کہ میں نوکری کے لئے اسلام آباد آئی تو عامر نامی دلال نے مجھے دھندے پر لگا دیا اور گزشتہ رات بک کر کے یہاں بھیجا۔ امیرزادہ ساری رات مجھ سے جنسی کھیل کھیلتا رہا اور اب غائب ہو گیا ہے۔ ہوٹل انتظامیہ نے عامر دلال کو بلایا اور ایس۔ ایچ۔ او سیکرٹریٹ جمیل ہاشمی کے حوالے کر دیا۔ عامر دلال سے پولیس نے پوچھا کہ اتنی چھوٹی عمر کی بچی کو تو نے کیوں دھندے پر لگا رکھا ہے تو اس نے کہا کہ میں غریب آدمی ہوں' پیٹ کے لئے یہ تو کرنا پڑتا ہے۔ پولیس اہلکار عامر دلال کو مارتے پیٹتے ہوئے ہوٹل سے لے گئے اور ہوٹل بل کے لئے جب وزیر مملکت مخدوم احمد محمود سے رابطہ کیا تو انہوں نے اپنا بندہ بھیجا جس نے بل ادا کر دیا۔ وزیر مملکت نے ہوٹل انتظامیہ کو یقین دلایا کہ آئندہ کوئی شکایت نہیں آئے گی۔ ایس۔ ایچ۔ او تھانہ سیکرٹریٹ نے استفسار پر کہا کہ ہم نے کوئی رپورٹ وغیرہ اس لئے درج نہیں کی کہ رپورٹ درج کرانے والا بھی کوئی نہیں۔ البتہ امیرزادے کے مقامی ساتھی کی تلاش جاری ہے' جونہی وہ ملا ہم ضروری کارروائی کریں گے۔ البتہ عامر دلال اور کال گرل ہم سے پوشیدہ نہیں۔ عامر سیکٹر ایف۔ ایٹ میں رہتا ہے' جب ضرورت ہوئی اسے پکڑ لیں گے۔ جمیل ہاشمی نے کہا یہ واقعہ ہوا ہے' لیکن چونکہ امیرزادہ بھاگ گیا ہے۔ ہوٹل کو امیرزادے کے بڑوں نے بل ادا کر دیا ہے۔ امیرزادے کا ساتھی بھی بھاگ گیا ہے' اب رپورٹ درج کرانے کے لئے بھی کوئی تیار نہیں ہم کیا کریں؟

باوجود ان تمام تر سرگرمیوں کے پیر صاحب حکومتوں کے آنے جانے کی پیش گوئیوں میں مشغول ہیں' اور عوام اور ان کے مرید بھی' جنھوں نے تحریک پاکستان میں عملی قربانیاں دی ہیں۔ پیر صاحب کے پاؤں میں تھرکتے جسموں اور کھنکتے گھنگروؤں کی بجائے ان کی پیشن گوئیوں پر خوش چلے آ رہے ہیں۔

"اللہ جانے کون بشر ہے۔"



غلام مصطفیٰ کھر

1964ء میں جب مصطفیٰ کھر پہلی مرتبہ سیاسی افق پر نمودار ہوئے اور ایوب خان کے دور حکومت میں قومی اسمبلی کے ممبر بنے تو وہ 25 سال کے نوجوان تھے اور آشفتہ مزاجی کے لیے بہت مشہور تھے۔ انھی دنوں انھوں نے رضیہ مینشن لاہور کی مالکہ کی ایئر ہوسٹس بیٹی صفیہ عرف فردوس سے شادی کی' جو ان کی دوسری شادی تھی۔ بعد ازاں ان میں طلاق ہو گئی اور صفیہ نے مصطفیٰ کھر کے بڑے بھائی مرتضیٰ کھر سے شادی کر لی۔ اور یوں بیوی سے بھابی بن گئی۔

مصطفیٰ کھر نے صفیہ کو طلاق دینے کے بعد باقاعدہ شادی تو نہیں کی مگر وہ بازار حسن کے بالاخانوں کا طواف کرتے رہے۔ 1968ء تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ انھی دنوں ان کا تعارف ایک رقاصہ نوبہار سے ہوا۔ جو ایک مشہور طوائف کی بیٹی تھی۔ اس کی پہلی شادی ملتان کے گردیزی خاندان کے ایک فرد سے ہوئی لیکن گردیزی صاحب نے کچھ عرصہ بعد اسے چھوڑ دیا اور اس کی بڑی بہن سے شادی رچالی۔ چنانچہ نوبہار نے "ناہید" کے نام سے فلموں میں کام شروع کر دیا۔ وہ پہلے پہل ایک پنجابی فلم "ہڈ حرام" میں آئی۔ پھر ولایت مرزا نے اسے اپنی دو فلموں میں کاسٹ کیا۔ ولایت مرزا اور راجہ منور احمد پیپلز پارٹی کے سابق ایم پی اے میں گہری دوستی تھی۔ راجہ منور' کھر کے گہرے دوست تھے چنانچہ اسی دوستی کے ذریعے نوبہار عرف ناہید کا کھر سے تعارف ہوا۔

مصطفیٰ کھر ناہید پر اس قدر لٹو ہوئے کہ رات کے علاوہ دن کو بھی اس کے کوٹھے پر نظر آنے لگے۔ اس امر کے گواہ "اس بازار" کے لوگوں کے علاوہ علاقے کے

پولیس والے بھی ہیں۔ آہستہ آہستہ ناہید کی شہرت اتنی بڑھ گئی اور اس کے بالاخانے پر تماش بینوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی کہ کھر حسد کی آگ میں جلنے لگے۔ اور انہوں نے ناہید کو اپنی ذات تک محدود رکھنے کی غرض سے اس سے شادی کر لی۔ شادی کے بعد ناہید نے اپنا دھندہ بند کر دیا اور شاہی مسجد کے قریب فورٹ روڈ پر اپنی نئی تعمیر شدہ بلڈنگ میں رہنے لگی' جہاں مصطفیٰ کھر عموماً راتیں بسر کرتے تھے۔ اسی دوران کھر پنجاب کے گورنر اور ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر ہوئے۔ کرسی اقتدار پر فائز ہونے کے بعد وہ کچھ عرصہ تک ناہید کے ہاں جاتے رہے۔ جس پر چند دوستوں نے سمجھایا تو انہوں نے اپنی سیاسی پوزیشن کو بے داغ ثابت کرنے کے لیے ناہید کو ایک لاکھ 20 ہزار روپے اور ایک مرسیڈیز کار نمبر آر۔ آئی۔ ڈی 480 دے کر چھٹکارا حاصل کر لیا۔

ناہید کے بطن سے مصطفیٰ کھر کی ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی۔ کھر اس لڑکی کو اپنی بیٹی تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن ناہید ہر محفل میں اسے کھر کی بیٹی کی حیثیت سے متعارف کرواتی ہے۔ کھر نے ناہید سے علیحدگی کرتے وقت سختی سے ناہید کو منع کیا تھا کہ وہ ان کا ذکر کسی سے نہیں کرے گی۔ لیکن ناہید نے اس کی پرواہ نہ کی اور ہر کس و ناکس سے کھر سے اپنی شادی کا ذکر کرنے لگی' تو مصطفیٰ کھر نے جلال میں آ کر ایک شخص کے ذریعے ڈاکہ زنی کا مقدمہ بنوا دیا اور ایف آئی آر میں لکھوایا کہ:

"ناہید نے اس کے ساتھ کسی پروگرام میں جانے کے لیے بھاری رقم وصول کی' لیکن بعد ازاں جانے سے انکار کر دیا اور جب اس نے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو ناہید اور اس کے گھر والوں نے اسے زدوکوب کیا اور قتل کی دھمکی دے کر نقدی اور گھڑی چھین لی"

چنانچہ ناہید کو گرفتار کر لیا گیا اور اسے سٹی کوتوالی کی حوالات میں رکھا گیا۔ ضمانت پر رہائی کے بعد وہ جان بچا کر کراچی پہنچی۔ کچھ عرصہ کراچی کے بازار حسن نیپئر روڈ پر قیام کیا' پھر کراچی کی ایک مشہور طوائف کے پرائیویٹ اڈے پر منتقل ہو گئی۔ آج کل وہ لندن میں ہے اور اس کی بیٹی بھی اس کے ہمراہ ہے جسے وہ مصطفیٰ کھر کی بیٹی قرار دیتی ہے۔

گورنری کے زمانے میں کھر راجہ اندر بن گئے تھے۔ گورنر ہاؤس کی ڈیوٹی پر فائز

ایک پولیس افسر نے بتایا کہ مصطفیٰ کھر کے ایک دوست ایک مرتبہ تین فلم ایکٹرسوں کو لے کر آئے۔ ان کی گاڑی آگے تھی اور ایکٹرسوں کی گاڑی پیچھے تھی۔ میں نے ایکٹرسوں کی گاڑی کو روکا تو انہوں نے حقارت سے کہا "پیچھے ہٹ جاؤ" "ہمیں کھر نے بلوایا ہے" جس پر انہیں بلاچوں چراں اندر جانے دیا۔ اور پھر جب تک وہاں ملازم رہا کبھی کسی عورت کو اندر جانے سے نہیں روکا۔

اسی زمانے میں کھر نے فلم سٹار زمرد کی بہن اور رقاصہ "ادا" سے مراسم پیدا کر لیے۔ "ادا" اس وقت تک ایک فلم میں کام کر چکی تھی اور بطور رقاصہ خاصی مقبول تھی۔ کھر نے جب اس سے شادی کا مطالبہ کیا تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ شادی کر کے اپنی مارکیٹ ویلیو خراب نہیں کرنا چاہتی۔ "ادا" فلموں میں زیادہ کامیاب نہ ہو سکی اور اشتہاروں تک محدود رہ گئی۔ اس کے بارے میں یہ بھی مشہور ہے کہ وہ "ترانہ" کے ساتھ یحییٰ خان کی شبینہ محفلوں کی زینت بنی تھی۔

جن دنوں کھر کے ادا کے ساتھ گہرے مراسم تھے' اسی زمانے میں بازار حسن کی ایک اور رقاصہ طاہرہ بھی گورنر ہاؤس کی خصوصی محفلوں میں اکثر نظر آتی تھی۔ کھر کے احباب میں ان دنوں یہ خیال عام تھا کہ وہ طاہرہ سے شادی کرنے والے ہیں مگر سیاسی مجبوریوں کے باعث شادی نہ کر سکے۔

اسی زمانے میں مصطفیٰ کھر نے ایک مشہور گلوکارہ سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔ متعدد بار گلوکارہ کے گھر گئے' لیکن اس کی ماں نے شدید دباؤ کے باوجود کھر کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ انہی دنوں کھر اپنے ایک بھائی کی شادی کے لیے جنرل رانی سے بھی روابط بڑھاتے نظر آئے۔ وہ جنرل رانی پر دباؤ ڈالتے رہے کہ وہ اپنی بیٹی کے ہمراہ گورنر ہاؤس آئے۔ لیکن اس نے انکار کر دیا۔ کھر کو بہت غصہ آیا' وہ موقع کی تلاش میں رہے' اتفاق سے جلدی موقع ہاتھ لگ گیا۔ جنرل رانی' مصطفیٰ کھر کی سابق محبوبہ رقاصہ نیل کنول کے ہمراہ انٹر کانٹی نینٹل لاہور میں مقیم تھی۔ رات کو اس نے "محفل" سجائی۔ پولیس کا چھاپہ پڑا۔ جنرل رانی' نیل کنول وغیرہ گرفتار کر لی گئیں۔ گرفتاری کے اگلے دن ہی جنرل رانی نے بتایا کہ "مصطفیٰ کھر نے اسے محض اس لیے گرفتار کرایا ہے کہ اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ کھر

کے بھائی کو دینے سے انکار کر دیا تھا۔"

(ہفت روزہ "الفتح" 15 اکتوبر 1976ء)

غلام مصطفیٰ کھر لڑکیوں سے تعلقات قائم کرنے کے بارے میں اس قدر بدنام ہو چکے ہیں کہ ایک مرتبہ مشہور سیاسی شخصیات نے کہا تھا کہ "میں کبھی اپنی بیوی اور اپنی بچی کا تعارف مصطفیٰ کھر سے کرانا پسند نہیں کروں گا۔"

غلام مصطفیٰ کھر کی باقی کہانی اس کی محبوب بیگم تہمینہ درانی کی زبانی سنتے ہیں۔

تہمینہ کھر کے انکشافات

"امی کی خواہش تھی کہ رات میں انہیں کے پاس گزاروں۔ ان کے ہاں کچھ اور مہمان بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ سٹنگ روم میں ہمارے لئے بستر لگا دیا گیا۔ مجھے فوراً ہی نیند آ گئی۔ بڑی دیر بعد کہیں آدھی رات گئے' مجھے لگا کہ کمرے میں کوئی ہے۔ مجھ پر ابھی تک سکون آور دواؤں کا خمار چڑھا ہوا تھا۔ یونہی سا یاد پڑتا ہے کہ مجھے ایک صورت دکھائی دی۔ مصطفیٰ اٹھ کر کمرے سے چلا گیا۔ مجھ پر نیند کا بڑا غلبہ تھا اور مجھے ٹھیک طرح کچھ علم نہ تھا کہ میں ہوں کہاں پر۔ میں دوبارہ سو گئی۔ خاصی دیر بعد میری آنکھ پھر کھلی۔ میں نے جھلتا مصطفیٰ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ بستر میں نہ تھا۔ بستر میں وہ جگہ' جہاں وہ لیٹا تھا' ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ کمرے میں کوئی آیا تھا اور مصطفیٰ اٹھ کر چلا گیا تھا۔ کیوں چلا گیا تھا؟ یہ مجھے معلوم نہ تھا۔ میں گرتی پڑتی بستر سے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ میں نے لڑکھڑاتی چال سے کچن کا رخ کیا۔ میرے دیکھتے دیکھتے ایک سایہ دوڑ کر سیڑھیاں چڑھا۔ مصطفیٰ' جس نے پورے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے' تیزی سے قدم اٹھاتا میری طرف آیا۔ "تم باہر کیوں آ گئیں؟" اس کی آواز واضح طور پر کھسیائی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ "میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔" "جا کے سو جاؤ۔ تمہیں اس حالت میں ادھر ادھر نہیں پھرنا چاہئے۔" میں اتنی تھکی ہوئی تھی کہ اس وقت پر الزام دھرنے کی نیت سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہ کر سکی۔ صبح مجھے زیادہ ہوش تھا۔ "رات کیا ہوا تھا؟ کوئی کمرے میں آیا تھا۔ کون آیا تھا؟" "اوہ وہ تو عدیلہ (تہمینہ کی چھوٹی بہن) آئی تھی۔" "عدیلہ؟" "ہاں' اس پر ایک

مشکل آ پڑی ہے۔ اس کا کسی ایرانی لڑکے سے میل جول ہے۔ اس میل جول کے حوالے سے اسے بعض مسائل کا سامنا ہے۔ اسے کچھ مشورہ چاہیے تھا اس سلسلے میں وہ مجھ سے بات چیت کرنے آئی تھی۔" "اچھا؟" "تم سو رہی تھیں۔ میں تمہاری نیند خراب نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے اسے لے کر ناشتے کے کمرے میں چلا گیا۔" "تمہیں اس سے یہیں بات کرنا چاہیے تھی۔ آدھی رات گئے اس سے اکیلے میں باتیں کرنا تمہارے لئے نامناسب تھا۔ فرض کرو' اس وقت میرے والد صاحب نیچے آ جاتے۔"

مصطفیٰ اپنی کہانی پر اڑا رہا۔ اس نے مجھے یقین دلا کر چھوڑا کہ عدیلہ کا واقعی کسی ایرانی لڑکے سے میل جول تھا اور وہ اس ضمن میں بات چیت کرنے کی خواہاں تھی۔ وہ مصطفیٰ پر' اسے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر' اعتماد کرتی تھی۔ اور اپنی راز کی باتیں صرف اسی کو بتاتی تھی۔ وہ اسے صحیح مشورے دیتا رہے گا تاکہ عدیلہ کو نہ تو کوئی دکھ یا ضرر پہنچے اور نہ اس سے کوئی احمقانہ حرکت سرزد ہو۔ مصطفیٰ نے اب خاندان کی عزت آبرو کے محافظ کا کردار ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔

مجھے تجسس ہوا کہ کمرے میں عدیلہ کی موجودگی پر منو (تہمینہ کھر کا بھائی) کو اعتراض کیوں تھا۔ واپس آ کر میں نے منو کو فون کیا۔ میں بہت گھبرائی ہوئی تھی۔ اس نے بات اگل دی۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ مصطفیٰ نے عدیلہ کو سکول سے لیا اور دونوں کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ اسے یہ تو معلوم نہ تھا کہ وہ گئے کہاں تھے لیکن ان کی ملاقات تین گھنٹے جاری رہی تھی۔ میں دم بخود رہ گئی۔ منو نے بات جاری رکھی "جب آپ اور مصطفیٰ بھائی کمرے میں داخل ہوئے تو میں عدیلہ کو غور سے دیکھتی رہی۔ میں اس کا رد عمل دیکھنا چاہتی تھی۔ عدیلہ نے اس وقت بھڑکیلا لباس خاص طور پر زیب تن کیا تھا۔ اس نے کپڑے تب بدلے تھے جب اسے خبر ملی تھی کہ آپ دونوں آ رہے ہیں۔"

میں فون ہاتھ میں لئے اس طرح کھڑی کی کھڑی رہ گئی جیسے مجھ میں جان ہی نہ ہو۔ میں جا کے مصطفیٰ سے دوبدو ہوئی۔ اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا اور پورے واقعے کی صداقت سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا کہ یہ سب منو کے ضرورت سے زیادہ فعال تخیل کا کمال ہے "بالکل فضول بات ہے یہ۔ میں بھی عدیلہ

کو کیس لے کر نہیں گیا" اس کی تردید کے بعد تفتیش کی گنجائش نہ رہی۔ میں پوری طرح قائل تو نہیں ہوئی البتہ مکمل بے بسی کے عالم میں اپنا سا منہ لے کر رہ گئی۔

اگلی صبح امی نے بدحواس ہو کر مجھے فون کیا۔ عدیلہ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ کسی کو علم نہ تھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے۔ مصطفےٰ اس روز لورپول روانہ ہونے والا تھا۔ امی نے مدد کے لئے اس سے رجوع کیا۔ اس کے سوا وہ کسی پر بھروسہ کر سکتی تھیں۔ وہ سہمی ہوئی تھیں کہ بات بڑھتے بڑھتے کہیں سکینڈل کی شکل اختیار نہ کرلے اور انہوں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ اپنی بیٹی کی نامعقول حرکت پر پردہ ڈال کر رہیں گی۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں مصطفےٰ سے کہوں کہ وہ عدیلہ کو ڈھونڈنے میں ہاتھ بٹائے۔

مصطفےٰ نے سہ پہر کے وقت فون کیا۔ امی کا ضبط فون سنتے ہی جواب دے گیا۔ انہوں نے مصطفےٰ سے گڑگڑا کر کہا کہ تلاش جاری رکھے۔ یہ ان کے خاندان کی عزت کا سوال ہے۔ خاندان میری شادی کا صدمہ جھیل کر ابھی ابھی سنبھلا تھا کہ یہ نئی آفت ٹوٹ پڑی۔ مصطفےٰ نے ان کی ہمت ڈھارس بندھائی۔ کہا کہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ گھر آرہا ہے۔ اس کے ذہن میں ایک پلان ہے۔

اس نے واپس آکر اپنے منصوبے سے پردہ اٹھایا۔ کہنے لگا کہ وہ امی کے فون اور ہمارے فون پر ٹیپ لگا دے گا۔ اسے پورا یقین تھا کہ کسی نہ کسی مرحلے پر عدیلہ ہم سے رابطہ کرے گی۔ اس کے فون کرتے ہی ہم اس کا کھوج لگا لیں گے۔ میں نے متعلقہ انتظامیہ سے بات کر لی ہے۔ وہ عدیلہ کی تلاش میں ہماری مدد کرنے پر رضامند ہیں۔ جاتے وقت وہ مجھ سے کہہ گیا کہ میں گھر جا کر فون کے پاس بیٹھی رہوں۔ ہم روانہ ہوئے۔ جب ہم گھر جا رہے تھے تو راہ میں رک کر اس نے ایک آف لائسنس

("خرید لو اور ساتھ لے جاؤ") دکان سے دو بوتلیں وائن کی خریدیں۔ مجھے اس کی یہ حرکت بڑی بے تکی معلوم ہوئی۔ میں نے کہا "اس وقت تمہیں وائن کا خیال کیسے آسکتا ہے؟ سب کچھ تو چوپٹ ہوا پڑا ہے۔ تمہیں وائن کی چسکیاں لگانے کی فرصت کب ملے گی؟" اس نے بڑبڑاتے ہوئے کچھ اس طرح کی بات کی کہ اس کے پاس

وائن کا سٹاک ختم ہو گیا ہے اور اس کا ذہن ٹھیک طرح کام نہیں کر رہا۔ یہ بے سروپا جواب تھا جو دل کو نہیں لگا۔ اس کا طرزِ عمل فریب سے خالی نہ تھا۔ وہ رنگے ہاتھوں پکڑا ہی جانے والا تھا۔ اس لئے فاش غلطیاں سرزد ہو رہی تھیں۔ مجھے گھر اتار کر وہ چلا گیا۔

ہمارے فون بجتے رہے۔ عدیلہ کا کوئی فون نہ آیا تھا۔ بس دونوں گھر فون کے ذریعے آپس میں رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ابھی نہ ادھر کچھ پتہ چلا تھا نہ ادھر۔ مصطفےٰ بھی غائب تھا۔

میں نے نک کی آواز سنی' میں انتظار کرتی رہی۔ بیس منٹ بعد مصطفےٰ کا فون آیا۔ کہنے لگا کہ عدیلہ کی کال کا کھوج مل گیا ہے۔ اب وہ کار لے کر عدیلہ کی طرف جا رہا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ مجھے دوبارہ فون کرے گا۔

میں اس وقت پورے دنوں سے تھی۔ دائی عائشہ اور نصیبہ کو ساتھ لے کر میں لیک کریلس پہنچی۔ میں نے جو قفتان پہن رکھا تھا وہ زچہ گون کا کام بھی دے رہا تھا۔ مجھے زور آزمائی ترک کرنی پڑی۔ مصطفےٰ تقریباً ہاتھ پر ہاتھ دھرے تماشا دیکھتا رہا۔ ہم نے طے کیا اور عدیلہ نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی کہ ہم رات ہوٹل میں گزاریں گے۔ تاکہ کسی فیصلے پر پہنچ سکیں۔ میں عدیلہ کو رات بھر کے لئے تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی۔

امی جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں مصطفےٰ باہر چلا گیا۔ جب وہ جانے لگا تو میں نے دیکھا کہ وہ بہت کھسیانا نظر آرہا ہے جیسے اس کے دل میں چور ہو۔ سارا معمہ حل ہو گیا۔ میرے ہواس جاتے رہے لیکن جو کچھ اب مجھ پر آئینہ ہو چکا تھا میں نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

مختلف تصویریں تیزی سے میرے ذہن سے گزریں۔ کس طرح انہوں نے

صبح ساتھ گزاری ہوگی۔ وائن کی دو بوتلیں۔ عدیلہ کا مجھے فون کرنا۔ جب اس نے فون کیا تو کیا مصطفےٰ اس کے پاس تھا؟ کیا وہ مل کر ہمارا مذاق اڑا رہے تھے؟ یہ کس طرح کا ذہن ہے جو ایسی لمبی چوڑی بوجھ بجھول کا تانا بانا بن سکتا ہے؟ میں اسی بستر پر سوتی رہی تھی۔ انہیں چادروں پر۔ میرا جی متلانے لگا۔

امی نے کہا کہ میں عدیلہ کو ساتھ لے جاؤں۔" مصطفےٰ' دن بھر مزے اڑانے کے بعد 'اور چلا جا چکا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ عدیلہ سے بات کروں لیکن اس نے خواب آور گولیاں کھا کر ایسی لمبی تانی کہ دن بھر سوئی رہی۔ مجھے اضطراب کے عالم میں نیند کہاں آتی مصطفےٰ اسی شام لوٹ آیا۔ عدیلہ جاگ گئی۔

مصطفےٰ نے آکر مجھ سے کہا کہ عدیلہ اس کے ساتھ اکیلے میں بات کرنا چاہتی ہے۔ "میرا خیال ہے کہ مجھے اس کی تھوڑی سی خبر لینی چاہیے۔ اسے کچھ تیز سکھانی پڑے گی۔ اس لئے اگر تھوڑی دیر تم ہمیں تنہا چھوڑ دو تو ہم دو دو باتیں کر لیں۔" "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ میری موجودگی میں بات کیوں نہیں کر سکتی؟ آخر میری بہن ہے۔ اسے ڈر کس بات کا ہے۔" "اسے تم میں سے کسی پر اعتبار نہیں۔ تم اس کے مسائل سے اپنی امی کو آگاہ کر دیتا۔ ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی سے بات کرے جس پر اسے اعتبار ہو' جو بڑی عمر کا ہو۔" میں نے حسب معمول ہتھیار ڈال دیے۔ عدیلہ اور مصطفےٰ کو راز و نیاز کے لئے میرے اپنے گھر میں تنہا چھوڑ دیا گیا۔ انہیں تخلیہ فراہم کرنے پر مجبور تھی۔ میں یہ جاننا چاہتی تھی کہ میرے ساتھ دھوکا کیا جا رہا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا۔ میری سوچنے کی صلاحیت قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ تمام تار مصطفےٰ ہلا رہا تھا۔ میں محسوس کرتی تھی کہ اس نے جان بوجھ کر میرے تمام تار الجھا دیے ہیں۔ تاکہ میں کسی بے مصرف کٹھ پتلی کی طرح لٹکی رہوں۔

امی' قرآن ہاتھ میں لئے' غصے میں کھولتی ہوئی آئیں۔ انہوں نے مصطفےٰ پر الزام لگایا کہ اس نے ان کی نابالغ لڑکی کو برباد کر دیا ہے۔ "تم مکار اور خبیث آدمی ہو۔ تخریب تمہاری فطرت میں داخل ہے۔ میں تمہیں خبردار کرتی ہوں کہ ہمارے خاندان کی عزت سے مت کھیلو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میری بیٹی کو فی الفور میرے پاس بھیج دو۔ میں اسے تمہارے گھر میں نہیں رہنے دوں گی۔"

مصطفےٰ پر اس بات کا کوئی اثر نہ ہوا کہ اس کے کردار کی ایسی تیسی کی جا رہی ہے۔ "آپ کو کیا پتا؟ میں نے اس خاندان کی عزت کی حفاظت کی ہے۔" منو نے بات کاٹ کر مصطفےٰ پر الزام لگانا شروع کیا کہ وہ ایک نابالغ لڑکی کا اخلاق بگاڑتا رہا

ہے۔ منو نے نہایت بدتمیزی سے گفتگو کی۔

میں معلوم کرنا چاہتی تھی کہ حقیقت کیا ہے۔ مجھے اپنے اردگرد صرف فریب کا جال نظر آ رہا تھا۔ میں نے مصطفےٰ کو بٹھا کر بات کی۔ اس کی منت سماجت کی کہ میرے شبہات دور کر دے۔ میں نے اس سے کہا کہ میں اس کا دفاع صرف اسی صورت میں کر سکتی ہوں کہ مجھے حقائق کا علم ہو۔ اس اثناء میں مصطفےٰ ایک نیا سکرپٹ تیار کر چکا تھا۔ اس گھریلو داستان میں' جو ابھی جاری تھی۔ ایک نیا پیچ ڈالا گیا۔ "منو ٹھیک کہتا تھا۔ اس دن میں نے عدیلہ کو سکول سے پک کیا تھا۔ منو نے ضرور ہمیں دیکھ لیا ہوگا۔ میں کسی کو بتانا نہ چاہتا تھا کہ میں کس لئے عدیلہ کو ساتھ لے جا رہا ہوں۔ اس لئے میں نے منو کی بات جھٹلا دی۔ عدیلہ کو حمل ٹھہر گیا تھا۔ اسی ایرانی لڑکے سے۔ میں حمل ضائع کرانے کے لئے اسے ایک کلینک لے گیا تھا۔ میں تمہارے خاندان کی عزت کا تحفظ کر رہا تھا۔ اس کے بدلے مجھے نابالغ لڑکی پھنسانے والے کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ عجیب دنیا ہے جہاں نیکی کرنے کی بھی سزا ملتی ہے۔"

اپنے میاں کی بے گناہی کے اس تازہ ثبوت سے لیس ہو کر میں امی کے پاس پہنچی۔ جو کچھ مصطفےٰ نے کہا تھا ان کے گوش گزار کیا۔ امی کو اس کہانی پر یقین نہ آیا۔ انہوں نے ثبوت طلب کیا۔ کہنے لگیں کہ انہیں اسقاط پر خرچ ہونے والی رقم کی رسید لا کر دکھائی جائے' ایسی کوئی رسید مصطفےٰ کے پاس نہ تھی۔ امی نے جاننا چاہا کہ حمل کہاں ضائع کرایا گیا تھا۔ مصطفےٰ نے مجھے بتایا ہی نہ تھا۔ اس کی کہانی میں پھر جھول پڑنے لگے۔ وہ اپنی بے گناہی پر ضرورت سے زیادہ اصرار کر رہا تھا۔ وہ اس وقت تک مجرم تھا جب تک اپنی بے گناہی ثابت نہ کر دے۔ بار ثبوت اس کے ذمے تھا۔ اس کا دفاع بہت کمزور نظر آ رہا تھا۔

ان صبر آزما حالات میں میری بیٹی ثنا پیدا ہوئی۔ ایک بار پھر میں بالکل اکیلی تھی اور میں اس وقت اپنے گھر والوں سے بچھڑ گئی جب مجھے ان کے جذباتی سہارے کی ضرورت تھی۔ مصطفےٰ میرے پاس تھا۔

جب ہم گھر لوٹے تو میں نے مصطفےٰ کو ٹیلی فون پر ہونے والی اس بات چیت

کے بارے میں بتایا جو میرے سننے میں آئی تھی اور یہ بھی کہ کس طرح میں نے اس پر حرف نہ آنے دیا تھا۔ وہ مجھے گھورنے لگا۔ اس کے بعد اس پر سراسر جنون طاری ہو گیا۔ اسے اپنے حواس پر قابو نہ رہا۔ وہ دیوانوں کی سی حرکتیں کرنے لگا۔ اس نے اپنی دونالی بندوق اٹھا کر اس کے کندے سے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ میں گر پڑی۔ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے پے در پے مجھ پر ضربیں لگائیں۔ میرے سر میں زخم آ گیا۔ جب خون بہنے لگا تو اس نے ہاتھ روکا۔ غصے سے کانپتے ہوئے اس نے کہا "ابھی اسی لمحے اپنی امی کو فون کرو۔ انہیں بتاؤ کہ تم پاگل ہو۔ انہیں بتاؤ کے یہ ساری باتیں تم نے دل سے گھڑی ہیں۔ فون اٹھاؤ۔" وہ دہاڑا۔ "میں ------ میں یہ نہیں کر سکتی۔ انہیں میری ہر بات کا ہرگز یقین نہ آئے گا۔ میں اپنا بیان کیسے بدلوں۔ انہیں شبہ ہو جائے گا کہ ------" وہ پھر مجھے مارنے لگا۔ "کھڑی ہو جاؤ کتیا کہیں کی۔" میں بڑی مشکل سے اٹھی۔ "اپنے کپڑے اتار۔ ایک تار بھی بدن پر نہ رہے۔ اتار کپڑے۔" میں کانپنے لگی۔ اس نے میری بانہہ اس طرح مروڑی جیسے بانہہ نہ ہو پیچ کس ہو وہ مجھے کپڑے اتارتے دیکھتا رہا۔ اب میں بالکل ننگ دھڑنگ لونگ روم کے بیچوں بیچ کھڑی تھی۔ میرے زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ اس سے بڑی تذلیل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دائی اور بلال کمرے کے باہر میری دونوں بچیوں کے ساتھ کھڑے تھے۔

مصطفیٰ نے میرا جائزہ لیا۔ سر سے پاؤں تک نظر ڈالی۔ وہ مجھے ننگا کر کے میرے ذہن میں زبردستی داخل ہونا چاہتا تھا۔ میں خود کو بے بس اور تنہا محسوس کر رہی تھی۔ مجھ پر مکمل مایوسی کا عالم تھا۔ میں جس شکنجے میں گرفتار تھی اس کی وجہ سے میرا یہ احساس دوچند ہو گیا تھا کہ میں باقی دنیا سے کٹ چکی تھی۔ میں خود کو ڈھانپنا چاہتی تھی۔ اس آدمی کے سامنے جس کی زبان "شرم" اور "حیا" کی فضیلت کا پرچار کرتے نہ تھکتی تھی۔ اب اس نے مجھے اپنا نجی تماشا بنا چھوڑا تھا۔ "پلیز، مصطفیٰ مجھے

کپڑے تو پہننے دو۔" "فون اٹھاؤ۔ اپنی امی سے بات کرو۔ پھر ہم دیکھیں گے۔" "میں کپڑے پہنے بغیر فون نہیں کر سکتی۔" اس نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ میرے پورے خاندان کو پن کر رکھ دیا۔ میرے حواس ارد گرد پھیلے ہوئے خلا میں گم ہو گئے۔ میں جدھر ہاتھ پھیلاتی کچھ ہاتھ نہ آتا۔

مصطفیٰ نے سب سے پہلے اپنے والد کے اصرار پر اپنی رشتے دار وزیرہ سے شادی کی۔ یہ جاگیردارانہ رسموں اور رواجوں کے عین مطابق تھا۔ بیوی کی عمر مصطفیٰ سے کہیں زیادہ تھی۔ مصطفیٰ اس وقت بمشکل سترہ برس کا تھا۔ زناشوئی کا رشتہ قائم ہو گیا اور وزیرہ کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ مصطفیٰ کا دم گھٹنے لگا۔ وہ گاؤں سے بھاگ گیا۔ اصل میں وہ ازدواج سے بچنے کے لئے فرار ہوا تھا۔ بیوی کو چھوڑ کر بھاگ جانے پر اس کے والد نے طیش میں آ کر اسے خوب برا بھلا کہا اور عاق کر دینے کی دھمکی دی۔ مصطفیٰ ان پڑھ بیوی کے پاس لوٹنے کو تیار نہ تھا۔ اس میں وزیرہ کا کوئی قصور نہ تھا۔ انہیں ایک بے لوچ نظام نے بیاہ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ خود مصطفیٰ بھی کوئی خاص پڑھا لکھا یا باخبر نہیں تھا۔ اس نے جو زندگی گزاری تھی اس میں دوسروں سے ملنے ملانے کے مواقع بہت کم تھے۔ وہ ابھی ایک جگہ ٹک کر گھر بار کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اسے جوانی کے مزوں کا نیا نیا پتہ چلا تھا اور وہ انہیں لوٹنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ بھاگ کر پہلے ملتان آیا اور شہر کو چھان مارا۔ اس کے بعد اس نے لاہور کا رخ کیا۔ لاہور دیکھ کر کوٹ ادو سے آنے والے دیہاتی کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ جب وہ دیکھتا کہ عورتیں، فیشنی انداز میں بال سجائے، کاروں میں سٹیرنگ وہیل سنبھالے چست ڈٹی ہوئی ہیں تو بس ہونقوں کی طرح تکتا ہی رہ جاتا۔

مری میں مصطفیٰ کو فردوس مل گئی جو اس کے ایک نئے بنے دوست شفیع کی داشتہ تھی۔ فردوس حاملہ تھی۔ شفیع رفو چکر ہو چکا تھا۔ فردوس سے شادی کرنے کی کچی قسم کھانے کے بعد اب وہ اپنے قول قرار سے منکر ہو گیا تھا۔ صدمے کی وجہ سے لڑکی کی بری حالت تھی۔ اسے کسی کے کندھے کی ضرورت تھی جس پر وہ سر رکھ کر رو سکے۔ مصطفیٰ نے اپنا کندھا پیش کیا۔ وہ فردوس اور اس کی ماں کے پاس ٹھہرا ہوا تھا۔

غلط فہمی کی بنا پر ہمدردی کو محبت سمجھ لیا گیا۔ مصطفیٰ نے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اس طرح کی حرکت تھی جو آدمی جوش میں آ کر بیٹھتا ہے۔ لڑکی حاملہ تھی۔ اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ شکل کی اچھی تھی اور تھوڑی سی پڑھی لکھی بھی تھی۔ وہ نسبتاً زیادہ مہذب تھی۔ مصطفیٰ کے لئے معیاروں کا تعین ابھی

وصلت کی انہیں عورتوں کے حوالے سے ہوتا تھا جن سے پیچھا چھڑا کر وہ بھاگ آیا تھا۔ مصطفےٰ کو اس بنا پر کچھ پریشانی نہ تھی کہ فردوس شفیع کی داشتہ رہ چکی تھی۔ اسے یہ پروا بھی نہ تھی کہ فردوس کی ماں چھوٹا موٹا سا چکلا چلا رہی ہے۔ اس کی نظر میں فردوس ایسی عورت تھی جس کی آبرو تو لٹ چکی تھی مگر وہ تھی دل کی کھری۔ وہ معاشرے کی ستائی ہوئی تھی۔ فردوس نے ایک بچے کو جنم دیا۔ مصطفےٰ نے اس کا نام اپنے نام پر رکھا۔ فردوس جلد ہی دوبارہ حاملہ ہو گئی۔ بلو نے جنم لیا۔ مصطفےٰ ان سب باتوں سے سٹپٹا سا گیا۔ کسی نہ کسی وجہ سے اسے زچگیوں سے چڑ تھی جیسے بچے جننے والی عورت اس کے ساتھ کوئی دشمنی نکال رہی ہو۔ ان مواقع پر اس کی سرشت کا بدترین پہلو سامنے آ جاتا تھا۔ جونہی کوئی عورت اس کے نطفے کو پیٹ میں پالنا شروع کرتی وہ اس سے متنفر ہو جاتا۔ ابھی فردوس ہسپتال میں زچگی کے بعد سنبھالے رہی تھی کہ مصطفےٰ نے اسے طلاق کے کاغذات بھجوا دیئے۔ اس نے ایک بار پھر غلط وجہ سے شادی کی تھی۔ رحم اور ترس پروان چڑھ کر محبت کا روپ نہ دھار سکے۔

اس کی نئی محبوبہ لاہور کے ایک کالج کی طالبہ تھی۔ بہت سال بعد مصطفےٰ نے میرے سامنے اعتراف کیا کہ اسے محبت ہوئی تھی تو بس اس لڑکی سے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ان کی محبت کی تکمیل نہ ہو سکی۔ مجھے اس وقت تک پتہ چل چکا تھا کہ مصطفےٰ ایسی عورتوں سے اکتا جاتا ہے۔ انہیں ہر وقت ہوا میں لٹکتے ہوئے رہنا پڑتا تھا۔ وہ لڑکی بہت سیدھی سادی تھی۔ اس نے مصطفےٰ کے دکھ درد کو جان لیا اور سہارا فراہم کر دیا جس کے لیے وہ بلک رہا تھا۔ علاوہ ازیں اس سے والہانہ محبت بھی کرتی تھی۔

انہوں نے فرار ہونے کی کوشش کی لیکن ملتان جاتے ہوئے اثنائے راہ میں پکڑے گئے۔

قومی اسمبلی کے رکن کے طور پر مصطفےٰ سفر میں رہتا۔ طیاروں کے ذریعے کبھی یہاں کبھی وہاں۔ جلد ہی اس کی صفیہ نامی ایک ایئرہوسٹس سے ملاقات ہو گئی۔ مصطفےٰ قومی اسمبلی کے سیشن میں شرکت کرنے ڈھاکہ جا رہا تھا۔ طیارے پر کھانا پیش کیا جانے لگا۔ مصطفےٰ نے دیکھا کہ دو پیارے پیارے ہاتھ بڑے قرینے سے اس کی پلیٹ

میں کری ڈال رہے ہیں۔ نظر اٹھائی تو سبز رنگ میں ملبوس ایک صورت دکھائی دی جس پر چھلاوے کا گمان ہوا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ مصطفےٰ ساتویں سیڑھی پر اوپر کی طرف گامزن تھا۔ تیس ہزار فٹ خاصی بلندی ہوتی ہے۔ طیارے سے اترتے وقت وہ ترنگ میں آ کر مڑا اور صفیہ سے دریافت کیا کہ کیا دوبارہ ملاقات ہو سکتی ہے۔ صفیہ نے لجا کر اثبات میں سر ہلایا۔ ڈھاکے میں اگلے دو دن صفیہ کے ساتھ گزارے۔

یہ ایک چھوٹا سا رومانی واقعہ تھا اور بس۔ جب امور مملکت اس کی توجہ کے طالب ہوتے تو ظاہر ہے وہ انہیں کو اولیت دیتا۔

اب صفیہ گورنر ہاؤس میں اٹھ آئی۔ اس شادی کی بھی بس راکھ ہی باقی رہ گئی تھی۔ سلگتے انگاروں کو وقت نے کبھی کا بجھا ڈالا تھا۔

مصطفےٰ کے بھائی گورنر ہاؤس اس سے ملنے آئے۔ اسے بتایا گیا کہ صفیہ نے اس سے بے وفائی کی ہے۔ "اب آپ گورنر ہیں۔ یہ آپ کی عزت کا معاملہ ہے۔ صفیہ نے آپ کے چھوٹے بھائی 'غلام مرتضیٰ' سے ناجائز تعلقات قائم کر لیے تھے۔ ہم اس بات کو آپ سے مزید نہیں چھپا سکتے۔"

مصطفےٰ کی آنکھوں میں دنیا اندھیر ہو گئی۔ زندگی میں یہ پہلی عورت تھی جس نے اس کی عزت میں بٹا لگانے کی جرات کی تھی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کہ اس نے صفیہ کی زندگی برباد کر دی تھی یا تو بہار سے محروم کر دی تھی یا پچھلے تیرہ ماہ کے دوران صرف چند گھنٹے کے لیے اس کے پاس گیا تھا یا اسے صفیہ سے محبت کبھی تھی ہی نہیں۔ جاگیردارانہ قانون کی رو سے مرد کو یہ سب کچھ کرنے کی آزادی ہے۔ عورت اس کے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتی۔ یہ عظیم ترین گناہ ہے۔ اس سے مرد کی مردانگی کو زک پہنچتی ہے۔ اگر مرد کو پتہ نہ ہو کہ اس کی بیوی کسی اور کے ساتھ داد عیش دے رہی ہے تو لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر دبی دبی آواز میں ہنستے اور سرگوشیاں کرتے ہیں۔ مصطفےٰ نے شکستہ دل ہو کر اپنے کمرے کی خلوت میں پناہ لی۔

اس نے صفیہ کو بے دردی سے مار دیا۔ سننے میں آیا ہے کہ اس نے صفیہ

اور وائی عائشہ دونوں کے اندام میں پسی ہوئی لال مرچیں بھی ٹھونسیں۔ دونوں کو ہسپتال لے جانا پڑا۔ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ مصطفےٰ نے وائی عائشہ کو تقریباً جان سے مار ڈالا۔ اسے اس معاملے کا شروع سے علم تھا۔ اس نے اپنی صفائی میں سیدھی سی بات کی۔ "میں آپ کو بتانے کی جرات کیسے کرتی۔ میری وجہ سے خاندان میں فساد پڑ جاتا۔ آپ کا بھائی مجھے مار ڈالتا۔ وہ میری بوٹیاں ابال کر اونٹوں کو کھلا دیتا۔"

مجھے دور ہونے کی دیر تھی کہ مصطفےٰ زیادہ بے دھڑک ہو کر مجھ سے پینگ بڑھانے لگا۔ ہم ٹیلی فون پر گھنٹوں باتیں کرتے رہتے۔ اس نے مجھ سے منوا لیا کہ انیس (میرا پہلا خاوند) کے ساتھ میری شادی ختم ہو چکی ہے اور میرا مستقبل اس کی ذات سے وابستہ ہے۔ وہ فون پر بہت اچھی گفتگو کرتا تھا۔ ہم اکثر ملتے اور اپنے جذبات کے وفور کو ہوش و حواس پر حاوی آ جانے دیتے۔ ہم دیوانہ وار محبت میں مبتلا تھے۔ احتیاط' اخلاقیات اور تمیزداری کو بالائے طاق رکھ دیا گیا تھا۔

مصطفےٰ کو ہر وقت مجھ سے کوئی نہ کوئی تقاضا رہتا۔ وہ احتیاط کا قائل نہ تھا۔ میں سہمی رہتی تھی کہ کہیں اوروں کو خبر نہ ہو جائے۔ احساس جرم مجھے ستاتا رہتا۔ مصطفےٰ مکمل طور پر پرسکون نظر آتا۔ کبھی کبھی تو میں باور کر لیتی کہ وہ چاہتا ہے کہ ہماری خفیہ آشنائی کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹ جائے۔ اس کی خواہش تھی کہ اس معاملے سے متعلق باقی دو لوگوں یعنی شیریں اور انیس کو بھی ہمارے تعلقات کا پتہ لگنا چاہیے۔ وہ چاہتا تھا کہ ہماری شادیوں کا ٹنٹا ختم ہو تا کہ ہم آزاد ہو کر ساتھ رہ سکیں۔

جو دل میں آ جائے اسے فوراً کر ڈالنے کی عادت۔ مصطفےٰ فون کرکے کہتا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے' ابھی ابھی۔ انیس گھر پر ہے۔ ملنے میں بہت خطرہ ہے۔ مصطفےٰ کو کوئی پروا نہ تھی۔ وہ مجھ سے ملنے کا کوئی نہ کوئی طریقہ ڈھونڈ لیتا۔ ہماری ان ملاقاتوں کا ایک مزاحیہ پہلو بھی تھا لیکن اب ان گزری باتوں پر غور سے نظر ڈالتی ہوں تو وہی پہلو بے دردی اور بے حسی کی عبارت معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے لئے اب ایک دوسرے سے الگ رہنا ناممکن ہو گیا تھا۔ فیصلہ کرنے کی گھڑی آ پہنچی تھی۔

مصطفےٰ نے فون کیا۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتا تھا۔ فی الفور۔ کہنے لگا کہ میں تمہاری

طرف آ رہا ہوں۔ "لیکن کیسے؟ انیس گھر پہ ہے۔ تم نہیں آ سکتے۔" "فکر مت کرو۔ میں اسے گھر سے دفان کئے دیتا ہوں۔ چٹکی بجانے میں۔"

دو منٹ بعد فون بجا۔ گورنر ہاؤس سے فون تھا۔ انیس کے لئے۔ میں نے ریسیور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ سنتا اور سر ہلاتا اور ہوں ہاں کرتا رہا۔ اس نے ریسیور واپس رکھ دیا۔ چہرے پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ "مجھے گورنر ہاؤس جانا ہے۔ مصطفےٰ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ گورنر کو مجھ سے کوئی بات کرنی ہے۔" وہ چلا گیا۔ اس قدر عجلت کے ساتھ جو زیب نہیں دیتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد مصطفےٰ آ موجود ہوا۔ "انیس کہاں ہے؟" میں نے سانس روک کر پوچھا۔ "تیر رہا ہے۔" مصطفےٰ نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

انیس گورنر ہاؤس پہنچا۔ مصطفےٰ نے اس سے ملاقات کی۔ پھر اس نے انیس سے کہا کہ وہ ذرا نہانے کے تالاب میں ڈبکی لگائے کیونکہ اسے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔ وہ جلدی لوٹ آئے گا۔ انیس کو مصطفےٰ کے دوست 'رؤف خان' نے نہانے کا جانگیا دیا اور ٹھیل ٹھیل کر تالاب میں اتار دیا۔ اس کا دل بڑھاتے رہے تاکہ وہ تیرتا ہی رہے۔ جب وہ باہر آتا تو رؤف اسے کھینچ کھانچ کر دوبارہ تالاب میں لے جاتا۔ وہاں وہ زبردستی ادھر سے ادھر تیرنے میں مشغول تھا یہاں مصطفےٰ اور میں ساتھ تھے۔ فون بجا۔ فون گورنر ہاؤس سے آیا تھا۔ "جناب' ہم اب اسے زیادہ دیر پانی میں ٹھہرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ وہ تھکن کے مارے بیہوش ہو جائے گا۔ اس کا جسم ٹھنڈا پڑ گیا ہے اور وہ تنگ آ چکا ہے۔" "پانچ منٹ بعد باہر نکال دینا۔ کہنا کہ میرا ابھی ابھی فون آیا تھا۔ میں پندرہ منٹ میں وہاں پہنچ جاؤں گا۔" ہم بے رحمانہ انداز میں ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

پنجاب کے اندرون میں واقع کسووال میں میری ایک عزیزہ رہتی تھیں۔ میں نے ان سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ میں آ کر کچھ دیر ان کے پاس رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے ایسی جگہ درکار تھی جس تک مصطفےٰ کی رسائی نہ ہو سکے۔ میں اس کے بغیر زندگی گزارنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی۔ کسووال مثالی مقام تھا۔ نہ سڑکیں' نہ بجلی' نہ ٹیلی فون' میں اپنی شیرخوار بچی 'تانیا' کو ساتھ لے کر کسووال چلی گئی۔

مصطفےٰ لاہور لوٹا۔ یہ پتہ چلنے پر کہ میں شہر چھوڑ کر چلی گئی ہوں' وہ ششدر رہ گیا۔ اس نے وہی کیا جو فوری طور پر دل نے سمجھایا۔ اس نے گورنر کے طیارے کو حکم دیا کہ اسے اوکاڑہ پہنچایا جائے۔ اپنی سرکاری مرسیڈیز' پانچ سو ایس۔ای۔ایل (S.E.L-500)' اس نے سڑک کے راستے اوکاڑہ بھجوادی۔ جب وہ اوکاڑہ اترا تو کار اس کی منتظر تھی۔ وہ تاج الملک اور پائلٹ کو ساتھ لے کر کسووال میں وارد ہوا۔

عجیب منظر تھا۔ پنجاب کا گورنر' کسی پیشگی اعلان کے بغیر' پروٹوکول کے بغیر کسووال پہنچا ہوا ہے۔ اس دنیا جہان سے الگ تھلگ' اجڑی بجڑی جگہ کے رہنے والے غریب غرباء حیران بھی ہوئے اور مرعوب بھی۔ مصطفےٰ کسووال کے تنگ گلی کوچوں میں اکٹھے ہونے والے حیرت زدہ ہجوم کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتا رہا۔ پی۔پی۔پی کے لئے مزید ووٹ یقینی ہوگئے۔ گورنر کو صوبے کے اندرون کا خیال ہے۔ یہ خبر قومی پریس میں آئی۔ یہ کسی کو پتہ نہ تھا کہ اس نے صرف ایک عورت کی خاطر اس ویرانے تک جانے کیلئے قدم اٹھایا تھا۔

شور و غوغا سن کر میں تو حواس باختہ ہوگئی۔ میں نے کار کے آنے کی آواز سنی۔ پلک اٹھا کر دیکھا تو وہ سامنے کھڑا تھا۔ "تمہیں لاہور واپس چلنا ہوگا۔ ابھی۔ میں تمہارے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا۔"

رشتے داروں کے سامنے بہانے بنانے کے سوا چارہ کیا تھا۔ میں نے کہا کہ پنجاب کا گورنر میرے میاں کا دوست ہے۔ مجھے جانا ہی پڑے گا۔ وہ میرے خوابوں خیالوں پر چھایا ہوا تھا۔ میں نے اپنے عزیز و اقارب کو خدا حافظ کہا جو بہت مرعوب ہو چکے تھے اور ابھی سے اس مشہوری کے خیال سے ہونٹ چاٹ رہے تھے جو گورنر کی آمد سے ان کے حصے میں آنے والی تھی۔

ہم' میری بچی' مصطفےٰ اور میں' ایک ساتھ رخصت ہوئے۔ ہم اوکاڑہ پہنچے۔ میرے لئے اس طرح سفر کرنا ضروری تھا کہ کوئی مجھے پہچان نہ سکے۔ میں نے بستر کی سفید چادر سے کام چلاؤ سا پردہ تیار کیا' ایسی چادر جس میں سے صرف میری آنکھیں

نظر آ رہی تھیں۔ ہم گورنر کے طیارے پر سوار ہوئے اور لاہور روانہ ہوگئے۔

مصطفےٰ طیارے سے اترا' سرکاری کار میں بیٹھا اور سائرنوں کے شور میں' موٹر سائیکل سوار' جلوداروں کے ساتھ گھر کا رستہ لیا۔ میں بھیس بدل کر باہر آئی۔ ایک اور کار میں سوار ہوئی جس میں رنگین شیشے لگے تھے اور پیچھے پیچھے چل پڑی۔

میرے شوہر کو مصطفےٰ نے ایک انتہائی خفیہ مشن پر پشاور چلتا کر دیا تھا۔ اسے وہاں ایک اہم "صرف آپ کے پڑھنے کے لئے" خط کسی کو پہنچانا تھا لیکن اسے مکتوب الیہ سے ملانے میں ٹال مٹول سے کام لیا گیا تاکہ وہ پشاور میں مجبوراً رکا رہے۔ مصطفےٰ کا دوست' رؤف خان' اسے ہوائی اڈے پر چھوڑ کر آیا تھا تاکہ اس کی روانگی کے بارے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ وہ اپنے مشن کی تکمیل کے بغیر واپس نہ آسکتا تھا۔ ادھر مصطفےٰ بدنصیب انیس کو واپس بلانے سے پہلے خود اپنے مشن کو یقینی طور پر تکمیل تک پہنچانے کے لئے تلا بیٹھا تھا۔

ہم گورنر ہاؤس پہنچے۔ میری بچی اور اس کی انا میرے ساتھ تھی۔ ہمیں صدارتی سوئٹ میں ٹھہرایا گیا۔ مصطفےٰ نے ڈنر میرے ساتھ تناول کیا۔ اس کے چہرے پر کمال کی مسکراہٹ تھی۔ شرارت بھری۔ میں گھبرائی ہوئی تھی۔ اگر شیری کو پتہ چل گیا تو؟

مصطفےٰ نے بتایا کہ شیری ہمیں پریشان نہیں کرے گی۔ وہ شیری سے کہہ آیا ہے کہ وہ نیچے کی منزل میں علمائے کرام کی خاطر تواضع میں مصروف ہے۔ علمائے کرام کا مطلب ہے خالص مردانہ محفل۔ مذہبی عالموں کی محفل میں کوئی عورت میزبانی کے فرائض انجام دے' یہ بالکل محال ہے۔ شیری کو اپنے کمرے میں ٹھہرنا ہوگا۔ شیری نے اس من گھڑت پر یقین کر لیا۔

شمعوں کی روشنی میں آمنے سامنے بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوئے ہم اپنے باہمی مستقبل کی باتیں کرتے رہے۔

خاصی رات گزر جانے کے بعد مصطفےٰ رخصت ہوا۔ وہ اپنی بیوی کے پاس چلا گیا۔ میں اکیلی پڑی کروٹوں پر کروٹیں بدلتی رہی۔ احساس جرم کا شکار لیکن ساتھ ہی مطمئن کہ کوئی میرا چاہنے والا بھی ہے۔ میری آنکھ صبح سویرے کھل گئی۔ میں نے

اپنے خیالات مجتمع کیے، بچی اور دادا کو ساتھ لیا اور گورنر ہاؤس سے چلی آئی۔ اس کے بعد قیامت برپا ہو گئی۔

مصطفیٰ سے شادی کے بعد دو اگست کو جو اس کا یوم پیدائش ہے، میں اس سے ملنے راولپنڈی پہنچی۔ غلام مرتضیٰ کھر اور اس کی بیوی، فرح غلام، عربی، بلال، عبدالرحمن اور بچے، سب میرے ساتھ تھے۔ سپرنٹنڈنٹ کے دفتر میں ہماری مصطفیٰ سے ملاقات ہوئی۔ مصطفیٰ مجھ سے بہت خفا تھا۔ میں نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ میں اتنی تھک چکی تھی کہ اس سے جھگڑنے کا دم بھی نہ رہا تھا۔ دو مہینوں میں دوبارہ آپریشن کرا چکی تھی۔ میں اپنے بچوں کی ماں ہی نہ تھی، باپ کا رول بھی مجھے ہی ادا کرنا پڑتا تھا۔ میں ایک دفعہ پھر بے گھر ہو گئی تھی۔ سب کچھ تتربتر ہو چکا تھا۔

مصطفیٰ سپرنٹنڈنٹ سے خصوصی اجازت حاصل کر کے ہمیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ اس کمرے کا دروازہ کواڑوں سے بے نیاز تھا۔ ایک چک لٹکی ہوئی جھول رہی تھی۔ تکیہ فراہم کرنے کا ایک ڈھیلا ڈھالا معذرت خواہانہ انداز۔ میں اپنا ایک فوٹو اس کے لیے لے گئی تھی۔ وہ ابھی تک روٹھا ہوا تھا۔ کہنے لگا اسے فوٹو نہیں چاہیے۔ میں نے فوٹو واپس بیگ میں رکھ لیا۔ اس نے گھر والوں سے کہا کہ وہ باہر جا کر انتظار کریں۔ وہ سب باہر جا کر چک کے ارد گرد پہرے داروں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔

مصطفیٰ مجھ سے ہم بستری کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لیے نہ تو وہ جگہ موزوں تھی نہ وقت۔ تکیہ نام کی کسی چیز کا وہاں وجود نہ تھا۔ باہر کھڑے گھر والوں کی باتیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس کے علاوہ میری صحت بھی ٹھیک نہ تھی۔ مجھے میرے ڈاکٹر نے مشورہ دیا تھا کہ ٹانکوں کے ٹھیک ہونے کا انتظار کروں۔ میں بہت خوف زدہ ہو گئی۔ میں نے اسے بتانے کی کوشش کی میری صحت ٹھیک نہیں اور مجھے صحت مند ہونے میں کم از کم چھ ہفتے لگیں گے۔ اس نے ذرہ برابر بھی پروا نہ کی۔ میں نے اسے بتایا کہ گھر کے لوگ باہر کھڑے ہیں، پولیس والے باہر کھڑے ہیں۔ یہ وقار سے بہت ہی گری ہوئی بات ہوگی۔ "ہماری جتنی عمر کو پہنچنے کے بعد لوگ اس طرح کی حرکتیں

نہیں کرتے۔ مجھے بعد میں باہر جا کر ان سے آنکھیں چار کرنی ہیں۔ میرا سر شرم سے نیچا ہو جائے گا۔" مصطفیٰ کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔

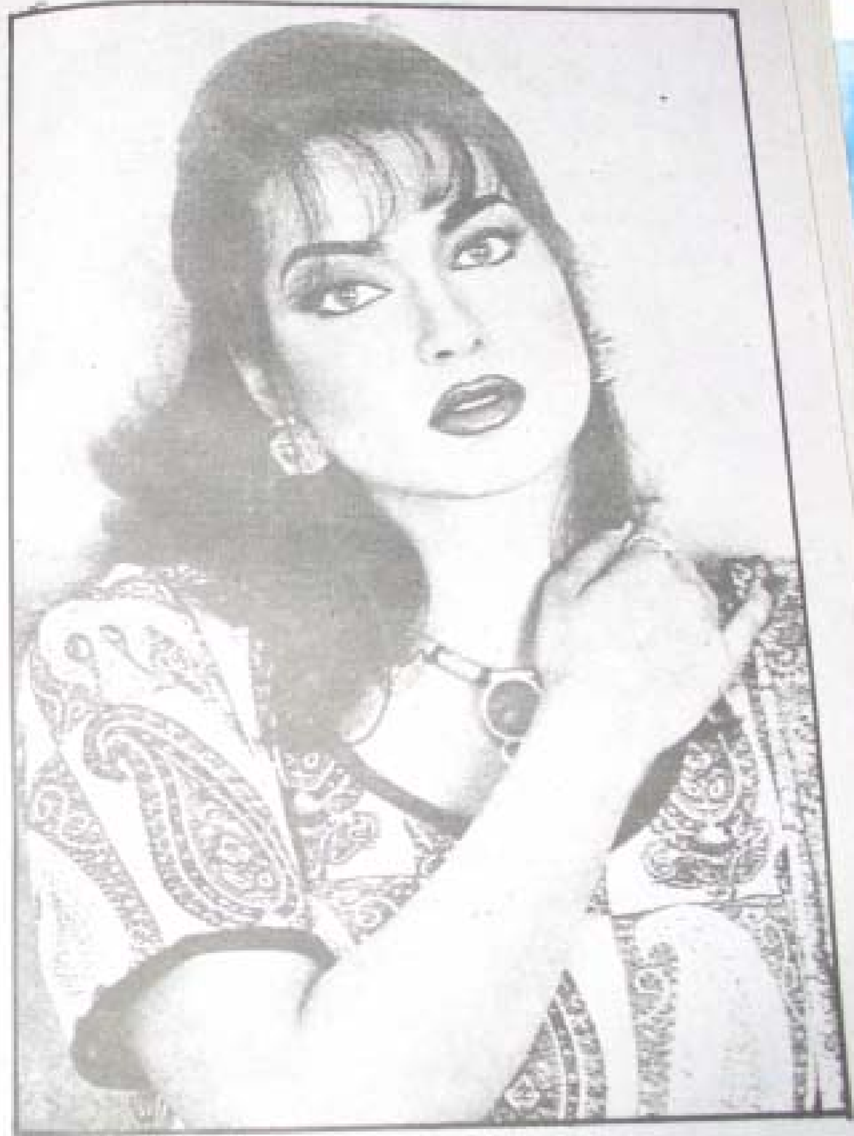
مصطفیٰ نے جیل کی کوٹھڑی میں حضرت علیؓ کی تصویر لگا رکھی تھی۔ اسی بیچارگی کے تمام عرصے میں وہ حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرتا، روتا اور سسکیاں لیتا اور ان کے آگے ہاتھ جوڑتا کہ شفاعت فرمائیے اور جیل سے رہائی دلا دیں۔ وہ مجھے بتاتا رہتا کہ کس طرح حضرت علیؓ کے طفیل اسے وہ طاقت اور قوت برداشت نصیب ہوئی جس نے اسے قید و بند کی ہولناکیاں سہنے کے قابل بنا دیا۔ "اگر حضرت علیؓ کا سہارا نہ ملتا تو میں ہار مان جاتا۔ ان کا سایہ میرے سر پر رہا۔ ان کا اسم گرامی بذات خود قوت کا سرچشمہ ہے۔ انہیں کے نام نے مجھے زندہ رہنے کا حوصلہ عطا کیا۔"

جیل سے چھوٹنے کی دیر تھی کہ مصطفیٰ بھول بھال گیا کہ وہ حضرت علیؓ کا احسان مند ہے۔

اس نے دیکھا تھا کہ میں حضرت علیؓ کے آگے ہاتھ پھیلاتی ہوں۔ اس نے دیکھا تھا کہ حضرت علیؓ نے مجھے شر کا مقابلہ کرنے کے لیے کتنی طاقت عطا کی ہے۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ میرا ایمان وقتی ترنگ نہیں نہ اس میں موقع پرستی کی کوئی لاگ ہے۔ اس نے بے حرمتی کی کارروائی کر کے مجھے ایمان سے محروم کرنا چاہا۔

مصطفیٰ میرے کمرے میں آیا۔ میں حضرت علیؓ کی تصویر تھامے آنسو بہا رہی تھی۔ عدیلہ اور مصطفیٰ کے بارے میں میرے شکوک کی تصدیق ہو چکی تھی۔ میں اپنے ایمان کے سوا کس کا سہارا ڈھونڈتی۔ وہ کھڑا مجھے گھورتا رہا۔ پھر دھمکانے والے انداز میں میری طرف بڑھا اور تصویر میرے ہاتھ سے چھین لی۔ اس نے حقارت بھرے انداز میں تصویر کو گھورا۔ "یہ کیا یہ تمہیں بچا لے گی؟ یہ تصویر؟"

اس نے تصویر پھاڑ کر پرزے پرزے کر دی۔ میں نے ان مقدس پرزوں کو اٹھا لیا۔ میں روئی اور اللہ کے حضور میں گڑگڑا کر کہا کہ مجھے بخش دیا جائے۔ میں بے جانے بوجھے اس بے حرمتی میں شریک ہوئی تھی۔ اب میں سمجھی کہ مصطفیٰ کے نزدیک مذہب، اس کی عذاب میں مبتلا روح کے لیے تریاق تھا۔ برے وقتوں میں کام آنے والا رفیق۔ وہ بھکاری بن کر، ملتجی بن کر اللہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔ جب اسے



غلام مصطفی کھر کی بیٹی ماڈل آمنہ حق

نعمتوں سے نوازا گیا تو فرعون بن بیٹھا۔

کوئی اور ہوتا تو زیادہ احتیاط سے کام لینا شروع کر دیتا۔ لیکن مصطفےٰ سے یہ توقع کہاں۔ اگلی شام وہ سات بجے گھر سے روانہ ہوا۔ کہنے لگا کہ نو بجے تک واپس آ جائے گا۔ میں نے تسنیم کو فون کیا۔ عدیلہ نے اپنی روانگی اور واپسی کا یہی وقت بتایا تھا۔ میں دو دوستوں کو ساتھ لے کر گئی اور ہم نے گاڑی تسنیم کے گھر کے موڑ پر کھڑی کر دی۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ عدیلہ کو گھر چھوڑنے کون آتا ہے۔ شاید ساجد ہو یا شاید عزیٰ۔ پونے نو بجے ایک کار تسنیم کے گھر کے پھاٹک کے ٹھیک سامنے آ رکی۔ عدیلہ اتری اور دوڑ کر اندر چلی گئی۔ کار کو روانہ ہونے سے پہلے ریورس کیا گیا۔ یہ ہماری شتری ہیرو تھی۔ عدیلہ میری سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ مصطفےٰ گاڑی چلا رہا تھا۔ تسنیم اپنی کھڑکی میں پردوں کی اوٹ میں کھڑی تھی۔ ہم بہت تیز ڈرائیو کرتے ہوئے واپس ہوئے اور میں مصطفےٰ کے آنے سے پہلے گھر پہنچ گئی۔ میں مصطفےٰ سے دوبدو نہ ہوئی۔

اس کے باوجود آپ اس کے پر یقین لے آئی ہیں، حالانکہ میں نے آپ کو ثبوت بھی فراہم کر دیا تھا۔ میں تو حیران ہو گئی ہوں۔ اس نے چوری چھپے پھر وہی حرکتیں کی ہیں اور وضاحت اتنی ہے کہ کہتی ہے اس نے کچھ کیا ہی نہیں۔ "میں جس طرح روئی دنیا میں کم ہی لوگ اس طرح روئے ہوں گے۔ میرے آنسو تھمنے میں نہ آتے تھے۔ سب نے مجھے روتے دیکھا۔ رونے سے باز رہنا میرے بس میں نہ تھا۔"

میرا اور عدیلہ کا آمنا سامنا ہوا۔ امی کی موجودگی میں۔ میں نے اس سے کہا۔ کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے۔ مجال ہے جو وہ ذرا شپٹائی ہو۔ اس نے اپنا سر اس طرح جھٹکا جیسے "اونہہ" کہہ رہی ہو۔ "تمہیں پتہ بھی ہے میں نے تمہارے لئے کیا کیا ہے؟ اگر پتہ ہو تو تم مجھے محسن نہ کہو، فرشتہ کہنا شروع کر دو۔ تمہاری شادی کو بچائے رکھنے کی ذمے دار میں ہوں۔"

یہ واضح تھا کہ وہ اشارتاً کیا کہنا چاہ رہی ہے۔ مصطفےٰ اس کے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ وہ اس کی بات ماننے کو تیار نہ ہوئی تھی۔ صرف میری خاطر۔ مصطفےٰ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ وہ میرا بسا بسایا گھر اجاڑنا چاہتی تھی۔

کیا یہ سچ ہو سکتا ہے؟ میں نے آئینے میں اپنے پر نظر ڈالی۔ میں نے محسوس کیا کہ مجھے بدلنا پڑے گا۔ مجھے ضرور عدیلہ جیسی نظر آنا چاہیے۔ مجھے ضرور اس جیسے ملبوسات پہننے چاہئیں۔ مجھے ضرور اپنی شخصیت کو بدلنا چاہیے۔ ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔ ایسا کروں تو شاید میری شادی کامیاب ہو جائے۔ مصطفےٰ عدیلہ کو چاہتا ہے' تمہیں نہیں۔ تم اپنی طرف دیکھو تو سہی۔ یہ تمہارے سفید کپڑے' یہ تمہارے بلند آدرش۔ تم اس کے مطلب کی عورت نہیں۔ عدیلہ ہے۔ اور اس کے باوجود ------ اسے تم سے پیار ہے۔ وہ کہتا ہے کہ پیار ہے۔ سارے وقت یہی کہتا رہتا ہے۔ آئینے نے جوابا میری طرف دیکھا۔ میں سامنے سے ہٹ گئی۔ اس میں میری شبیہ کے علاوہ بھی کچھ نظر آ رہا تھا۔ اس میں میرے ذہن کا عکس دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے مصطفےٰ کی آواز سنی۔ نامبارک آواز۔ "کوئی اور عورت تم جیسی نہیں ہو سکتی لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم سولہ سال کی لڑکی بن کر رہو۔ میں پھر سے رومان کا تمنائی ہوں۔"

مجھے دھکا لگا۔ یہ تو میں نہیں کر سکتی۔ میں سولہ برس کی نہیں۔ پانچ بچوں کی ماں ہوں۔ سینتیس سال کی ہو چکی ہوں۔ اس شخص کے بارے میں رومانی تصورات کیسے رکھ سکتی ہوں جو میری بہن سے عشق لڑا رہا ہو؟ کیسے؟

میں مصطفےٰ گھر سے الگ ہونے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اس بار علیحدہ ہونے کی وجوہ بھی معقول تھیں اور جو وقت چنا گیا تھا وہ بھی موزوں تھا۔ جلد ہی ہمارا دوبارہ مری آنا ہوا۔ میں بہت زیادہ اپنے آپ میں گم تھی۔ ہم بھوربن میں وزیراعلیٰ کے ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے۔

اس رات مصطفےٰ نے مجھ سے ہم بستر ہونا چاہا۔ مجھے اس کے رویے سے پتہ چل گیا تھا کہ وہ انکار سننے کے لئے تیار نہیں۔ جو ہونا تھا میں نے ہونے دیا۔ میں نے اپنی نفرت کو قابو میں رکھا۔ میں نے خود کو مکمل طور پر لاتعلق رکھنا چاہا۔ مصطفےٰ کے کندھے پر سر رکھ کر میں نے اللہ سے دعا مانگی اور منت کرتی رہی کہ مصطفےٰ پر عذاب نازل کیا جائے۔ وہ ایسی عورت سے زنا کا مرتکب ہوا تھا جو اس کی بہن کا درجہ رکھتی تھی۔ الٰہی' کیا یہ سب تجھ پر عیاں نہیں؟ تو اس کی ممانعت کر چکا ہے۔ تو نے کہا ہے کہ کوئی مرد بیک وقت دو سگی بہنوں سے جنسی تعلقات نہیں رکھ سکتا۔ یہ تیرے

قرآن میں ہے۔ اگر یہ قانون تو نے بنایا ہے' اگر یہ ضابطہ تیری طرف سے نافذ ہوا ہے تو پھر تو کبھی یہ اجازت نہیں دے گا کہ میرے ساتھ ایسی بات ہو۔ اس آدمی کو کبھی مجھ پر ہاتھ ڈالنے کا موقع نہ ملنا چاہیے۔ اس آدمی کو کبھی تیری نافرمانی کرنے کی جسارت کا موقع نہ دینا چاہیے۔ میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ تو ہی اس بات کو رکوا سکتا ہے۔ اور جب میں یہ دعا مانگ رہی تھی تو میں نے تصور کیا کہ کعبہ شریف میرے سامنے موجود ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ میں کعبے کو ہاتھ لگا سکتی ہوں۔ یہ ایسا وقت نہیں ہوتا جب آدمی کو اللہ کا خیال آئے۔ آدمی خود کو اتنا صاف ستھرا محسوس نہیں کرتا کہ اللہ کے روبرو ہو سکے۔ اللہ کو اس مرد کی آلودگی مجھ سے دور کرنی تھی جس نے مجھے استعمال کیا تھا مجھ سے ناجائز کام لیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اسے وہ لعنت' وہ گندگی' وہ غلاظت مجھ سے دور کرنی ہوگی جو ملک غلام مصطفےٰ کھر نے میرے جسم و جان میں انڈیل دی تھی۔

وہ ایک بار اور مجھ سے ملنے آیا۔ اکیلا۔ اس ملاقات کے دوران جب اس کے اپنے ضمیر' میرے اور اللہ کے سوا کوئی گواہ نہ تھا اس نے سب کچھ پوست کندہ بیان کر دیا۔ اس نے بتایا کہ وہ عدیلہ سے تین بار ملا تھا۔ اس میں وہ موقع بھی شامل ہے جب میں نے ان دونوں کو آپس میں باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے مان لیا کہ وہ اس سے باتیں کرتا رہا تھا۔ پہلے کی طرح اس بار بھی اس پر شیطان چڑھ گیا تھا اور اسے معصیت پر اکساتا رہا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ شہوت کی وجہ سے اسے اپنے پر قابو نہ رہا تھا اور اس نے میرے ردعمل کا غلط اندازہ لگایا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میں اسے چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ یہاں تک کہ میں واقعی اسے چھوڑ گئی۔ وہ رو پڑا اور مجھ سے معافی مانگنے لگا۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اسے معاف کر چکی ہوں۔ اس نے میری طرف دیکھا اور فوراً مجھ سے واپس آ جانے کے لئے کہا۔ میں شاید کمزوری دکھا جاتی لیکن اس فوری ردعمل نے مجھے بچا لیا۔ اس طرح کے ردعمل سے مجھے بارہا سابقہ پڑ چکا تھا۔ جب بھی وہ کوئی غلط حرکت کرتا تو بعد میں آ کر میرے قدموں میں لوٹنے لگتا اور میرے جذبہ ترحم کو ابھار کر اپنا کام نکالنا چاہتا۔ جونہی میں اسے معاف کرتی' وہی پرانا مصطفےٰ دوبارہ جاگ اٹھتا۔ جس معاملے پر ناچاقی ہوئی تھی

اسے بھلا دیا جاتا۔ اس کی زندگی پرانے ڈھرے پر چلتی رہتی۔ وہ ایسا مرد تھا جو اجتماعی شعور سے محروم تھا۔ اس کی یادداشت تختۂ سیاہ جیسی تھی اور میری معافی بھیگی ہوئی پونچھن۔ میں نے مصطفےٰ پر واضح کر دیا کہ میں نہ تو کبھی لوٹ کر آؤں گی نہ اسے معاف کروں گی نہ ان زیادتیوں کو بھلاؤں گی جو میرے ساتھ روا رکھی گئی تھیں۔ خواہ کچھ ہو جائے۔

اس اثنا میں عدیلہ کے شوہر مطلوب کو اپنی بیوی اور مصطفےٰ کے یارانے کا ٹھوس ثبوت مل گیا۔ جب شبہات نے مطلوب کو زیادہ برانگیختہ کیا تو اس نے ٹیلی فون ٹیپ کرنا شروع کر دیا۔ مصطفےٰ اور عدیلہ کی گھنٹوں لمبی گفتگو مقناطیسی ٹیپ پر منتقل ہو گئی۔ مطلوب روز گھر آتا' کیسٹ نکالتا' اسے اپنی کار کے کیسٹ پلیئر میں ڈالتا اور کراچی میں بے مقصد ڈرائیونگ کرتے ہوئے سنتا رہتا کہ کس طرح وہ دونوں اس کی شادی کو تباہ و برباد کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ سازشیں کر رہے ہیں۔ جب آنسو اس کے رخساروں پر بہہ رہے ہوتے تو اس کے لئے خود کو قابو میں رکھنا مشکل ہو جاتا۔ آنسوؤں کی تپش سے اس کے رخسار سلگ اٹھتے۔ کسی کی بے وفائی پر بہنے والے آنسو ہی اس طرح رخساروں کو جلا سکتے ہیں۔ مطلوب نے مصطفےٰ سے نمٹ لینے کی ٹھان لی۔ اس نے یہ ٹیپیں اپنی بیوی اور میری امی کو سنائیں پھر زناکاری کے ثبوت سے لیس ہو کر لاہور آ گیا۔

اس نے عدالت میں ایف۔ آئی۔ آر درج کرائی۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ زناکاری کے مقدمے میں کوئی جاگیردار کسی دوسرے جاگیردار کو عدالت میں کھینچ لایا ہو۔ یہ بھی پہلی بار تھا کہ حدود آرڈی نینس کے تحت زناکاری کا مقدمہ ایسی عورت کے خلاف درج ہوا جو ہمارے طبقے سے تعلق رکھتی تھی۔

مطلوب نے ترقی پسندانہ موقف اختیار کیا تھا۔ اپنی عزت آبرو کی بحالی کے لئے اس نے غصے سے اندھے ہو کر کوئی جرم کرنے کے بجائے عدالت سے رجوع کیا تھا۔ جیسا کہ عموماً ہوتا ہے انصاف کی ترازو طاقتور اور بااثر فریق کے حق میں جھک گئی۔ مصطفےٰ کھر کو داد و تحسین سے نوازا گیا اور پی۔ پی۔ پی کے کارکن اسے کندھوں پر اٹھا کر عدالت کے کمرے سے باہر لائے۔ پی۔ پی۔ پی کے رہنما' طارق رحیم' احمد سعید

اعوان اور سلمان تاثیر اس کے جلو میں تھے۔ مصطفےٰ کی زنا کے مقدمے میں ضمانت ہو گئی تھی۔ پاکستان میں غریب اور مراعات سے محروم طبقے کے افراد کو اسی طرح کے مقدمات میں فوراً حوالات بھیج دیا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے مطلوب نے غلط وقت چنا تھا۔ مصطفےٰ اس وقت پی۔ پی۔ پی کا اہم ترین رہنما تھا۔ وہ پنجاب میں لاہور حلقہ 99 سے' ایک ایسے الیکشن میں مشغول تھا جس میں ہر فریق یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اس کا زور زیادہ ہے۔ مصطفےٰ یہ عذر لایا کہ مقدمہ اس کے سیاسی حریف' میاں نواز شریف کے اکسانے پر دائر کیا گیا تھا۔ میں نے کہا کہ مطلوب سچ بول رہا ہے۔ میں نے مصطفےٰ سے عدیلہ کی وجہ سے طلاق لی تھی۔ پہلے ان باتوں سے میں اپنی بہن کا گھر بار اور خاندان کی خاطر انکار کرتی رہی تھی۔ میں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ مصطفےٰ نے اپنی سالی سے زنا کر کے نہ صرف قرآن کے احکام کی خلاف ورزی کی ہے بلکہ از روئے قانون زنا بالجبر کا مرتکب بھی ہوا ہے۔ اس نے عدیلہ سے جنسی تعلقات تیرہ سال پہلے قائم کئے تھے۔ اس وقت میری بہن ابھی بچی تھی۔ میری باتوں کا بہت برا مانا گیا۔ لوگ کہنے لگے کہ مجھے پروقار رویہ اختیار کرنا چاہیے تھا۔ میں نے اپنے معاشرے کی ان لاکھوں عورتوں کی طرح محسوس کیا جن کے ساتھ زبردستی زنا کیا جاتا ہے اور وہ جائے واردات سے اٹھ کر چلی جاتی ہیں۔ محض اس لئے کہ کسی سے کہیں گی تو تضحیک ہنسائی ہوگی۔ کسی پاجی کو ہرگز یہ اجازت نہ ملنی چاہیے کہ اس کے جرم پر صرف اس لئے پردہ پڑا رہے کہ معاشرہ بہت نازک مزاج ہے اور ایسی باتیں سننے کی تاب نہیں لا سکتا۔ عورتوں کو چاہیے کہ یا تو آواز بلند کریں یا پھر جوتیاں کھاتی رہیں۔

امینہ سائیں از تہمینہ کھر

غلام مصطفیٰ کھر کی کہانیاں "امینہ سائیں" میں تہمینہ درانی نے بڑی تفصیل سے بیان کی ہیں' یہ کہانیاں جاننے کے باوجود اپنے حلقہ انتخاب میں انہیں ناکامی دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

ہے جذبہ جنوں تو ہمت نہ ہار



شیخ رشید احمد

قیام پاکستان سے اب تک کسی وزیر یا سیاسی رہنما کے اتنے جنسی سکینڈل نہیں بنے جس قدر شیخ رشید احمد کے بنے ہیں۔ ان کا نعرہ ہے کہ "پہلے گناہ کرو تاکہ بعد میں توبہ کر سکو" فلمی اداکاراؤں سے لیکر عام لڑکیوں تک ہر جگہ شیخ رشید احمد کا نام سنائی دیتا ہے۔ خاص طور پر نواز شریف کے پہلے دور اقتدار میں جب ان کے پاس وزارت ثقافت تھی تو اس وقت گویا ان کی پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں تھا۔ پاکستانی تاریخ میں پہلی بار انہوں نے اعلان کیا کہ وہ مائیکل جیکسن اور میڈونا کو پاکستان بلائیں گے۔ یہ اور بات کہ وقت نے وفا نہ کی اور حکومت ہی چلی گئی۔

شیخ رشید احمد اپنی سوانح عمری "فرزند پاکستان" میں خود اعتراف کرتے ہیں کہ وہ متوسط طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی سیاست غریب پروری کی سیاست تھی۔ جو بعد میں صرف "زنا پرور" ہو کر رہ گئی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب وہ تحریک نظام مصطفیٰ کے دوران راولپنڈی جیل میں قید تھے تو سیاسی لوگ ان کے کردار کے حوالے دیا کرتے تھے۔ پھر جماعت اسلامی کے جاوید ہاشمی انہیں لے اڑے۔ بعد ازاں چوہدری ظہور الٰہی سے ان کی دوستی ہو گئی۔

لال حویلی جو ایک بیسوا "بدھوبائی" کی حویلی تھی۔ شیخ رشید نے اس کی روایت برقرار رکھی۔ بس فرق یہ پڑا کہ وہ میزبان بھی خود بن گئے اور گاہک بھی۔

اداکارہ انجمن کو شیخ رشید نے اسلام آباد آنے کی دعوت دی۔ اس دعوت کے ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی گئی کہ انہیں "نیف ڈیک ایوارڈ" دیا جا رہا ہے۔ اداکارہ انجمن اپنے خاوند مبین اور بچوں کے ہمراہ وفاقی دارالحکومت پہنچ جاتی ہیں۔

وفاقی دارالحکومت میں شیخ رشید ایک وفاقی وزیر کی حیثیت سے رات کے گیارہ بجے انہیں چائے کی دعوت دیتے ہیں اور ساتھ ہی یہ کہ وہ اکیلی آئیں گی۔ انجمن نے معذرت کر لی کہ وہ اپنے ایک عدد خاوند مبین ملک اور بچوں کو چھوڑ کر اکیلی نہیں آ سکتی ہیں۔ شیخ رشید نے انجمن کی اس اداکارانہ معذرت کا برا منایا۔ رات کو لال حویلی میں "جام چلتے رہے دل اچھلتے رہے" والا معاملہ ہو گیا لیکن "محفل پر رنگ شباب نہیں آیا" انجمن کے بقول وفاقی وزیر جوں جوں نشے میں پاگل ہوتے رہے ٹیلیفون کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ لال حویلی سے ہوٹل میں پڑی ہوئی انجمن کو اس قدر فون کئے گئے کہ وہ رات بھر سو نہیں سکی۔ تنگ آ کر شیخ رشید نے ریما سے رابطہ کیا اور موٹے گوشت کی بجائے چھوٹے گوشت پر قناعت کی۔ اداکارہ ریما نے "لال حویلی" کی رات کو حسین بنا کر سرکاری ایوارڈ حاصل کر لیا۔ اداکارہ انجمن محروم رہ گئیں۔ ایوارڈ سے محرومی کے بعد انجمن نے کسی کو یہ تو نہیں بتایا کہ ریما اپنے حسن



اداکارہ انجمن اور شیخ رشید

وہاں سے چڑھ دوڑا کر وفاقی وزیر کے حکم پر ایوارڈ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی ہیں۔ انجمن نے اتنا ضرور بتایا کہ انہیں ایوارڈ صرف اس لئے نہیں دیا گیا کہ وہ وفاقی وزیر کی دعوت پر اکیلی چائے پینے کے لئے نہیں گئی تھیں۔

اس واقعہ میں اداکارہ ریما کا ذکر آیا ہے۔ شیخ رشید احمد کی وزارت کے دوران ریما اور شیخ رشید ایک ہی نام کے طور پر پکارے جاتے تھے۔ اسی ایوارڈ کی تقریب میں جب شیخ رشید نے ریما کو ایوارڈ وصول کرنے کے لئے سٹیج پر بلایا تو سازندوں نے شادی کا ساز بجانا شروع کر دیا۔ جس پر میزبان دلدار پرویز بھٹی مرحوم نے کہا جناب اس کو مائنڈ نہ کریں کہ یہ سازندے بھی ایجنسیوں کے کارندے ہیں۔ حتیٰ کہ ریما نے ایک انٹرویو میں خود اعتراف کیا کہ ایک وفاقی وزیر نے 1991ء میں مجھے شادی کی آفر کی تھی۔ مگر بات آگے نہ بڑھ سکی۔ اس واقعہ کے ایک چشم دید گواہ بتاتے ہیں کہ۔

شیخ رشید نے ریما کی ماں کو ہاتھ جوڑ کر التجا کی کہ انہیں اپنی فرزندی میں قبول کر لیں۔ لیکن ریما کی ماں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جب ریما کے ساتھ تم باقاعدہ اپنا کام کر لیتے ہو تو پھر شادی کی ضرورت کیا ہے۔ اس پر شیخ رشید مطمئن ہو گئے۔



شیخ رشید احمد، ریما کو "کارکردگی" پر ایوارڈ دیتے ہوئے

بعد ازاں ایک اور جگہ ریما نے اس بات کا فخریہ اعلان کیا کہ میں پاکستان کی واحد اداکارہ ہوں جس سے شیخ رشید سمیت کئی رہنما محبت کرتے ہیں۔ ریما نے کہا کہ میں نے ایک بار شیخ رشید کو ایک تقریب میں شرکت کے لئے فون کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میں بہت بدنام ہو گیا ہوں۔ لہٰذا تقریب میں شرکت نہیں کر سکتا۔ دوران اسیری یہ وقت بھی آیا کہ شیخ رشید احمد بلاوے دے دے کر تھک گئے اور ریما کے پاس شوٹنگ کے علاوہ کسی اور کے لئے وقت نہیں تھا۔

روزنامہ "پاکستان" نے یہ خبر دی کہ شیخ صاحب اداکارہ ریما کے ساتھ فلاں دن فلاں فلائٹ سے سوئٹزرلینڈ جا رہے ہیں اور ان کی بکنگ ایک مشترکہ دوست نے کروائی ہے۔ اس طرح بھانڈا پھوٹنے سے شیخ صاحب پریشان ہوئے اور یوں سوئٹزرلینڈ کی فلم کی "شوٹنگ" نہ ہو سکی۔ ممکن ہے پھر یہ شوٹنگ پاکستان کے کسی خوبصورت مقام پر پایہ تکمیل کو پہنچی ہو۔

ریما جیسی صورت حال ایک اور اداکارہ کو بھی درپیش تھی اس کی چونکہ شادی ہو چکی ہے اور وہ ایک بچے کی ماں بھی بن چکی ہے اس لئے اس کا نام یہاں نہیں دیا جا رہا۔ ذمہ دار ذرائع کے مطابق وہ ایک ابھرتی ہوئی خوبرو اداکارہ پر بہت فریفتہ تھے اور اسے اس حد تک چاہتے تھے کہ اس کی ماں کے قدموں میں بیٹھ کر بھی یہ التجا کر چکے ہیں کہ وہ ان کو باقاعدہ طور پر اپنی "فرزندی" میں لے لیں۔ اس اداکارہ کے بارے میں یہ بات زبان زد عام تھی کہ وہ بالعموم ایک رات کے 25 ہزار لے کر رات بھر اپنے "فن کا مظاہرہ" کرنے کے لئے تیار ہو جاتی تھی اور اکثر سیاست دان اس کے قرب سے فیض حاصل کرتے تھے۔ یہ تمام حقائق جانتے ہوئے بھی وفاقی وزیر بہت سنجیدہ تھے اور اس خوبرو اداکارہ سے اس قدر متاثر تھے کہ اکثر ان کو اپنی تنہائی دور کرنے کے لئے کبھی اسلام آباد اور کبھی مری لے جاتے تھے اور ہفتوں کے حساب سے اس کے قرب کی قیمت بھی ادا کرتے رہے ہیں۔ خصوصی ذرائع نے بتایا ہے کہ ہفتہ بھر کے لئے "شوٹنگ" کی بکنگ پر اداکارہ اپنا ریٹ 10 ہزار ڈیلی کر دیتی تھی۔ لیکن وفاقی وزیر اس پر اس قدر مہربان تھے کہ اس کا معاوضہ ادا کرنے کے علاوہ شاپنگ کے لئے بھی 25،20 ہزار دیتے رہے ہیں۔ اور ہر مہینے یہ

اداکارہ وزیر موصوف کی تنہائی دور کرنے کے لئے ہفتہ دس دن اسلام آباد اور مری کے پرفضا مقامات پر گزارتی رہی ہے۔

ایس۔ٹی۔این پر چلنے والے ایک ڈرامہ میں طوائف کا کردار ادا کرنے والی اداکارہ فریال گوہر نے اپنی اداکاری، تیکھے نقوش اور سرو قد کی وجہ سے شہرت حاصل کی تو شیخ رشید کی "رال" ٹپکنے لگی۔ موصوف نے فریال گوہر کو بھی دعوت عیش و نشاط دے ڈالی۔ فریال گوہر بھی آزاد عورت ہے لیکن اس نے شیخ رشید کے بستر کی



فریال گوہر

زینت بننے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کے نتیجے میں اس کی اپنے خاوند جمال شاہ سے علیحدگی ہو گئی۔ فریال گوہر انقلابی نظریات رکھتی ہے۔ جبکہ جمال شاہ اسے شیخ رشید کے کمرے تک پہنچا کر اپنے مفادات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ شیخ رشید فریال گوہر کی اداؤں پر مرتے تھے۔ اس نے شہباز شریف کے ذریعے جمال شاہ کو لاکھوں کی پیشکش کی لیکن جمال شاہ ان کے شوہر ہوتے ہوئے بھی انہیں رام کرنے میں ناکام رہے۔ بعد ازاں شیخ رشید نے اپنے اثر و رسوخ اور تجربات سے اس کے تمام انقلابی نظریات جلا دیئے۔ پھر فریال گوہر کو اکثر شیخ رشید کے ساتھ دیکھا گیا۔

فریال گوہر شاید واحد شخصیت ہے جس کو جب بھی کسی انٹرویو کا سامنا ہوتا ہے تو اس کی آنکھوں میں ایک چبھنے والی چمک ہوتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ مجھے امید ہے کہ بہت سے فحش سوالات کئے جائیں گے اور میں فحش سوالات پسند کرتی ہوں۔ خواہشات کے معاملے میں آزاد خیال فریال گوہر جتنا دوسروں کو برانگیختہ کرنا پسند کرتی ہے اتنا ہی خود کو برانگیختہ کیا جانا پسند کرتی ہے۔

ایک بار دونوں کے بارے میں خبر آئی کہ ان دونوں شخصیات نے ایک ہی طیارے میں اسلام آباد سے شارجہ تک سفر کیا بعد ازاں ایک ہی ہوٹل میں قیام رکھے ہوئے ہیں جبکہ دونوں سارا سارا دن اکٹھے گھومتے پھرتے اور ساحل سمندر پر تفریح کرتے ہیں۔ ان کی اس طرح کی مصروفیات نے وہاں کئی قسم کی قیاس آرائیوں کو جنم دیا بتایا گیا ہے کہ اس کے بعد فریال گوہر نے شیخ رشید کو شادی کی پیشکش کی ہے جس پر وہ سنجیدگی سے غور کر رہے ہیں۔

جن دنوں مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں محمد نواز شریف کے دلشاد بیگم سے عشق کے چرچے زبان زد عام تھے، نواز شریف کے دست راست شیخ رشید احمد نے دلشاد بیگم پر بھی ڈورے ڈالنے کی کوشش کی۔ اس وقت شیخ رشید وفاقی وزیر تھے۔ وہ معروف بھارتی صنعت کار گوورج کی اہلیہ کی فرمائش پر شارجہ میں منعقد ہونے والا کرکٹ ٹورنامنٹ دیکھنے کے لئے وہاں گئے تھے۔ اس ٹورنامنٹ میں بھارتی اداکار فیروز خان کی فیملی جس میں دلشاد بیگم بھی شامل تھی، مسز گوورج کی مہمان تھی۔ ٹورنامنٹ کا ایک میچ جو پاکستان اور بھارت کے درمیان کھیلا جا رہا تھا اسے دیکھنے کے لئے شیخ

رشید نے مسز گوہر روچ سے انتہائی اصرار کے بعد فیروز خان فیملی کے قریب نشست حاصل کر لی۔ شیخ رشید کو جو نشست ملی وہ دلشاد بیگم کے دائیں ہاتھ پر تھی۔ شیخ رشید نے اپنی نشست سنبھالتے ہی سگار سلگایا اور اس کا دھواں دلشاد بیگم کے منہ پر پھینکنا شروع کر دیا۔ دلشاد بیگم کافی دیر تک شیخ رشید کی اس حرکت کو برداشت کرتی رہی۔ جب شیخ رشید کی "گھوریاں" اور سگار کا دھواں برداشت سے باہر ہونے لگا تو دلشاد بیگم نے اس کی شکایت اپنے بھائی فیروز خان سے کر دی۔ فیروز خان نے دلشاد بیگم کو اس کی نشست سے اٹھا کر اپنی سیٹ پر بٹھا دیا اور خود شیخ رشید کے قریب بیٹھ گئے۔ شیخ رشید فیروز خان فیملی کے اس خاموش احتجاج پر بھی باز نہ آئے اور آگے کو جھک کر دلشاد بیگم کو تاڑنا شروع کر دیا۔ شیخ رشید کی اس حرکت پر فیروز خان نے ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر اپنا جوتا وفاقی وزیر کی طرف کر دیا اور مسلسل ہلاتا رہا۔ شیخ رشید یہ صورت حال زیادہ دیر برداشت نہ کر سکے اور اٹھ کر سٹیڈیم سے ہوٹل چلے گئے۔ یہاں پر یہ امر قابل ذکر ہے کہ پی ٹی وی کیمرے نے نہ صرف شیخ رشید کی حرکتوں کو فلمبند کر لیا بلکہ یہ سارا منظر پی ٹی وی پر بھی دکھایا جاتا رہا۔



وردہ اللہ رحمن شیخ رشید کے ساتھ

روزنامہ خبریں نے اپنی 3 مئی 1993ء کی اشاعت میں خبر دی کہ

لاہور سے کوئٹہ سفر کے دوران سابق وفاقی وزیر ثقافت شیخ رشید نے سابق وزیراعظم میاں نواز شریف سے آٹوگراف لینے کے لئے ان کی سیٹ پر جانے والی لڑکیوں کو گھیر لیا اور انہیں اپنے پنڈی کے فون نمبر بتانا شروع کر دیے۔ جب ان لڑکیوں میں سے ایک نے کہا کہ آپ اپنی دلچسپیاں رعنا تک ہی محدود رکھیں تو شیخ رشید نے کہا کہ میں حسن پرست ہوں اور مجھ میں اتنی کشش ہے کہ ہر جگہ حسین لڑکیاں میری طرف کھنچی چلی آتی ہیں۔ اس پر قریب بیٹھے ہوئے ایک بزرگ نے سخت اعتراض کیا اور کہا کہ آپ کو خواتین سے گفتگو کرتے وقت کم از کم اپنی پوزیشن کا بھی خیال کرنا چاہئے تاہم شیخ رشید ہنستے رہے اور کہا حسین لڑکیو! میں سرینا میں ٹھہروں گا اگر آپ مجھ سے ملنے آئیں تو مجھے خوشی ہوگی۔ اس پر لڑکیوں نے کہا کہ ہم آپ سے نہیں میاں نواز شریف سے آٹوگراف لینے آئی ہیں' آپ اپنا منہ دھو رکھیں۔ ان کے جانے کے بعد شیخ رشید نے سابق وزیر اطلاعات میاں عبدالستار لالیکا سے کہا' لالیکا صاحب آپ دیکھ لیں گے کل یہ لڑکیاں مجھ سے ملنے ہوٹل ضرور آئیں گی۔ اس موقع پر میاں نواز شریف بھی موجود تھے تاہم انہوں نے اس گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

مندرجہ بالا واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وزیر موصوف کی سرگرمیاں اپنی حویلی کی طرح کتنی رنگ رنگیلی ہیں۔ اس طرح کا ایک واقعہ فروری 1998ء میں ہوا جب مسلم لیگی راہنما تہمینہ دولتانہ نے ملتان میں کھلی کچہری لگائی۔ جس میں نورین نامی ایک طالبہ نے جذباتی آگے بڑھ کر تہمینہ دولتانہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مسلم لیگ کی سٹی صدر سلطانہ شاہین مجھے نوکری دلوانے کا جھانسہ دے کر اسلام آباد لے گئی۔ میں نے اپنے رشتے داروں سے ادھار رقم لے کر اسلام آباد کے لئے ہوائی جہاز کا ریٹرن ٹکٹ خرید کر دیا اور خود ٹرین کے ذریعے اسلام آباد گئی۔ وہاں پہنچ کر اس نے مجھے ایک وفاقی وزیر کے کمرے میں جانے کو کہا اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ میرا بھی ایک کام کرواتی لانا۔ نورین کی گفتگو کے دوران سناٹا چھا گیا۔ اس نے بتایا کہ جب وہ وفاقی وزیر کے کمرے میں گئی تو وہاں مجھ سے زیادتی کرنے کی

کوشش کی گئی میں بمشکل جان بچاکر اپنا پرس وہیں چھوڑ کر بھاگی اور ساتھ ہی اس نے ایک کاغذ کا ٹکڑا جس پر وفاقی وزیر کا نام لکھا تھا تہمینہ دولتانہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ تہمینہ دولتانہ نے رقعہ اپنے پرس میں رکھ لیا۔ موقع پر موجود اخبار نویسوں کے پوچھنے پر وہاں موجود مسلم لیگی خواتین نے ایک دوسرے پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی اور فحش الزامات لگنے کا سلسلہ شروع ہوا جو مارکٹائی تک جا پہنچا۔ وہاں اس اس ذات کی گالیوں کا تبادلہ ہوا کہ کھلی کچہری میں سب کچھ کھل گیا اور تہمینہ دولتانہ کھلی کچہری چھوڑ کر وقت سے پہلے ایئرپورٹ کے ایگزیکٹو لاؤنج میں پناہ گزین ہو گئیں۔ ایک مقامی اخبار کی خاتون رپورٹر نے تہمینہ دولتانہ کے جانے کے بعد نورین سے بات کرنے کی کوشش کی تو اس خاتون رپورٹر کے گلے میں دوپٹہ ڈال کر اسے نیچے گرایا گیا اور پھر تین چار خواتین اس پر اس وقت تک بیٹھی رہیں جب تک نورین کو لیگی خواتین کے جھرمٹ میں وہاں سے غائب نہیں کر دیا گیا۔

ایک بار شیخ رشید احمد اور اعتزاز احسن کے درمیان پارلیمنٹ میں تو تکار ہو گئی۔ اعتزاز احسن نے آن دی فلور کہا کہ میں بھی آج وفاقی وزیر کے پول کھولوں گا کہ یہ جہاد کشمیر کے نام سے قائم کئے جانے والے کیمپ میں خواتین نچواتے رہے ہیں جس کے تصویری ثبوت موجود ہیں اور میں وہ کل ایوان میں پیش کروں گا۔

دراصل شیخ رشید احمد اعتزاز احسن کو سکھوں کی لسٹیں بھارتی حکومت کو دینے کی ہر وقت تکرار کرتے رہتے تھے اور اسے ذلیل کرتے تھے۔ بعد ازاں معروف کالم نگار حسن نثار کے رسالے "زنجیر" میں "فرزند پاکستان" کی ایسی تصاویر شائع ہوئیں جن میں وہ ایک عورت کے جسم کی پیمائش کر رہے ہیں اور اسے ویلیں کرا رہے ہیں۔ اعتزاز احسن نے یہ تصاویر بھی اسمبلی میں پیش کرنے کی دھمکی دی۔ اب دونوں فریقوں میں سیز فائر ہو چکا ہے۔ چونکہ جب بھی شیخ رشید لسٹوں کی بات کرتے ہیں اعتزاز احسن تصویروں کا قصہ لے بیٹھتے ہیں۔ شاید اسی لئے بزرگ کہتے ہیں "ایک چپ سو سکھ"۔

شیخ صاحب خود کو ابھی تک کنوارہ ظاہر کرتے ہیں جبکہ ان کی شادی کے ثبوت بھی اخبار میں چھپ چکے ہیں۔ اہمیت کے اعتبار سے اس کی مکمل تفصیل اسی

مضمون میں دی گئی ہے۔

شیخ رشید احمد عملی طور پر تو "کام" کرنے کے عادی ہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ زبانی جمع خرچ بھی کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اسمبلی میں بھی وہ باز نہیں آتے تھے۔ بے نظیر بھٹو ایک بار پیلے رنگ کا لباس پہن کر ایوان میں آئی۔ تو شیخ صاحب نے آواز کسی کہ آج تو پوری "پیلو کیب" لگ رہی ہے۔ اسی طرح وہ بے نظیر پر دوسری فقرے بازیاں کرتے رہتے۔ اندرونی حلقوں کا کہنا ہے کہ انہیں جیل بھی دراصل ان کی انہی حرکتوں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جبکہ وہ خواتین کے جلسوں میں بھی دو معنی فقرے کسنے سے باز نہیں آتے تھے۔ ایک بار ان سے پوچھا گیا کہ آپ اپنی تقریر کے دوران ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں کہ وہاں بیٹھی خواتین شرم سے پانی پانی ہو جاتی ہیں۔ اس پر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ میں تو برطانوی اسٹائل میں تقریر کرتا ہوں اگر کوئی اس کا غلط مطلب لیتا ہے تو میرا کیا قصور ہے۔ اس موقع پر انہوں نے مثال کے طور پر اپنی کسی تقریر کا ایک اقتباس سنایا۔

اصل قصہ یہ تھا کہ بے نظیر نے اپنے دور اقتدار میں اتفاق فاؤنڈری کا بیرون ملک سے آنے والا سکریپ 40 روز سے زائد عرصے تک کراچی کے سمندر میں روکے رکھا اور نواز شریف حکومت میں آئے تو انہوں نے آصف زرداری کی طرف سے درآمد کئے گئے خشک دودھ کو غیر صحت مند قرار دیتے ہوئے ضبط کر لیا۔ یہ واقعہ جب شیخ صاحب کے پاس پہنچا۔ تو ان کی زبان و بیان نے اسے اور ہی رنگ دے دیا۔

"بے نظیر بھٹو اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران اس قدر آگے بڑھ گئی کہ اس نے نواز شریف کا "لوہا" پکڑ لیا (ہاتھ کو مٹھی بناتے ہوئے اشارہ کیا) اور پھر ہمارے قائد نواز شریف نے بھی اقتدار میں آ کر برابر کی چوٹ کی اور بے نظیر کا دودھ پکڑ لیا۔ جس سے بے نظیر کو احساس ہو گیا کہ نواز شریف کا لوہا پکڑنا اتنا بھی آسان نہیں ہے۔

اخلاقی طور پر وہ ایک فحش کلام آدمی ہے۔ اپنے دوستوں کی محفل میں بہت فحش کلامی کرتا اور غلیظ اور اخلاق سے گرے ہوئے لطائف سناتا ہے۔

حبیب الوہاب الخیری ہمارے ملک کے نامور وکلاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ تنظیم "الجہاد" کے سربراہ بھی ہیں۔ خیری صاحب نے "خبریں" کو انٹرویو دیتے ہوئے شیخ رشید کی خفیہ شادی کی تفصیلات بیان کی ہیں۔ حبیب الوہاب الخیری کا کہنا ہے کہ شیخ رشید شادی شدہ ہیں، لیکن وہ غلط بیانی کرتے ہیں اور وہ اپنی شادی کو چھپاتے ہیں۔ شیخ رشید کی شادی کے متعلق خیری صاحب سے جو سوال وجواب ہوئے وہ نذر قارئین ہیں۔

سوال: آپ نے شیخ رشید کی شادی کے بارے میں انتخابی عذرداریاں بھی کی تھیں یہ کب کی بات ہے۔

جواب: میں نے 1985ء اور 1987ء میں شیخ رشید کے خلاف راولپنڈی سے الیکشن لڑا۔ میں نے دونوں بار شیخ رشید کے خلاف انتخابی عذرداریاں بھی داخل کیں۔ اپنی انتخابی عذرداری میں، میں نے یہ اعتراض کیا تھا کہ شیخ رشید نے کاغذات نامزدگی میں خود کو کنوارہ لکھا۔ وسائل ہونے کے باوجود اس نے شادی کیوں نہیں کی حالانکہ اس کے بہت سی عورتوں کے ساتھ قصے مشہور ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ شخص دانستہ طور پر سنت نبوی ﷺ کا تارک ہے۔

سوال: ان انتخابی عذرداریوں کا نتیجہ کیا نکلا؟

جواب: شیخ رشید نے 1987ء میں ہائی کورٹ کے اپیلٹ بنچ جو جسٹس ملک اختر حسین، جسٹس میاں نذیر اختر اور جسٹس عبدالحمید ٹوانہ پر مشتمل تھا، کے سامنے بیان دیا تھا کہ میں خیری صاحب کا اعتراض دور کردوں گا اور جلد شادی کروں گا۔ شیخ رشید کا ہائی کورٹ کے تین ججوں کے سامنے یہ بیان ریکارڈ کیا گیا اور میرے پاس اس کی تصدیق شدہ کاپی موجود ہے۔ شیخ رشید نے اس موقع پر عدالت میں کہا تھا کہ میں نکاح بھی خیری صاحب سے پڑھواؤں گا۔ جس پر میں نے کہا تھا، مجھے نکاح پڑھانے کا شوق نہیں البتہ وہ شادی کرلیں۔

سوال: اب تو شیخ رشید کے خلاف ریفرنس آگیا ہے کہ وہ شادی شدہ ہیں، اب تو آپ کا اعتراض ختم ہو جانا چاہئے۔

جواب: پہلی بات یہ ہے کہ اس ریفرنس سے ایک ہفتہ قبل میں نے خبریں کے چیف ایڈیٹر کو یہ بات بتائی اور سرٹیفکیٹ بھی دکھائے، جب اسلام آباد میں ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ میرے خیال میں موصوف (جو میرے بہت اچھے دوست اور جیل کے دنوں کے ساتھی رہے ہیں) نے شیخ صاحب سے اپنی دوستی نبھانے کی خاطر خاموشی اختیار کی اور اس دوران منیر احمد خاں نے ریفرنس داخل کر دیا۔ بہرحال حقائق یہ ہیں کہ شیخ رشید نے 9 مئی 1996ء میں امریکہ میں شادی کی جو بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن پھر اسے چھپایا کیوں اور غلط بیانی کیوں کی ہے۔ شادی تو اعلانیہ ہوتی ہے۔ نکاح کے بعد ولیمہ نہ ہو اور اعلان نہ کیا جائے تو شادی نہیں ہوتی۔ جبکہ شیخ صاحب تو شادی کرکے بھی اس سے انکاری ہیں۔ حالانکہ انہوں نے امریکہ میں وہاں کے قانون کے مطابق اور بعدازاں اسلامی طریقے سے امریکہ میں مولوی صاحب سے نکاح پڑھوایا۔ دونوں سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔

سوال: چلیں شادی تو کرلی اب کسی وقت اعلان بھی کر دیں گے، آپ کو کیا اعتراض ہے۔

جواب: شیخ صاحب شادی کو مذاق کہتے ہیں اور ماضی میں بھی سنت نبوی ﷺ کا مسلسل مذاق اڑاتے رہے ہیں۔ اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ بازار سے تازہ دودھ مل جائے تو گھر میں بھینس رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے اس وقت بھی کہا تھا کہ یہ غلط بات ہے وہ کھلم کھلا بدکاری کا اعتراف کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی گستاخانہ باتوں کا کسی نے نوٹس نہیں لیا۔

سوال: شیخ صاحب کی شادی کا ان کی اسمبلی کی رکنیت سے کیا تعلق ہے۔

جواب: یہ ایک قانونی بات ہے۔ ایک ایم۔ این۔ اے نے دستاویزات میں خود کو کنوارہ ظاہر کیا جبکہ شادی شدہ ہے۔ اس طرح وہ جھوٹ بولنے کا مرتکب ہوا۔ لہٰذا آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کی روشنی میں رکن اسمبلی نہیں رہ سکتا۔ روزنامہ

اوصاف کے سنڈے میگزین میں شائع ہونے والے ایک انٹرویو میں شادی کے سوال پر بھی شیخ رشید نے کہا کہ میں نہ اس کی تصدیق کروں گا نہ تردید بلکہ کوئی جواب نہیں دوں گا۔

سوال: شیخ صاحب نے شادی کر کے سنت پوری کر دی' اعلان بھی کر دیں گے آخر اب ان کا اور کیا جرم ہے۔

جواب: ان کے جرائم کی فہرست بہت لمبی ہے۔ میں آپ کو باری باری بیان کرتا ہوں۔

1۔ ہر پاکستانی اس قانون کا پابند ہے کہ وہ بیرون ملک شادی کرے گا تو پاکستان آ کر یہاں اپنی شادی رجسٹرڈ کرائے گا۔ چاہے دلہن غیر ملک میں ہو یا دولہا' دونوں کو پاکستان آ کر شادی رجسٹرڈ کرانی پڑتی ہے۔ لیکن شیخ رشید نے امریکہ میں شادی کر کے اس کی رجسٹریشن پاکستان میں نہیں کرائی۔ اگر کروائی ہے تو ثبوت پیش کریں۔

2۔ میں نے سنا تھا کہ وہ مری جانے والی سڑک پر بھارہ کہو میں عرصہ دراز تک ایک گھر میں آتے جاتے رہے اور یہ ایک اوپن سیکرٹ تھا۔ میں انہیں تلاش کرنے کے لئے بھارہ کہو چلا گیا جہاں وہ اپنی سرکاری گاڑی میں جاتے تھے۔ انہیں تلاش کرنے کا میں نے آسان طریقہ ڈھونڈا اور تھانے پہنچا۔ وہاں سے میں نے پوچھا کہ یہاں کس گھر میں شیخ رشید کا آنا جانا ہے۔ انہوں نے تصدیق کی اور تھانے کا ایک سپاہی مجھے اس گھر تک چھوڑ آیا۔ یہ اسی خاتون شہناز کا گھر تھا جن سے شیخ رشید نے شادی کی ہے۔ اس کا ثبوت شیخ رشید کے ساتھ ان کے دو بچوں کی تصویریں ہیں۔ شہناز صاحبہ کا شناختی کارڈ اس بات کی گواہی ہے کیونکہ اس پر اسی گھر کا ایڈریس لکھا ہوا ہے۔ ایک تصویر میں شہناز صاحبہ جن دو بچوں کے ساتھ کھڑی ہیں۔ شیخ رشید کی بھی انہی دونوں بچوں کے ساتھ تصویریں ہیں جو شہناز کے پہلے شوہر سے ہیں۔ شیخ رشید بہت چالاک سیاست دان ہیں۔ انہوں نے اپنے بارہ سالہ سوتیلے بیٹے اخوان علی سے بہت دوستی کر رکھی ہے۔ یہ اخوان علی ولد عثمان

شیخ رشید کی مصروفیات











علی فروبل سکول F-7/3 سٹریٹ 13 میں پڑھتا ہے جبکہ شمناز کی بیٹی سونیا علی کی عمر سولہ سال ہے اور وہ سعودی عرب میں اولیول کی طالبہ ہے۔

4. حدیث شریف ہے کہ جو شادی نہیں کرتا اور اس کا تارک ہے وہ ہم میں سے نہیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص بیوی' بچے پالنے کی استطاعت رکھتا ہو اور بیمار بھی نہ ہو تو اس کا شادی نہ کرنا ناجائز ہے۔ تارک سنت

نبوی ﷺ کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی جا سکتی۔ اگر شیخ صاحب نے شادی نہیں کی تو ثابت کریں کہ کیوں نہیں کی اور سنت رسول مقبول ﷺ کے تارک کیوں ہیں اور اگر کی ہے تو چھپاتے کیوں ہیں۔ یہ بھی نکاح کی شرط اول ہے کہ اس کا اعلان کیا جائے۔

سوال: یہ تو کوئی سنگین جرم نہیں؟

جواب: تعجب ہے کہ آپ کے خیال میں یہ کوئی جرم ہی نہیں۔ میرے پاس اس کی اور بھی بداعمالیوں کے ثبوت موجود ہیں۔ ایک کیسٹ بھی ریکارڈ ہے۔ پیپلز پارٹی کے منیر احمد خان نے تو صرف ریفرنس دائر کیا میں تو ان کے خلاف باقاعدہ کیس درج

کراؤں گا۔ میں ثبوت کے بغیر کوئی بات نہیں کرتا۔ شیخ رشید نے شادی کی مگر اسے چھپایا' میں خود بھی ان کی بیوی شہناز سے مل چکا ہوں۔

پھر شیخ رشید نے ایک اور غیر قانونی کام کیا ہے کہ الیکشن لڑتے ہوئے انہوں نے صرف اپنے اثاثے ڈکلیئر کئے لیکن خود کو کنوارہ ظاہر کیا اور بیوی کے اثاثوں والا خانہ خالی چھوڑ دیا۔ جبکہ انہیں وہ خانہ بھی پر کرنا چاہئے تھا اور اپنی بیوی کے اثاثے مثلاً ان کا گھر اور بینک بیلنس بھی شو کرنا چاہئے تھا۔

شیدا پنڈی وال' نئے ڈیزائن کا وزیر ثقافت

شیخ صاحب اپنے مخصوص مشاغل کے ذکر میں ایسے پنتری سے اترے کہ وہ مائیکل جیکسن اور میڈونا جیسے فلمی دنیا کے کارکنوں کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کر بیٹھے۔ یہ بھی ایک وجہ سے ان کا ذاتی مسئلہ تھا لیکن انہوں نے غضب یہ کیا کہ فرمانے لگے کہ ہم مولویوں سے نہیں ڈرتے۔ وہ ضرور آئیں گے۔ علماء کا کیا ہے انہوں نے تو ہوائی جہاز کی بھی مخالفت کی تھی اور لاؤڈ سپیکر کی بھی۔ اس لئے ایسے لوگوں کی مخالفت کی پروا نہیں۔ یہ شور مچاتے رہیں ہم اپنے معزز مہمانوں کو ضرور بلائیں گے۔

شیخ رشید طالب علم راہنما رہ چکے ہیں۔ واقف حال کے بقول ان کے حالات بہت پتلے تھے۔ ملک غلام مصطفیٰ کھر سے آغا شورش کاشمیری تک بہت سے اکابرین سیاست ان کی دست گیری کرتے بلکہ بہت سے بزرگ علماء بھی ان پر رحم کھا کر اس سے حسن سلوک کرتے۔ ان کی دال روٹی کپڑے اور ضروریات زندگی پر حتیٰ کہ مقدمہ کے لئے ضمانت' وکیل اور باقی ضروریات کا بھی اہتمام کرتے لیکن کرنا رب کا یہ ہوا کہ شیخ صاحب بلدیاتی سیاست سے ملک کی سیاست میں آ گئے۔ اور مختلف اہم وزارتوں پر بھی فائز رہے۔

شیخ رشید کے بغیر

پاکستانی فلموں کی ممتاز اداکارہ ریما جو ان دنوں لندن کے دورے پر ہیں نے

ایک معروف انگریزی جریدے کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ یہاں تفریح کی غرض سے آئی ہیں لیکن انہیں وہ لطف نہیں ملا جو وہ چاہتی ہیں۔ ریما نے کہا کہ جس طرح ترنم کے بغیر موسیقی بے معنی ہوتی ہے' اس طرح شیخ رشید کے بغیر ان کی تفریح بھی پھیکی پھیکی اور نامکمل ہے اگر وہ میرے ہمراہ ہوتے تو میں اس قدر اداس نہ ہوتی اور میری تفریح کا لطف دوبالا ہو جاتا۔ اسی روز ایک دوسرے اخبار نے خبر دی کہ مسلم لیگ (ن) کے رکن قومی اسمبلی شیخ رشید بھی کل رات لندن پہنچ گئے وہ چند دن قیام کے بعد وطن واپس آ جائیں گے۔

(روزنامہ خبریں' جنگ لاہور 21 اگست 1994ء)

وزیر ثقافت چاہتے کیا ہیں؟

معروف کالم نگار جناب خورشید احمد گیلانی لکھتے ہیں

"لیڈی ڈیانا کے بادشاہی مسجد جانے کا قصہ ختم نہیں ہوا کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کے وزیر ثقافت شیخ رشید نے مغرب کے معروف پاپ سنگر مائیکل جیکسن اور میڈونا کو پاکستان آنے کی دعوت کا مژدہ سنا دیا' ساتھ ہی ارشاد ہوا "ہم دنیا پر ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم "بنیاد پرست" "نہیں ہیں۔" نہ جانے "بنیاد پرست" کا لفظ کوئی ایسی فحش گالی ہے جس سے وزیراعظم سے لے کر جملہ وزراء تک اپنا دامن بچاتے نظر آتے ہیں۔ یہ بار بار کی وضاحت پتہ دیتی ہے کہ ہمارے ہاں (خاص طور پر حکومتی حلقوں میں) حسن و قبح کا واحد معیار مغرب کی پسند اور ناپسند ہے۔ ایک زمانے میں مغرب نے مسلمانوں اور اسلام پسند حلقوں کے لئے "دائیں بازو" کی اصطلاح استعمال کی تو ہر چھوٹے بڑے لیڈر کو جان کے لالے پڑ گئے' اور وہ وضاحتیں کرتے پھرے کہ ہم "دایاں بازو" نہیں حالانکہ قرآن مجید نے "اصحاب المیمنہ" (دائیں بازو والے) کی اصطلاح اہل ایمان اور اہل جنت کے لئے استعمال کی ہے۔ آخر اس سے انکار کی کیا ضرورت ہے؟ چونکہ مغرب نے اسے ناپسند کیا تو گویا ہمارا فرض بن گیا کہ ہم اس سے اظہار برأت کریں ورنہ ہمارا تشخص اور وقار خطرے میں پڑ جائے گا۔ مغرب سے فکری و اعتقادی اور تہذیبی و معاشرتی مرعوبیت کسی نہ کسی سطح پر اس



میڈونا جسے شاید پاکستان نہ پاتے تے

وقت تو قابل فہم تھی (اگرچہ مستحسن نہیں تھی) جب انگریز بہادر بذات خود ہمارے سروں پر مسلط، ہماری گردنوں پر سوار، ہمارے درمیان موجود اور ہماری سیاسی و اقتصادی شہ رگ کے قریب تھا، اس غلامی نے وہ رنگ دکھائے تھے کہ بڑے بڑے

مفسر اور متکلم قرآن و حدیث کی تفسیر و شرح خطبائے خدا اور رسول کے بجائے اشارہ ابروئے افرنگ کے مطابق کرتے نظر آتے تھے۔ مگر اب ہر سال 14 اگست کو یوم استقلال و آزادی منانے والی حکومتیں اور اس کے وزراء اپنے لب و لہجے سے یہ کیوں تاثر دیتے ہیں کہ ہم اب بھی آزاد نہیں، یہ جشن آزادی تو عام آبادی کی تسکین کے لئے ہوتا ہے۔

اس ضمن میں دوسری بات یہ کہ لیڈی ڈیانا کے ساتھ مردوں کا مصافحہ، کیلاش لڑکیوں کا رقص، مائیکل جیکسن اور میڈونا کا دورہ پاکستان ہمارے ملک کی ترقی، استحکام، روشن خیالی اور خوشگوار تبدیلی سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہ محض شوریدہ سر اور آوارہ مزاج عمال حکومت، بگڑے ہوئے نواب زادوں اور بے لگام نودولتیوں کی تسکین قلب اور ضیافت طبع کا سامان ہے۔ ملک کے کروڑوں باشندوں کے لئے اس وقت مسئلہ پاپ سنگنگ، ثقافتی طائفوں کا تبادلہ، فن موسیقی کا فروغ، فلمی صنعت کی ترقی و استحکام نہیں بلکہ معاشی انصاف، امن و امان کا قیام، روزگار کی فراہمی، جلد اور سستا انصاف اور اس طرح کے دوسرے معاملات ہیں۔ پی۔ٹی۔این، ٹی۔این۔ایم، بی۔این۔این پہلے کم قیامتیں ڈھا رہا ہے۔ جو اب مائیکل جیکسن اور میڈونا اس کی کسر پوری کریں گے؟

وزیر ثقافت براہ کرم ثقافت کو کثافت نہ بنائیں۔ خدا جانے میرے ملک پر کسی آسیب کا سایہ ہے کہ عوام کا مقدر ان کے ہاتھ میں ہے۔ جن کا اپنا ہاتھ نہ باگ پر ہے اور نہ پاؤں رکاب میں۔

قیادت وہ کر رہے ہیں جنہیں ابھی پورے آداب اطاعت بھی نہیں آتے، فیصلے کرنے کے وہ مجاز ہیں جن کے فیصلے ابھی عدالتوں سے ہونے باقی ہیں، زمام کار ان کے پاس ہے جو خود بے لگام ہیں۔ بڑھ چڑھ کر وہ بولتے ہیں جنہیں بولنے کا سلیقہ نہیں، پالیسی وہ بناتے ہیں جنہیں چاپلوسی سے فرصت نہیں۔ بڑے وہ بنے ہوئے ہیں جو صرف بڑھکار لگتے ہیں۔ قوم ان کی شکلیں دیکھنے پر مجبور ہے۔ جن کی تراش خراش ابھی باقی ہے، اسلام پر لب وہ کھولتے ہیں جن کی اپنی فائلیں کھلی ہیں۔ پاکستان کی ترجمانی وہ کر رہے ہیں جو صرف من مانی کرنا جانتے ہیں۔ نمائندگی کا حق انہیں ملا ہوا

ہے جنھوں نے اہل وطن کا حق مار رکھا ہے۔ قانون سازی وہ کر رہے ہیں جن کا مزاج قانون شکنی ہے۔

اس بات کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ کشمیر جس خاک و خون اور آہن و آتش کے سمندر سے گزر رہا ہے۔ بہتر نہیں کہ حکومت اپنی ساری توجہ اس مسئلے پر مرکوز کر کے پچاس سال سے متعلق قضیئے کا دائمی اور منصفانہ حل نکالے...... مسلمانوں کا قتل عام' معصوم بچوں کی شہادت' بیواؤں کا نوحہ' یتیموں کی چیخ پکار اور سوختہ سامانوں کا واویلا کسی محمد بن قاسم کو بلا رہا ہے یا مائیکل جیکسن کی راہ تک رہا ہے؟ وزیر ثقافت ایسے لوگ اس ملک میں زیادہ نہیں' آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ چٹکی بھر نمک زیادہ پڑ جائے تو سارا آٹا کڑوا کر دیتا ہے۔ یہ لوگ بھی ذرا مال اور اثر زیادہ رکھتے ہیں اس لئے چہک چہک کر بولتے ہیں' ورنہ یہ ملک بڑی آرزوؤں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔ ہمارے بڑوں نے اپنے اور اپنی نسلوں کے لئے پناہ گاہ کی آرزو کی تھی' تماشاگاہ کی نہیں' اجڑے بہتر کی دعا کی تھی۔ فلم اور تھیٹر کی نہیں' اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت واضح تو کرے کہ اس کے وزیر ثقافت آخر چاہتے کیا ہیں؟

(ہفت روزہ زندگی لاہور 2 تا 8 نومبر 1999ء)

شیخ رشید وفاقی وزیر ثقافت

وفاقی وزیر ثقافت شیخ رشید احمد نے قومی اسمبلی کو آگاہ کیا ہے کہ پاکستانی فنکاروں پر بھارتی فلموں میں اداکاری پر کوئی پابندی یا شرط موجود نہیں ہے۔ وقفہ سوالات کے دوران ایک سوال کے جواب میں وفاقی وزیر شیخ رشید احمد نے کہا کہ پاکستانی فنکاروں کو قابل اعتراض بھارتی فلموں میں اداکاری سے روکنے کے لئے بھی کوئی اقدامات نہیں کئے گئے۔

(روزنامہ "نوائے وقت" لاہور 15 اکتوبر 1992ء)

شیخ رشید اور شہناز بیگم

سابق وزیر اور مسلم لیگ (ن) کے نائب صدر شیخ رشید احمد کی اہلیہ شہناز شیخ

نے اپنے شوہر شیخ رشید پر الزامات کی بوچھاڑ کرتے ہوئے انہیں جھوٹا' فریبی' غنڈہ اور عیاش قرار دیتے ہوئے چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف اور ملک میں انسانی حقوق کے علمبردار تنظیموں سے اپیل کی ہے کہ وہ انصاف دلائیں۔ شہناز شیخ جمعہ کے روز راولپنڈی میں پاکستان عوامی تحریک کے دفتر میں تحریک کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری کے ہمراہ ایک پرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کر رہی تھیں۔ پروفیسر طاہر القادری نے اس موقع پر صحافیوں سے شہناز شیخ کا تعارف کراتے ہوئے بتلایا کہ عوامی تحریک کا عوامی داد رسی سیل اس کیس میں محترمہ شہناز شیخ کی مدد کرے گا اور شیخ رشید کے خلاف مقدمہ درج کرانے کے علاوہ خاتون کو ہر قانونی و اخلاقی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔ ڈاکٹر طاہر القادری نے شیخ رشید احمد کی شہناز شیخ سے شادی کا پس



شیخ رشید کی مبینہ بیوی شہناز شیخ

منظر پوری تفصیل سے بیان کیا اور بتایا کہ خاتون نے ان کے ساتھ رابطہ کر کے اپنے ساتھ ایک وفاقی وزیر اور اپنے شوہر شیخ رشید احمد کے مظالم کا ذکر کیا اور ان سے امداد اور تعاون کی استدعا کی۔

پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے شیخ رشید احمد کی اہلیہ شہناز شیخ نے کہا کہ میں نے مئی 1996ء میں امریکہ میں شریعت محمدی ﷺ اور اسلامی قوانین

Sheikh Rasheed Ahmed
M.A., LL.B.
MEMBER NATIONAL ASSEMBLY
NEW CENTRAL JAIL BAHAWALPUR
Dated: 26-12-95

شیخ رشید احمد

[illegible]

شیخ رشید کا محبت نامہ' شہناز بیگم کے نام

کے مطابق شیخ رشید احمد سے نکاح کیا جو امریکہ میں باقاعدہ رجسٹرڈ ہے مگر تین سال گزرنے کے باوجود رجسٹریشن آف شادی ایکٹ کے تحت نکاح شیخ رشید احمد نے رجسٹرڈ نہ کرایا تاکہ ان کے مقاصد کی تکمیل میں یہ شادی رکاوٹ نہ بنے اور میرے اصرار کے باوجود شادی کو منظر عام پر لانے اور نکاح کو رجسٹرڈ کرانے کا معاملہ ٹالتے رہے۔ میرے شوہر شیخ رشید شادی شدہ ہو کر بھی خود کو کنوارہ ظاہر کرتے رہے۔ انہوں نے الیکشن کمیشن کو الیکشن 1997 میں بھی کاغذات نامزدگی میں خود کو کنوارہ ظاہر کیا حالانکہ میری اور ان کی شادی 1996ء میں ہو چکی تھی۔ شہناز شیخ نے کہا کہ شیخ رشید نے سفارتی پاسپورٹ سمیت دیگر سرکاری کاغذات میں غلط معلومات فراہم کر کے بطور عوامی نمائندہ جھوٹ' بددیانتی اور خیانت کا ارتکاب کیا۔ شیخ رشید شادی کے تین سال بعد بھی خود کو غیر شادی شدہ قرار دے کر کہتے رہے کہ اگر تازہ دودھ مل جائے تو گھر میں بھینس رکھنے کی ضرورت کیا ہے۔ بعض مواقع پر ملک کی ممتاز شخصیات ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کے سامنے انہوں نے میرے بارے میں یہ تبصرہ کیا کہ مجھے انہوں نے داشتہ کے طور پر رکھا ہوا ہے' شادی نہیں کی' جو شیخ رشید کی طرف سے شریعت محمدی کا مذاق اڑانا اور سنت نبوی ﷺ کی توہین کرنے کے مترادف ہے اور مجھے ایک داشتہ قرار دے کر معاشرے میں میری ذلت اور رسوائی کی گئی۔ شیخ رشید سے شادی کی وجہ سے سعودی قانون کے تحت مجھے سعودی پاسپورٹ سے محروم ہونا پڑا اور پاکستان آکر میں تباہ و برباد ہو گئی کیونکہ میرا اپنا شوہر مجھ سے شادی سے انکاری ہے۔ اس ظلم نے مجھے ذہنی اور اخلاقی طور پر تباہی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ ایک سوال پر شہناز شیخ نے کہا کہ میرے علاوہ لاتعداد خواتین شیخ رشید کے مظالم کا نشانہ بنیں۔ ایک طالبہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اس طالبہ کو صرف داخلہ کے حصول کے لئے شیخ رشید کی ہوس کا نشانہ بننا پڑا۔ شہناز شیخ نے بتایا کہ میں شادی کے بعد تقریباً پندرہ دن تک شیخ رشید کی رہائش گاہ واقع آئی ٹن تھری سٹریٹ 9 مکان 159 میں مقیم رہی۔ سابق دور حکومت میں اس لئے خاموش رہی کہ مجھے اور میرے بچوں کو اغوا اور سنگین نتائج کی دھمکیاں دی گئیں۔ آج بھی بے شمار عورتیں شیخ رشید احمد کے مظالم کا نشانہ بننے کے باوجود

خاموش ہیں مگر میں انہیں کیفرِ کردار تک پہنچاؤں گی۔

شہناز بیگم نے کہا ہے کہ اگر میں شیخ رشید کی بیوی نہیں ہوں تو وہ میرے گھر کیوں آتا رہا اور کیوں میرے ساتھ تعلقات رکھے؟ کیا یہ تعلقات حدود آرڈیننس کی زد میں نہیں آتے۔ انہوں نے کہا کہ میں شیخ رشید کے جسم پر نشانات کی تفصیل بتا سکتی ہوں اور یہ تفصیل ایک بیوی کے علاوہ کوئی نہیں بتا سکتا۔ انہوں نے کہا کہ شیخ رشید نے شادی سے قبل اپنے بھائی اور بہن سے اجازت لی' یہ سب لوگ قرآن پر حلف دے کر کہیں کہ میں شیخ رشید کی بیوی نہیں ہوں۔ انہوں نے بتایا کہ امریکی حکومت کی طرف سے میرج سرٹیفکیٹ' اسلامک سنٹر کیلفورنیا کا جاری کردہ سرٹیفکیٹ اور اس کی تصاویر کے علاوہ کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کے جس ہوٹل میں ولیمہ ہوا اس کا سٹاف بھی اس کا گواہ ہے۔ شیخ رشید میرے فون ٹیپ کراتے رہے انہوں نے مجھے شہباز شریف سے بھی "ملوانے" کی کوشش کی' وہ نفسیاتی مریض ہیں اور اعصابی قوت کی دوائیں اور انجکشن استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ شیخ رشید کہا کرتے تھے کہ دوران تعلیم کالج کے لڑکے شیخ رشید سے زیادتی کرتے رہے۔ جس کا انتقام وہ اب ان کی بہنوں سے زیادتی کر کے لے رہا ہے جس پر وہ اسے سمجھاتی تو وہ رونا شروع کر دیتا۔ انہوں نے کہا کہ سابق وفاقی وزیر جھوٹا آدمی ہے بات بات پر قسمیں کھانا اس کی عادت ہے'

STATE OF CALIFORNIA

County of San Bernardino

CERTIFIED ABSTRACT OF MARRIAGE

224516

کیلفورنیا امریکہ میں کاؤنٹی آف سین برنارڈیو میں درج شادی کا سرٹیفکیٹ

مجھے اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بے نقاب کرنے کے لئے منتخب کر لیا ہے۔

(7،6 دسمبر 1999ء)

شہناز بیگم اور دیگر "متاثرہ" خواتین کا مظاہرہ

3 سابق وزراء کے خلاف گزشتہ روز خواتین نے مظاہرہ کیا' اس مظاہرے

Shaikh Rasheed Ahmed

M.N.A

شیخ رشید احمد



جانِ من

آج عید شب معنے کی تو اجازت نہیں تھی تو پھر عبادات کیجئے کا موقع ہے

آپ ذرا صبر کریں اب چند دن تھوڑے ہیں

تمہارا

شیخو

بہاولپور جیل سے شہناز کے نام شیخ رشید کا خط

میں سابق وفاقی وزیر شیخ رشید احمد کی بیوی ہونے کی دعویدار شمناز' سابق وفاقی وزیر' اعظم ہوتی کی بیوی ہونے کی دعویدار زیبا خان اور سابق وفاقی وزیر چوہدری نثار علی خان کی مبینہ زیادتی کی شکار نقاب پوش صائمہ خان بھی شریک تھیں' اس مظاہرے کی خاص بات یہ تھی کہ یہ مظاہرہ شیخ رشید کے خلاف ان کے اپنے ہی حلقے میں کیا گیا جبکہ مظاہرے کی قیادت شمناز اور الھادی ٹرسٹ کے سربراہ حبیب وہاب الخیری نے کی۔ مظاہرین نے جو بینر اٹھا رکھے تھے' ان پر نیشنل کرپٹ' نواز مافیا' خواتین کا دشمن' عورتوں کی عزت کا قاتل' شیخ رشید ہائے ہائے' شیخ رشید کو سرعام کوڑے مارو' Listen Sheikko Your End Soon کے نعرے لکھے گئے تھے۔

شمناز شیخ نے کہا کہ جب شوہر اپنی بیویوں کو انصاف نہیں دیتے تو وہ اپنے بھائیوں کے پاس جاتی ہیں' میں آج انصاف نہ ملنے پر راولپنڈی کے بھائیوں کے پاس آئی ہوں کیونکہ میرے ساتھ ظلم ہوا ہے اور ظالم ظلم کرنے کے بعد ظلم کے خلاف آواز بھی نہیں اٹھانے دے رہے۔ شمناز شیخ نے یہ باتیں شیخ رشید احمد کے خلاف احتجاجی واک کے اختتام پر کمیٹی چوک پر صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کیں۔ شمناز شیخ نے کہا کہ میں شیخ رشید کے ظلم کے خلاف آواز اٹھانے سڑک پر آئی ہوں۔ کیونکہ جب میرا اپنا شوہر مجھے اپنی بیوی ماننے سے انکاری ہے تو میرے پاس اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہ جاتا کہ میں گھر سے باہر نکل آؤں۔

احتجاجی واک میں شریک نقاب پوش جواں سال خاتون صائمہ خان نے صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ وہ ملازمت کے لئے سابق وفاقی وزیر چوہدری نثار علی خان کے پاس گئی تھی جنہوں نے اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے ساتھ زیادتی کی۔ چوہدری نثار علی خان نے راولپنڈی میں مجھے اپنے گھر پر بلایا تھا۔ ایک سوال پر صائمہ خان نے کہا میں اپنے ساتھ زیادتی کی شکایت کس سے اور کہاں جا کر کرتی' بے بس تھی' اس لئے خاموش رہی۔ وہ طاقتور ترین وزیر تھے' آواز بلند کرتے تو مجھے اور میرے خاندان کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جاتا۔ اب انصاف کے لئے ہر دروازے پر دستک دوں گی۔

سابق وفاقی وزیر' اعظم خان ہوتی کی اہلیہ ہونے کی دعویدار زیبا خان نے' جو احتجاجی واک میں شریک تھیں' صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اعظم خان ہوتی نے میرے ساتھ نکاح کیا مگر مجھے بیوی ماننے سے انکاری ہیں۔ ایک سال ہو گیا عدالت میں میرے کیس کی سماعت نہیں ہو رہی۔ اعظم ہوتی کے لوگ عدالت میں سماعت نہیں ہونے دیتے اور تاریخیں لے لیتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں لاہور اور اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ISLAMIC CENTER
NORTHRIDGE

IN THE NAME OF ALLAH MOST MERCIFUL MOST COMPASSIONATE

[illegible] before me Jay Muhammad [illegible] at the Islamic Center [illegible] Northridge, California [illegible] the marriage of the following

NAME OF THE BRIDEGROOM: RASHID SHEIKH AHMED
OCCUPATION: BUSINESS
NATIONALITY: PAKISTANI
DATE OF BIRTH: 17-2-1950
COUNTRY OF BIRTH: PAKISTAN
ADDRESS:
[illegible]: 212-85-034900
NAME OF THE BRIDEGROOM'S MOTHER: KHURSHID BEGUM
NAME OF THE BRIDE: SHEHNAZ HAMID ALI SHAH
[illegible]
OCCUPATION: NIL
NATIONALITY: PAKISTANI
DATE OF BIRTH: 22-6-60
COUNTRY OF BIRTH: PAKISTAN
ADDRESS:
[illegible]: 518-98-468378
NAME OF THE BRIDE'S MOTHER: KAISAR JEHAN BEGUM
[illegible]: NIL [illegible]
[illegible]: NIL [illegible]
[illegible] The marriage was witnessed by
NAME: MOHD JAVED MASOOD
ADDRESS: —
SIGNATURE: Javeed
NAME: MR ASGHAR
ADDRESS:
SIGNATURE:
[illegible]: [signature]

نکاح سے پہلے دولہا دلہن کی کی گئی تفصیلات کا عکس

آباد میں رہتی ہوں مگر اعظم خان ہوتی اس قدر با اثر ہے کہ اس نے میرا مقدمہ مردان کی عدالت سے لاہور اور اسلام آباد کی عدالت میں منتقل نہیں ہونے دیا۔ انہوں نے کہا کہ میں نے انصاف کے لئے معزول وزیراعظم نواز شریف اور بیگم کلثوم نواز کو بھی متعدد خطوط لکھے مگر مجھے کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ زیبا خان نے کہا کہ فوجی حکومت آنے سے ہمیں خوشی ہوئی ہے اور اب بھی اگر ہمیں انصاف نہ ملا تو پھر بڑی زیادتی ہوگی۔ میرے پاس اعظم ہوتی کے حوالے سے جتنی دستاویزات ہیں' وہ میں نے عدالت میں پیش کردی ہیں۔

اہل اقتدار کی ہوس کا نشانہ بننے والی مظلوم خواتین نے شہناز رشید کی زیر قیادت ایک انجمن بنالی۔ دفتر کے طور پر ابلاو ٹرسٹ کا ایڈریس استعمال ہوگا۔ سابق وفاقی وزیر شیخ رشید احمد کی بیوی کے طور پر مبینہ ہوس کا نشانہ بننے والی شہناز شیخ لیاقت باغ راولپنڈی میں احتجاج کرنے پہنچیں تو وہاں سابق وفاقی وزیر چودھری نثار علی خان کی مبینہ ہوس کا نشانہ بننے والی صائمہ خان' سابق وفاقی وزیر اعظم خان ہوتی کی مبینہ ہوس کا نشانہ بننے والی زیبا خان' سابق مرحوم وزیراعلیٰ میر افضل خان کی مبینہ ہوس کا نشانہ بننے والی نسیم خان بھی پہنچ گئیں جبکہ صوبہ سرحد کے ایک سینیٹر کی مبینہ ہوس کا نشانہ بننے والی خاتون کمیٹی چوک میں احتجاج ختم ہونے پر پہنچیں۔ احتجاجی واک کے بعد جب یہ خواتین ابلاو ٹرسٹ کے اڈے واقع سیٹلائٹ ٹاؤن پہنچیں تو ان میں سے ایک نے بتایا کہ کئی دیگر خواتین بھی ہم سے رابطہ کر رہی ہیں۔ جن کا کہنا ہے کہ کئی وفاقی اور صوبائی وزراء' صوبائی اور وفاقی بیورو کریسی کے اعلیٰ عہدیداران ان کے ساتھ خفیہ نکاح کرکے یا بغیر نکاح کے کھیل کھیلتے رہے۔ ان خواتین نے ایک انجمن بنانے کا فیصلہ کیا جس کا باضابطہ اعلان جلد ہی کر دیا جائے گا۔ اس انجمن نے مزید خواتین کو ابلاو ٹرسٹ کے دفتر میں رابطہ کرکے ان کے راسپوٹین افراد کے چہروں سے نقاب اتارنے کی درخواست کی ہے۔ اسلام آباد اور راولپنڈی کی بعض خواتین تنظیموں نے آئندہ ان مظلوم خواتین کے پروگراموں میں شرکت کا یقین دلایا ہے۔ اس طرح پاکستان میں خفیہ نکاح ناموں یا بغیر نکاح کے داشتاؤں کے طور پر رکھی جانے والی خواتین کی طرف سے مبینہ شوہروں اور عاشقوں

کے خلاف یہ پہلا بڑا سکینڈل ہوگا۔

شہناز شیخ نے دعویٰ کیا ہے کہ میں جلد ہی پشاور میں سابق وزیراعلیٰ سرحد اور مسلم لیگ سرحد کے صدر پیر صابر شاہ کے گھناؤنے کردار کو بے نقاب کروں گی کہ کس طرح اس نے معصوم لڑکی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ شہناز شیخ نے کہا کہ پشاور میں اس کے ہمراہ چودھری نثار اور اعظم ہوتی کے ظلم کا شکار ہونے والی صائمہ اور زیبا خان بھی ہوں گی۔ شہناز شیخ کے مطابق مظلوم خواتین اور ظالم درندے ایکشن کمیٹی کے عہدے داروں کا جلد اعلان کر دیا جائے گا۔

(روزنامہ خبریں لاہور' دن لاہور 13، 14 دسمبر 1999ء)

فنکشنل مسلم لیگ کے سربراہ پیر آف پگاڑا نے گزشتہ روز راولپنڈی میں وفاقی وزرا کی مبینہ بیویوں کے مظاہرے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ "عورتوں کا مظاہرہ کرنا قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ کچھ سیاستدانوں کو خدا کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ ان کے خلاف ابھی تک ان کے "ناجائز" لڑکے سڑکوں پر نہیں آئے۔"

(روزنامہ نوائے وقت لاہور 16 دسمبر 1999ء)

معروف کالم نگار جناب راجہ انور اپنے کالم بازگشت میں "مینڈا ٹلی" کے عنوان سے لکھتے ہیں

"جب شیخ رشید احمد باودوم کرسی وزارت پر بوجھ بنے تو میں نے ایک کالم لکھا تھا کہ وہ خیر سے عمر کے اس حصے میں داخل ہو چکے ہیں' جہاں پرانے دوست ایک دوسرے سے بچوں کی تعلیم' ان کے شادی بیاہ اور پوتوں' نواسوں کی تعداد پوچھا کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے سینگ کٹا کر خود کو اب تک بچھڑوں کی صف میں شامل کر رکھا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ بچے پیدا کرنے کے بجائے اپنے "والدین" کی تعداد میں اضافہ کیے جا رہے ہیں۔

1983ء میں شیخ صاحب پہلی بار بی ڈی ممبر بنے۔ اس خوشی میں انہوں نے بکمال فخر اپنے آپ کو...... "فرزند بھابھڑا بازار" کا عنوان دیا۔ دو سال بعد وہ ایم۔ این۔ اے کیا بنے' انہوں نے پورے راولپنڈی کے حسب نسب پر حملہ کر دیا۔

اور جبراً سارے شہر کے "فرزند" بن گئے۔

1994ء میں ان کی گرفتاری بل من مزید کی ایک نئی اشتہا کا باعث ٹھہری۔ اس بار انہوں نے پورے پاکستان کی فرزندی کا دعویٰ دائر کر دیا۔ کوئی ان سے پوچھے کہ پاکستان میں سبھی لوگ پابند صوم و صلوٰۃ تو ہیں نہیں۔ ان میں چور' ڈاکو' بدمعاش اور سمگلر قسم کے لوگ بھی پائے جاتے ہیں۔ ان سب کو والد کا درجہ دینا شاید شیخ صاحب کے لئے مناسب نہ ہو۔

دوسری جانب ایسے لوگوں کی تعداد بھی کم نہیں' جو ان کو اپنی فرزندی میں لینا اپنی توہین سمجھتے ہوں گے۔ لیکن یہ بات اب تک ان کی سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک بیٹے کے لئے اپنے باپ کا بیٹا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ اگر وہ سارے پاکستان کو زحمت دینے کے بجائے صرف چاچا شیخ احمد مرحوم کی روح کو خوش کرلیں تو یہی ان کے لئے کافی ہوگا۔ اب جبکہ وہ پاکستان کا "اکلوتے فرزند" کہلوانے پر بضد ہیں تو ان پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ پاکستان کو اپنی مانند "اوترا نکھترا" نہ چھوڑیں۔ میں نے ان سے گزارش کی تھی کہ وہ فوراً شادی کا منڈپ رچائیں تاکہ بچارے پاکستان کو اپنے صحن میں دو چار وارث کھیلتے کودتے نظر آئیں۔ تب وہ اقتدار کے گھوڑے پر سوار تھے۔ چنانچہ انہوں نے میرے برادرانہ مشورے کو درخور اعتنا نہ سمجھا اور آج یہ حالت ہے کہ علامہ طاہر القادری اور وہاب الخیری ان کے اعمال نامے اپنے ساتھ ساتھ سڑکوں پر گھسیٹے پھرتے ہیں۔

روز الکسمبرگ جرمنی کی مشہور دانشور خاتون تھیں۔ انہوں نے شادی کے بندھن کی نفی کرتے ہوئے 1912ء میں "گلاس اور پانی" کا نظریہ پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ شادی جیسا روگ پالنے کے بجائے مرد اور عورت کے مابین گلاس اور پانی والا رشتہ قائم ہونا چاہئے۔ یعنی جس کو جہاں کہیں پیاس لگی' اس نے قریب پڑا گلاس اٹھایا اور اپنی تشنگی بجھالی۔ ادھر اپنے یار شیخ رشید نے شادی کے مقابلے میں "بھینس اور تازہ دودھ" کا نظریہ پیش کیا۔ جو کوئی ان سے شادی کے بارے میں پوچھتا' وہ اپنے مخصوص انداز میں ملتے ہوئے اپنے شانے ایک جانب ٹیڑھے کرتے اور مسکرا کر کہتے .... "جس شخص کو ہر صبح پینے کے لئے تازہ دودھ ملے' اسے اپنے کھونٹے پر

بھینس باندھنے کی کیا ضرورت ہے" یعنی اپنے گھر میں بھینس پالنے اور اس کے چارے پانی کا اہتمام کرنے کے بجائے "گراؤنڈ" میں جہاں کہیں موقع لگے کٹورا اٹھاؤ اور تازہ دودھ پی جاؤ۔

مرد اور عورت کے مابین جائز اور روایات کے مطابق تسلیم شدہ باہمی تعلق اس کائنات کا سب سے زیادہ حسین رشتہ ہے۔ خدا کی اس سب سے بڑی نعمت کو "بھینس اور تازہ دودھ" ایسے تعلق میں بدلنا' کفران نعمت کے مترادف ہے۔ شادی صرف "دودھ پینے" کا نام نہیں' بلکہ ایک سماجی معاہدہ ہے۔ یعنی ازدواجی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچوں کی ذمہ داری قبول کرنے اور انہیں اپنا نام دینے کا نام ہے۔ اس سماجی بندھن کے سہارے سماج میں نظم قائم ہے۔ اگر اس انتہائی اہم رشتے کو "بھینس کے تازہ دودھ" والے فلسفے میں تبدیل کر دیا جائے تو پھر سماج میں کوئی رشتہ باقی نہیں بچے گا۔ دوسرے لفظوں میں شیخ صاحب اگر کسی کو بیٹا بیٹی سمجھ کر اس کی ذمہ داری قبول نہیں کرنا چاہتے تو پھر پورے پاکستان کے فرزند کس خوشی میں بن بیٹھے ہیں۔

نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں جونہی شیخ جی وزارت اطلاعات و ثقافت پر قابض ہوئے' انہوں نے فوراً ایک نیا سماں باندھ دیا۔ موصوف کا نام ریما اور میرا وغیرہ کے ساتھ لیا جانے لگا۔ سکینڈل پھیلا تو ریما نے فوراً انہیں اپنے باپ کی مانند بزرگ قرار دے کر "بھینس اور تازہ دودھ" والے رشتے پر مٹی ڈال دی۔ ادھر شیخ جی اس بات پر ہی خوش ہوگئے کہ ریما سے کوئی رشتہ تو ہوا۔ اتفاق سے وہ اسی زمانے میں جرمنی تشریف لائے۔ جب ان کے خلاف شائع ہونے والے سکینڈلز کا ذکر چھڑا تو وہ کہنے لگے "اخبارات نے میری شہرت خراب کرنے کی جستجو میں الٹا میری مقبولیت میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ اب حالت یہ ہے کہ عورتیں دوسرے وزیروں سے میرا فون نمبر مانگتی پھرتی ہیں۔"

یوں تو اس طرح سے فون نمبر مانگنے والی عورتوں کے لئے "سب توں سوہنا" وہی ہوتا ہے' جس کی کار پر جھنڈا' دروازے پر دربان' جیب گرم اور دل نرم ہو۔ آج کل شیخ جی ان شرائط پر پورا نہیں اترتے' لہٰذا بے پناہ اخباری پبلسٹی کے باوجود

اب انہیں شاید کسی نئی عورت کا فون آتا ہو۔ آج کے حالات میں جب کوئی ان کے قریب سے گزرنے کو بھی تیار نہیں' اگر کوئی عورت شہر کے وسط میں کھڑی ہو کر ان سے اپنے تعلق کا اظہار کر رہی ہے تو یقیناً وہ سچ ہی بول رہی ہوگی۔

کاش شیخ صاحب میں اتنی مردانہ صلاحیت اور جذبہ ہوتا کہ وہ اس خاتون کے سر پر چادر ڈال کر اسے گھر کی چار دیواری میں لے جاتے۔ لیکن اس بات کا کیا علاج کہ جو شخص اپنا گھر نہیں بسا سکتا' اس کے ذہن میں پوری قوم کی قیادت کرنے کی خواہش چٹکیاں لیتی ہے۔ ان جیسے "قائدین" کو قوم کے شانوں پر لادنے کا اصل سہرا جنرل ضیاء الحق کے سر جاتا ہے۔ انہوں نے سیاسی عمل اور سیاسی قیادت کو تہ تیغ کر کے ملک 'بی ڈی ممبروں کے حوالے کر دیا اور شیخ رشید کی طرح کی بہت سی کھمبیاں اگ پڑیں' جو آج خون آشام پودوں کی طرح غریب عوام کا خون چوس رہی ہیں۔ بلدیاتی ذہن اور بلدیاتی سطح کے یہ لوگ وزیر اور وزیراعظم بنے۔ سالہا سال تک ملک کے سیاہ و سفید کے مالک ٹھہرے۔ وہ چیلوں اور گدھوں کی مانند قومی سیاست و معیشت اور حکم و اقتدار کی نعش کو نوچ کر کھا گئے۔ آہستہ آہستہ وہ ہر ملکی اور قومی ادارہ چاٹ گئے۔ اس دو نمبری طائفے کی اصل روح اسٹیبلشمنٹ کے طوطے میں بند تھی۔

12 اکتوبر 99ء کی رات جونہی یہ طوطا اڑا' جعلی قائدین کا یہ غول اک پل میں بھس کا ڈھیر بن گیا۔ اور اب یوں لگتا ہے جیسے یہ ڈراؤنا خواب بھی کسی نے دیکھا ہی نہ تھا۔ جیسے یہ لوگ کبھی تھے ہی نہیں۔ جیسے وہ دور ریت کا اک گھروندا تھا۔

شیخ رشید احمد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ موصوف اپنے آپ کو خود ہی مختلف خطابات سے نوازنے کے ماہر ہیں۔ ضیا دور میں انہوں نے "خطابت کا جرنیل" کہلوانے کی بھی کوشش کی۔ خواہش وہی پرانی کہ کسی طور جرنیل شاہی سے رشتہ جڑا رہے۔ بعینہٖ "فرزند" نام کے سارے خطابات بھی انہوں نے بہ نفس نفیس اپنے گلے میں خود ڈالنے کا کشٹ اٹھایا۔ انہوں نے اپنی کتاب میں بھٹو کے ساتھ امریکن سفارتخانے میں اپنے "ٹاکرے" کا ذکر کرتے ہوئے' بھٹو کے منہ سے اپنے آپ کو "قومی بدمعاش" کی گالی دلوائی۔ اس خودساختہ گالی کے ساتھ انہوں نے لفظ "قومی" کا

اضافہ فرمایا۔ مقصد یہ کہ بھٹو انہیں قومی سطح پر اپنا مخالف تسلیم کرتے تھے۔

یہاں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ اس زمانے میں موصوف کرائے کی سائیکل پر بھابھڑا بازار میں گھوما کرتے تھے۔ بھٹو انہیں پہچانتے تھے' نہ انہوں نے امریکن سفارت خانے کی کسی تقریب میں ان سے کوئی بات ہی کی ہوگی۔ اس داستان میں سچ صرف اتنا ہے کہ انہوں نے دوڑ کر بھٹو کے ساتھ اپنی فوٹو اتروائی تھی۔ اب وہ اسی فوٹو کے حوالے سے داستانیں تراشتے ہیں۔

اگر کسی نے پاکستان میں دو نمبر سیاست دانوں کے عروج و زوال پر ریسرچ کی تو شیخ جی کی داستان حیات اس ریسرچ کا بنیادی نکتہ قرار پائے گی۔ موصوف کے سر کے بال اپنے ہیں نہ ان کی فقرہ بازی اور جگت اپنی ہے۔ ان کے پاس شاید ہی کوئی تعلیمی ڈگری موجود ہو' لیکن وہ سرسید کہلوانے پر مصر ہیں۔ سرسید احمد خان جیسے محسن قوم کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہوگی کہ شیخ رشید جیسا سوک چھاپ اپنے آپ کو سرسید سمجھنے لگے......

جس شخص نے اپنی ساری زندگی دوسروں کی کھال میں گزاری ہو' اس میں اپنی شادی اور اپنا نکاح کرانے کی جرات بھلا کہاں سے آتی؟ مصطفیٰ کھر پر تہمینہ درانی نے "مینڈا سائیں" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی۔ آج اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ "فرزند پاکستان" کی "فصاحت و بلاغت" پر "مینڈا گل" کے نام سے جلد ہی کوئی کتاب آ جائے گی۔"

(روزنامہ خبریں 12 جنوری 2000ء)



الطاف حسین



پاکستانی سیاست میں الطاف حسین کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ایم۔کیو۔ایم اور ان کا نام لازم و ملزوم ہیں۔ کراچی یونیورسٹی کے یونین الیکشن سے لیکر لندن جلاوطنی تک ان کی اپنی پارٹی پر "گرفت" قابل تعریف ہے۔ ان کے پارٹی کارکن آج بھی ان کے ایک اشارے پر اپنا "تن من دھن" قربان کرنے کو تیار رہتے ہیں۔ مرکزی عہدیدار سے لیکر عام کارکن تک سب کی سرگرمیوں کی رپورٹ انہیں لندن بیٹھے موصول ہو جاتی ہیں۔ ان کی جماعت کا "معروف ترین نعرہ ہے" جو قائد کا غدار ہے' وہ موت کا حقدار ہے" آیئے! ذرا ان کے رخ روشن سے نقاب اٹھا کر دیکھیں کہ شیخ رشید کے بعد دوسرے معروف کنوارے سیاستدان کس حال میں ہیں۔

ایم کیو ایم الطاف حسین کے باغی گروپ کے لیڈروں نے انکشاف کیا ہے کہ سلیم شہزاد اور عمران فاروق الطاف حسین کو لڑکیاں سپلائی کیا کرتے تھے۔ ان کی یہ بات تو الزام بھی ہو سکتی ہے۔ لیکن لوگوں کو یہ معلوم ہونے پر کوئی حیرت نہیں ہونی چاہیئے کہ الطاف حسین کی سالگرہ کی ایک تقریب میں اداکارہ ریما نے کراچی کی جدید آبادی کی ایک کوٹھی میں رقص کیا تھا۔ اس مقصد کے لئے جب الطاف حسین کے دو قریبی ساتھی کراچی سے لاہور آئے تو ریما نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ ریما کو کسی نے بتایا تھا کہ ایم کیو ایم والے لڑکیوں کے ساتھ کوئی اچھا سلوک نہیں کرتے۔ ریما بعد میں اس یقین دہانی پر ایک رات مجرا کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی کہ مجرا کرتے وقت نہ اس کی تصویر بنے گی اور نہ ہی ویڈیو فلم اور اس میں عام لوگوں کو

شریک نہیں کیا جائے گا۔ اطلاعات کے مطابق الطاف حسین کے دوستوں نے ریما کو "مجرا" کے لئے ایک لاکھ ایڈوانس دیا تھا۔ خود ریما بعد میں اپنے قریبی حلقوں کے اندر بڑے فخریہ انداز میں یہ ذکر کیا کرتی تھی کہ اس نے الطاف حسین کی سالگرہ کے موقع پر رقص کا مظاہرہ کر کے لاکھوں روپے کمائے تھے۔ یہ خصوصی تقریب جو کراچی کی ایک جدید آبادی میں منعقد ہوئی تھی اس کا اہتمام غیر سرکاری طور پر کیا گیا تھا لیکن اس میں ایک سابق وزیراعلیٰ کے علاوہ سندھ کی ممتاز سیاسی اور سرکاری شخصیتوں نے شرکت کی تھی۔

الطاف حسین کے باغی ساتھیوں نے انکشاف کیا کہ سالگرہ کی اس خصوصی تقریب کے شرکاء سرمایہ دار' صنعت کار' جاگیردار اور سرکاری افسر تھے جنہوں نے شراب کے نشے میں لاکھوں روپے الطاف حسین پر نچھاور کر دیئے۔ اسی طرح کا ایک انکشاف ایم کیو ایم کی ایک خاتون کارکن نے "قائد انقلاب" کے بارے میں کیا جس کے مطابق جس لڑکی کو ایم کیو ایم میں داخل کیا جاتا تو اسے نائن زیرو قائد انقلاب کے سامنے پیش کیا جاتا جہاں وہ اس سے کہتے کہ تم اپنے قائد کے لئے کیا کچھ کر سکتی ہو۔ جواب ملتا کہ سب کچھ' تو الطاف حسین اسے کہتے۔ اچھا پھر اپنی قمیض اتارو۔ اگر قائد کے حکم پر عمل ہو جاتا تو یہ سلسلہ دراز ہو جاتا اور پھر بے لباس کارکن کو اپنے

قائد کے سامنے کیٹ واک کرنے کو کہا جاتا۔ جس کے بعد اسے پارٹی کے لئے موزوں قرار دے دیا جاتا۔ اگر کوئی لڑکی انکار کر دیتی تو الطاف حسین فوراً کہتے میں تو آزما رہا تھا۔ ہمیں ایسی ہی پاک باز لڑکیوں کی ضرورت ہے جو اپنی عصمت پر حرف نہ آنے دیں۔

"قائد انقلاب" کے نقش قدم پر باقی ایم کیو ایم بھی چل رہی ہے۔ برطانیہ کی شہریت رکھنے والی ایک لڑکی ریٹا کی کہانی کو بیرونی ذرائع ابلاغ نے بہت اچھالا۔ ریٹا نے بتایا ہے کہ وہ کراچی کی تفریح گاہ ہاکس بے کا نظارہ کرنے کے لئے صبح صبح سمندر پر گئی۔ اس نے کراچی کے ایک فائیو سٹار ہوٹل میں رہائش رکھی ہوئی تھی۔ ہاکس بے میں سمندر کا نظارہ کر رہی تھی کہ چار نوجوان میری طرف آئے۔ وہ بہت پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے۔ انہوں نے نہایت سلجھے ہوئے انداز میں انگریزی زبان میں اپنا تعارف کروایا۔ میں یہ سن کر حیران ہو گئی کہ وہ میرے ہوٹل اور میرے کمرہ نمبر تک سے آگاہ ہیں لیکن جب انہوں نے بتایا کہ وہ لاہور سے آئے ہیں اور اس کے ساتھ والے کمرہ میں رہائش پذیر ہیں تو میں نارمل ہو گئی۔ انہوں نے مجھے "انجوائے" کرنے کی غرض سے نہایت سلیقہ سے دعوت دی جو میں نے قبول کر لی۔ چاروں نوجوان خوش پوش اور خوش شکل تھے اور ان کے پاس پجارو تھی۔ یہ نوجوان مجھے اپنے ساتھ لے گئے لیکن جب وہ پجارو جیپ سے اتر کر تنگ و تاریک گلیوں کی طرف چلنے لگے تو میں نے دریافت کیا کہ "ہم لوگ کدھر جا رہے ہیں؟" پوچھنے کا یہ انداز ان لوگوں کو پسند نہ آیا اور وہ غصے میں کہنے لگے جو کچھ ہم کہتے ہیں کرتی جاؤ ورنہ گولی مار دیں گے۔ جب میں نے دیکھا کہ ان کے ارادے اچھے نہیں ہیں تو میں خاموش ہو گئی۔ ہم سیڑھیاں اترتے ہوئے ایک تہہ خانے میں داخل ہو گئے۔ جہاں بالکل اندھیرا تھا۔ ایک نوجوان نے بلند آواز میں کہا "ٹونی...... ہم ہیں۔" اچانک روشنی ہوئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں کسی جاسوس کے کمرے میں آ گئی ہوں یا کسی قتل گاہ میں' ارد گرد انسانی کھوپڑیاں پڑی ہوئی تھیں...... میری چیخ نکلی اور بے ہوش ہو گئی.... تھوڑی دیر کے بعد مجھے ہوش آیا تو ان میں سے ایک نوجوان میرے پاؤں سہلا رہا تھا جبکہ دوسرے نوجوان شراب پی رہے تھے۔ میں سمجھی کہ میں

اغواء ہو چکی ہوں اور پاکستان کے انگریزی اخبارات کی وہ شہ سرخیاں میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگیں۔ جو "اغواء برائے تاوان" سے متعلق ہوتی تھیں میں نے ہمت کر کے نوجوان سے پوچھا "کیا مجھے تاوان کی غرض سے اغوا کیا گیا ہے۔" نوجوان نے نہایت تحمل سے جواب دیا..... "نہیں ہم صرف "انجوائے" کرنا چاہتے ہیں۔ یوں کئی دنوں تک یہ نوجوان "انجوائے" کرتے رہے۔ اور میں یہ سوچتی رہی کہ نہ جانے یہ لوگ مجھے زندہ بھی چھوڑیں گے یا نہیں' میں انتہائی خوفزدہ تھی۔ میں سیر و سیاحت کی دنیا سے تعلق رکھتی ہوں۔ قید کا ایک لمحہ بھی میرے لئے اذیت کا باعث تھا۔ چار روز کے بعد مجھے وہی نوجوان ہاکس بے چھوڑ آئے۔ جب مجھے نجات ملی تو میں نے پاکستان میں دیگر مقامات کی سیر کا تصور چھوڑ دیا اور واپس برطانیہ چلی آئی"...... ریٹا بتاتی ہے کہ وہاں رادھا' تانی اور شبانہ نام کی لڑکیاں بھی تھیں.....

عیاشی کرنے والے ان نوجوانوں کی تعداد بھی ایک درجن سے زیادہ تھی.... وہ دن کے وقت اکثر غائب رہتے تھے۔ جبکہ رات کو شراب اور کھانے پینے کی دیگر اشیاء لے کر آ جاتے تھے۔ دن کے وقت ہم لڑکیوں کے اکٹھے بیٹھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ان کے لباس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کھاتے پیتے گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ قید کے دوران انہوں نے کسی لڑکی سے غالباً اس لئے بدتمیزی نہیں کی کہ کسی لڑکی نے ان کی پیش کش قبول کرنے سے انکار نہیں کیا تھا۔ مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل محسوس نہیں ہوئی کہ رادھا' تانی اور شبانہ کو بھی میری طرح ہی چکمہ دے کر یہاں لایا گیا ہے۔ تانی نے بتایا کہ وہ حیدرآباد کی رہنے والی ہے اور اپنے محبوب کے ساتھ ایک ہوٹل میں تفریح کے لمحات گزار کر گھر جا رہی تھی کہ اسے کسی نے اغواء کر لیا۔ وہ کئی دنوں تک اندرون سندھ ایک دیہاتی مقام پر رہی۔ دیہات سے مجھے ایک شخص نے ڈاکوؤں کے حوالے کر دیا وہ مجھے جنگل میں لے گئے۔ جہاں سے میں بھاگ نکلی اور سڑک پر آئی تو چند نوجوانوں کے ہتھے چڑھنے کے بعد اس "حیرت انگیز" جگہ پر پہنچ گئی۔ رادھا ایک ہندو لڑکی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ ایم کیو ایم کے ایک کارکن دلشاد اختر کی محبوبہ تھی۔ دلشاد کی بجائے میرے والدین نے میری شادی چچا زاد رتن سے کر دی۔ مجھے بھی رتن پسند نہیں تھا۔ میں دلشاد کے

ساتھ گھر سے بھاگ نکلی۔ بعد میں دلشاد نے ایم کیو ایم کے باقی گروپ سے رابطہ کر لیا تو نہ جانے کن لوگوں نے مجھے اغواء کرکے اس کمرے میں محبوس کر دیا اور میری آبرو ریزی کرتے ہیں۔ اب میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔ ریٹا کا کہنا ہے کہ اغواء کرنے والوں نے رادھا کو بھی رہا کر دیا ہوگا۔ اگر وہ آزاد نہیں ہوئی تو مر گئی ہوگی کیونکہ وہ اکثر کہا کرتی تھی کہ اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔ ریٹا کا کہنا ہے کہ شبانہ اکثر خاموش رہتی تھی۔ اس کے بارے میں مجھے رادھا نے بتایا کہ وہ اپنے بارے میں کسی کو کچھ بتانے کے لئے تیار نہیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ کسی اچانک صدمے کے باعث دماغی توازن کھو بیٹھی ہے۔

ایم کیو ایم کے قائدین کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ چند غیر معروف لڑکیاں کے اچانک مشہور ہونے کی وجہ وہ تھے۔ وہ اخبارات والوں کو ان کے انٹرویو کرنے کا حکم دیتے تھے اور زبردستی ان کے شوز کے ٹکٹ بکواتے۔ اور انہیں بھارت کے دورے کروائے جاتے تھے۔ غالباً جاسوسی کے نقطہ نظر سے۔ زاہدہ رخسار کے بارے میں پتہ چلا کہ اس نے ایم کیو ایم کی قیادت کے نزدیک بڑی اہمیت حاصل کر رکھی ہے اور ایک انتہائی ذمہ دار عہدیدار اس کی زلفوں کے اسیر تھے۔ رخسار نے فرزانہ کے نام سے بھارت کا دورہ بھی کیا۔ اکثر محفلوں میں وہ ایم کیو ایم کے لیڈروں کے سامنے رقص کرتی رہی۔ اس ضمن میں پتہ چلا کہ بسا اوقات ایسے پروگرام بنائے جاتے جس میں کئی لڑکیاں اور لڑکے کھلم کھلا عیش و عشرت میں مشغول ہوتے۔ کراچی کے ثقافتی حلقوں میں یہ باتیں زبان زد عام تھیں کہ آخر زاہدہ رخسار، معیہ ناز اور اس کی والدہ ثریا ناز آئے روز بیرون ملک کیوں جاتی ہیں۔ مگر ایم کیو ایم کے خلاف آپریشن کے دوران زیادہ تر کال گرلز روپوش ہو گئیں یا انہوں نے اسلام آباد اپنے "عزیزوں" کے پاس پناہ لے لی۔ سچ کہتے ہیں برے وقت میں ہمیشہ "اپنے" ہی کام آتے ہیں۔

ایم۔کیو۔ایم کے ایک مرکزی رکن اور خصوصی معاون خالد ندیم نے انکشاف کیا کہ الطاف حسین نہ صرف ایک سفاک اور خطرناک انسان ہے بلکہ الطاف حسین نے لاتعداد عورتوں کو بھی جنسی تشدد کا نشانہ بنایا لیکن تشدد کا شکار ہونے والی

عورت اور اس کا خاندان اس خوف کی وجہ سے خاموشی اختیار کر لیتا کہ زبان کھولنے کی صورت میں شاید الطاف حسین کو نقصان تو نہ پہنچایا جا سکے لیکن ان تمام کو الطاف حسین کے جانثار ختم کر دیں گے۔ خالد ندیم نے الطاف حسین پر الزام لگایا کہ جو مہاجر لڑکیاں ایم۔کیو۔ایم کے لئے کام کرنے آتیں، الطاف حسین ان میں سے چند کا انتخاب کر لیتے اور جب وہ کسی ایک لڑکی کے لئے اپنے مسلح ساتھیوں کو اشارہ کرتے تو اسی وقت اس بدنصیب لڑکی کو الطاف حسین کی خدمت میں پیش کر دیا جاتا۔

خالد ندیم نے دعویٰ کیا کہ وہ الطاف حسین کے ذاتی ملازم کی حیثیت سے بھی ان کے قریب رہا۔ الطاف حسین اس کے ذریعے لڑکیوں کو بلاتے بلکہ کراچی کی معروف پیشہ ور عورتوں ناہید، شہناز، سلطانہ اور ثریا وغیرہ کو خود الطاف حسین کے لئے لے کر آتا تھا۔ جبکہ ان عورتوں کے گھروں میں بھی الطاف حسین کا آنا جانا تھا۔

خالد ندیم کے مطابق اسلام نبی کے گھر میں کراچی کی حسین و جمیل لڑکیاں الطاف حسین کے سامنے پیش کی جاتی رہیں۔ خالد ندیم نے شعیب عرف شعیبی کے قتل کا ذمہ دار بھی الطاف حسین کو ٹھہرایا۔ خالد ندیم کے بقول شعیب عرف شعیبی کا گناہ صرف یہ تھا کہ اس نے الطاف حسین کو ایک معروف پاپ گلوکارہ کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں دیکھ لیا تھا اور جب اس سے یہ "گناہ" سرزد ہو گیا تو اس کو محسوس ہو چکا تھا کہ اب اس کی زندگی صرف چند لمحے ہے، اس لئے وہ اپنی جان بچانے کے لئے چھپنے کی بے سود کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس کو اتنی بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا کہ ایسے لوگوں کو عبرت حاصل ہو جو "قائد" کی نجی زندگی میں جھانکنے کی جسارت کرنے کا سوچتے ہیں۔



ولی خان

اسلام اور اس کی مقدس شخصیات کا مذاق اڑانے کے نتیجہ میں قدرت نے ولی خان کو جو عبرتناک سزا دی ہے' اسے پڑھ کر رتی برابر غیرت رکھنے والے انسان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہفت روزہ "زندگی" نے اپنی ایک اشاعت میں ایک ہولناک انکشاف کرتے ہوئے لکھا:

"ولی خان صوبہ سرحد بلکہ پاکستان کی ایک نامور شخصیت اور سیاست دان ہیں۔ بتایا جاتا ہے کہ ان کے اپنے ایک گھریلو ملازم افسر علی (جب وہ کم عمر تھا) کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے۔ بعد ازاں جب ان کی بیٹی فلک ناز نے افسر علی سے شادی کرنے کی اجازت طلب کی تو خان صاحب آپے سے باہر ہو گئے اور شادی کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تاہم انہوں نے افسر علی کو ملازمت سے برطرف نہ کیا اور وہ ان کی بیٹی سے آزادانہ ملتا رہا۔ جب فلک ناز حاملہ ہو گئی اور دوبارہ اپنے والد سے شادی کی اجازت طلب کی تو خان صاحب نے پھر انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے لڑکا اور لڑکی نے اپنا گاؤں چھوڑ کر کسی دوسرے گاؤں جا کر شادی کر لی اور وہیں بس گئے۔ ولی خان کی خاندانی عزت و شرافت اس بات کا مطالبہ کرتی تھی کہ گھر سے بھاگنے کے جرم میں جوڑے کو قتل کر دیا جائے۔ ولی خان کے خاندان کے لوگ ان کو پکڑ کر اپنے گاؤں لے آئے اور مقامی امام مسجد اور لوگوں کے ہجوم کے سامنے ان دونوں کو ایک درخت سے باندھ کر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ یہ سب کچھ کسی قبائلی علاقے میں نہیں بلکہ صوبہ سرحد کے ضلع مردان کے ایک گاؤں میں واقع ہوا۔

حیرت کی بات ہے کہ ہماری انسانی حقوق کی تنظیمیں اس واقعہ پر بالکل

خاموش رہیں جو کہ ایک مجرمانہ فعل ہے چونکہ ولی خان اور ان تنظیموں کے سرکردہ افراد ایک ہی طبقہ (Class) سے تعلق رکھتے ہیں' اس لئے انہوں نے دانستہ طور پر اس اہم واقعہ کو عوام سے چھپایا۔ اگر یہ واقعہ کسی مولوی سے سرزد ہوتا تو یہ تنظیمیں آسمان سر پر اٹھا لیتیں اور پوری دنیا میں اس کا چرچا ہوتا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تنظیمیں انسانی حقوق سے متعلق عوام کا شعور بلند کرنے کی بجائے صرف سیمینار اور رپورٹس مرتب کرنے تک محدود ہیں جو پوری دنیا میں لائبریریوں کی زینت بنتی ہیں۔"

(ہفت روزہ زندگی لاہور 15 تا 21 مارچ 1998ء)

روزنامہ خبریں کے چیف ایڈیٹر جناب ضیاء شاہد نے ولی خان اینڈ کمپنی کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں' وہ لکھتے ہیں

"جناب باچہ خان صاحب اسلام سے اتنے بیزار تھے کہ 1942ء میں ولی خان کے تایا اور باچہ خان کے بھائی ڈاکٹر خان کی بیٹی مریم نے ایک سکھ سردار جسونت سنگھ سے شادی کر لی۔ مسلمانوں کے احتجاج کرنے پر انہوں نے کہا کہ میری بیٹی نے اپنی پسند کی شادی کی ہے' مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں' میرا آشیرباد اس کے ساتھ ہے' ڈاکٹر خان کے بیٹے سعد اللہ خان نے ایک پارسی لڑکی صوفیہ سوم جی سے شادی کی جبکہ ڈاکٹر خان کی بیوی انگریز عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ خود ولی خان کے والد عبدالغفار خان کا بیان ہے کہ انہیں کبھی باقاعدہ مسلمان نہیں کیا گیا۔ انہیں اس کی پوری آزادی حاصل ہے کہ ان کا جو عقیدہ ہو' اس کی پیروی کریں۔"

("ولی خان جواب دیں" از ضیا شاہد)



اعظم خاں ہوتی سابق وفاقی وزیر

نیشنل عوامی پارٹی کی رہنما نسیم ولی خان کے بھائی اور سابق وفاقی وزیر' اعظم ہوتی کے پاکستانی فلم انڈسٹری کی اہم اداکاراؤں سمیت بھارت کی اداکاراؤں ہیمامالنی' ریکھا اور جوہی چاولہ کے ساتھ بھی تعلقات تھے' یہ انکشاف اعظم ہوتی کی مبینہ بیوی زیبا خان نے ایک خصوصی انٹرویو میں کیا۔ انہوں نے بتایا کہ اعظم ہوتی سے میری ملاقات لاہور کے فلیٹیز ہوٹل میں کتابوں کی نمائش میں ہوئی تھی' پہلی ملاقات میں ہی اس نے میرے گھر والوں سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور میرے گھر رشتہ لیکر پہنچ گیا' وہ پکا جھوٹا اور فراڈیا ہے۔ مجھ سے کہا کہ میں بہت مظلوم آدمی ہوں' میری بیوی مجھے چھوڑ کر چلی گئی' گیارہ سال سے تنہا ہوں۔ نسرین (ولی خان کی بیٹی) نے مجھے بڑا دکھ دیا ہے' میں متاثر ہو گئی اور گھر والوں کو بتائے بغیر 12 اکتوبر 92ء کو مردان میں اعظم سے خفیہ نکاح کر لیا جہاں سے وہ مجھے فرنٹیئر ہاؤس اسلام آباد لے آیا' وہاں وہ مجھے ایک کمرے میں بند رکھتا۔ میں' ضرورت کی چیزیں انٹرکام پر ملازمین سے منگواتی تھی' وہ اس وقت وزیر تھا اس کا پرائیویٹ سیکرٹری مشتاق اور شاہ جہاں میرے پاس آیا کرتے تھے' اعظم اکثر میرے پاس آنے کے بجائے ساتھ والے کمرے میں رہ جاتا اور کہتا میں میٹنگ کر رہا ہوں' بعد میں ملازمین سے پتہ چلتا کہ وہاں لڑکیاں آئی تھیں۔ پھر وہ مجھے یہ کہہ کر کہ میں عمرہ کرنے جا رہا ہے۔ دبئی چلا گیا اور وہاں سے لندن گیا جہاں بھارتی اداکاراؤں کے ساتھ عیاشیاں کرتا رہا' وزارت کے بعد اعظم نے مجھے ایف ایٹ اور آئی ٹین میں رکھا اور ایک مرتبہ میں اس کے پاس ایف ایٹ گئی تو اس کے بیڈ روم میں ایک عورت لیٹی ہوئی تھی' اس نے مجھے

دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کر دیا' بعد میں ملازمین نے بتایا کہ اعظم کی بیوی طلعت ہے' وہ فرسٹ ویمن بینک کی وائس پریذیڈنٹ ہے۔ طلعت نے مجھ سے میرے گھر کا پتہ لیا اور بتایا کہ اعظم نے اس طرح کئی شادیاں کر رکھی ہیں اور آئے روز نئی لڑکیوں کے ساتھ گھومتا ہے' بعد میں ہم دونوں نے مل کر اس پر چھاپہ مارا' اعظم مجھے نوشہرہ لے گیا' وہ بچے نہیں پیدا کرنا چاہتا تھا' میں نے ضد کی تو اس نے مجھ پر تشدد کیا اور پولیس بلا کر مجھے تھانے بھیج دیا کہ یہ عورت میری خود ساختہ بیوی بن کر مجھے نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ زیبا خان نے کہا کہ میں ثابت کر کے رہوں گی کہ اعظم نے مجھ سے نکاح کیا ہے' میں اس کی بیوی ہوں' مجھے اعظم کے غنڈوں سے ڈر ہے اس لئے روپوش زندگی گزار رہی ہوں۔

زیبا خان کے بارے میں مزید معلومات ملی ہیں' ذرائع کے مطابق اعظم ہوتی نے زیبا خان کو پہلی دفعہ دیکھتے ہی اپنی مادری پشتو میں اپنے ساتھ کھڑے ایک پٹھان کو کہا "بجلی ہے بجلی" مختلف ذرائع نے اس بات کی بھی تصدیق کی ہے کہ اعظم ہوتی اس بجلی کے گرتے ہی وزیر اعظم نواز شریف کے ابتدائی ایام میں لاہور کے ہو کر رہ گئے اور اکثر زیبا کو رات کے کھانے پر مدعو کرتے بعد ازاں اسلام آباد آنے اور وزیر بننے کے بعد اعظم ہوتی نے بار بار لاہور جانے اور "بجلی" پر اپنا وقت ضائع ہونے سے بچانے کے لیے زیبا خان کو مستقل خود پر گرانے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر زیبا خان اعظم ہوتی کو پٹانے اور خود پر پیسے لٹوانے کے لیے اعظم ہوتی کو ادائیں دکھا کر غائب ہونے لگی جس پر اعظم ہوتی نے "بجلی" سے مکمل طور پر محفوظ ہونے کے لیے اس سے وقتی شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اعظم ہوتی کی نجی محفلوں کے مختلف ذرائع اور ان کے ایک قریبی دوست کے مطابق اعظم ہوتی نے جب زیبا خان کو شادی کی آفر کی تو زیبا خان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ ایک وفاقی وزیر اور صوبہ سرحد کا اہم سیاسی "شہزادہ" اس سے شادی کرے گا۔ ذرائع نے یہ بھی انکشاف کیا کہ زیبا خان کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اعظم ہوتی پہلے سے شادی شدہ ہونے کے علاوہ ایک عاشق مزاج شخص ہے۔ تاہم زیبا خان نے اعظم ہوتی سے شادی محض پیسے بٹورنے کے لیے کی۔ بعد ازاں ہوتی خود زیبا خان سے تنگ آ گئے کیونکہ اعظم ہوتی کو زیبا کے بارے میں مختلف ذرائع سے چند شکایات بھی موصول ہو چکی تھیں۔

جام معشوق علی

جام صادق علی سندھ کے معروف سیاسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ پیپلز پارٹی کی صوبائی اسمبلی میں اکثریت ہونے کے باوجود مسلم لیگ کو وزارت اعلیٰ دلوائے رکھنا انہی کا کام تھا۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اچھی کرسی اور اچھی گاڑی کے رسیا ہیں۔ جبکہ دوا کے بہانے تھوڑی سی پی لینے کے قصے بھی پورے ملک میں ان کی شہرت کا باعث بنے۔

جام صادق علی سورگ باش ہو چکے۔ مگر ان کے بیٹے جام معشوق علی بھی اپنے والد سے کسی طور کم نہیں ہیں۔ کئی گمنام لڑکیوں کو زیر زبر کرنے والے جام معشوق علی کا نام اداکارہ ریما کے سیاسی عاشقوں میں بھی لیا جاتا ہے۔ یہ وہی ریما ہیں جن کے بارے میں قصہ مشہور ہے کہ خلیج میں وہ ایک نجی دعوت میں رقص کر رہی تھی۔ تو ایک عرب شیخ نے جوش میں آکر ریما کو آفر کی کہ اگر وہ اوپری حصے کو لباس سے بے نیاز کر کے رقص کرے تو وہ اسے 2 لاکھ روپے سلامی میں دے گا۔ جواب میں ریما نے بجلیاں گراتے ہوئے کہا کہ اگر وہ 2 لاکھ کو 10 لاکھ میں تبدیل کر دے تو وہ مکمل فطری لباس میں بھی رقص کرنے کو تیار ہے۔

جام معشوق علی اور اداکارہ ریما جب یکجا ہوئے تو ریما کی خواہش کا احترام کیا گیا۔ قصہ یوں ہے کہ ریما کراچی میں شوٹنگ کے لئے گئی۔ تو جام معشوق علی کی نظر اس پر پڑ گئی۔ سو ریما جب آسانی سے نہ مانی تو اسے باقاعدہ اغواء کروا لیا۔ اور رات بھر اس کا "برہنہ ڈانس" دیکھا گیا۔ صبح ریما واپس یونٹ میں پہنچی تو اس کے بینک بیلنس میں کئی گنا اضافہ ہو چکا تھا۔ بعدازاں نجی محفلوں میں وہ یہ کہتی بھی سنی گئی۔

فلموں سے تو کچھ حاصل نہیں ہوتا جبکہ ایک رات کے "رقص" میں 10 فلموں کا خرچہ نکل آتا ہے۔ اس طرح جام معشوق علی ریما کے بند کمرے میں "مجرے" دیکھتے رہے۔ اور پھر انہیں بھی زوال آگیا۔



حفیظ پیرزادہ سابق وفاقی وزیر قانون

عبدالحفیظ پیرزادہ بھٹو کے چارمنگ وزیر تھے۔ انہوں نے سب سے پہلے ایک جرمن خاتون سے شادی کی' مگر جلد ہی علیحدگی ہوگئی۔ سعدیہ ان کی دوسری بیوی اور یہ ان کے دوسرے شوہر ہیں۔ 17 سال قبل سعدیہ کی ہارون جعفر سے شادی ہوئی تھی۔ ہارون جعفر اور پیرزادہ بہترین دوست تھے۔ پیرزادہ اکثر ان کے پاس آتے رہتے۔ سعدیہ پر ریجھے اور اسے لے کر بھاگ گئے۔ فرار کے دو ہفتے بعد سعدیہ کا پاؤں بھاری ہوگیا۔ سعدیہ واپس آئی تو ہارون جعفر نے اسے اپنے ہاں رکھنے سے انکار کر دیا طلاق طلب کرنے پر شرط رکھی کہ سعدیہ تمام زیورات اور مکان واپس کر دے' جسے منظور کر لیا گیا اور طلاق ہوگئی۔ پیرزادہ نے اس سے شادی کر لی۔

مسز سعدیہ کو خوبصورت زیورات پہننے اور اسمارٹ کاریں رکھنے کا بے حد شوق ہے۔ اپنی الفارومیو کار میں وہ ایک بار گودی پر گئیں' تو انہیں ایک 'لگژری کیپری' پسند آگئی۔ اسے ڈرائیو کرتے ہوئے وہ گھر لے آئیں۔ ڈپٹی کلکٹر فیض محمد نے درخواست کی۔

"محترمہ گاڑی واپس کر دیجئے ابھی تو کلیئر بھی نہیں ہوئی۔ اگر آپ لینا چاہتی ہیں' تو اس کے مالک سے بات کر لیجئے۔"

"تمہاری یہ جرأت کہ مجھ سے اس طرح بات کرو" سعدیہ نے بپھرتے ہوئے جواب دیا۔ فیض محمد کو سخت محکمہ جاتی کارروائی کا سامنا کرنا پڑا اور بالآخر وہ ملازمت سے سبکدوش ہوگئے۔

کہنے والوں کی زبان کو کس نے روکا ہے۔ سعدیہ کی ملنے جلنے والی بلا تامل کہہ دیتی ہیں کہ وہ بڑی "بے باک" ہے ان کے ساتھ پیرزادہ صاحب کی ایک جھلک

بھی دیکھ لیجئے۔ وزارت ملنے کے چند دنوں بعد وہ کراچی آئے' تو فلیگ کار میں ہی اداکارہ بابرہ شریف سے ملنے ریڈلائٹ ایریا میں چلے گئے' اس پر انہیں بھٹو کی ڈانٹ کھانی پڑی۔

پیرزادہ کی تیسری شادی کے بارے میں بعض لوگ وثوق سے کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک سرکاری افسر ڈاکٹر الف۔ و کی صاحبزادی ثمینہ سے شادی کی تھی۔ پیرزادہ کو بندوق کی نال پر اس لئے شادی کرنا پڑی کہ ثمینہ حاملہ ہو چکی تھی۔ سعدیہ کی سہیلیوں کا کہنا ہے کہ ثمینہ کے ہاں بچہ بھی پیدا ہوا۔ بہرحال اب طلاق ہو چکی ہے۔

مسٹر بھٹو عوامی جمہوریہ کوریا کے دورے سے واپس تشریف لائے تو انہوں نے اعلان کیا کہ پاکستان میں بھی جسمانی تربیت اور جمناسٹک کے مظاہرے کے ایک قومی پروگرام پر عمل کیا جائے گا حکم شاہی کی تعمیل ہوئی اور نیشنل یوتھ آرگنائزیشن قائم کر دی گئی جس کا سربراہ اس وقت کے ثقافت اور تعلیم کے وفاقی وزیر مسٹر پیرزادہ کو مقرر کیا گیا۔

بھٹو کے اس نک چڑھے وزیر نے جو بھٹو کے دور صدارت و وزارت میں خاصا بااثر تھا اس تنظیم کو اپنے رنگین طبع مزاج کی تسکین کے لئے استعمال کیا وزیر تعلیم ہونے کے ناطے مسٹر پیرزادہ کی خواتین اساتذہ اور لیکچراروں سے ملاقات ہوتی رہتی تھی ان میں سے پشاور کی حسین و جمیل مس ثمینہ ان کے دل کو بھا گئی۔ پیرزادہ نے اشارہ کیا اور مس ثمینہ اس کے قریب آگئی وقت گذرنے کے ساتھ دونوں کے تعلقات مزید گہرے ہوتے گئے۔ جب نیشنل یوتھ آرگنائزیشن بنائی گئی تو پیرزادہ نے اپنی محبوب نظر مس ثمینہ کو اس کا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کر دیا۔ اس دوران ملاقاتیں بڑھ گئیں دن کی بجائے دونوں کی راتیں بھی اکٹھی گذرنے لگیں جس کا اہتمام ایک ڈائریکٹریس مسز مجتبیٰ کے گھر میں ہوتا تھا بات بڑھ گئی اور عشق کا رنگ چوکھا چڑھ گیا تو ثمینہ نے پیرزادہ سے شادی کا مطالبہ کیا۔ راضی ہوگئے لیکن ان کی اپنی حسین و جمیل بیوی سعدیہ آڑے آگئی وہ مسٹر پیرزادہ کے مقابلے میں مسٹر بھٹو کے زیادہ قریب اور بااثر تھی۔ وہ یہ گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ شوہر اس کا کہلائے اور شامل

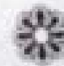
کسی اور سے کرائے چنانچہ پیرزادہ کے عشق کی یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔

"پوکٹ ای پوکٹ" فیم نوید شہزاد کے ساتھ بھی پیرزادہ کے خاص تعلقات زبان زد عام ہوگئے تھے اور دونوں بدنام ہوگئے تھے۔ مسٹر پیرزادہ نے نوید شہزاد کو بھی جو لاہور ٹیلی ویژن کے کئی پروگراموں میں آتی رہی ہے۔ نیشنل یوتھ آرگنائزیشن کا ڈپٹی ڈائریکٹر مقرر کردیا۔ نوید شہزاد کی پیرزادہ سے بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ وہ اسے حفیظ کہہ کر ٹیلیفون پر بات کیا کرتی تھی۔ مس نوید ایک لیکچرار تھی اس نے اپنی تنہائی اور سماجی حیثیت کو سہارا دینے کے لئے ایک بے سہارا شاگرد مسٹر شہزاد سے شادی کر لی تھی جو کبھی اس کا ایم۔ اے انگریزی کا طالب علم رہا تھا۔

(روزنامہ سیاست 15 ستمبر 1977ء)

پیپلز پارٹی کے ایک مقامی رہنما سلیمان بروہی جو حکومت سے قبل سلیمان زکریا کے نام سے چاکیواڑہ اور ڈرگ روڈ تھانے کے معروف ہسٹری شیٹر تھے۔ سابق وفاقی وزیر تعلیم عبدالحفیظ پیرزادہ کو عیاشی کے لئے ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچاتے تھے باوثوق ذرائع کے مطابق وہ حفیظ پیرزادہ کو شفیع جاموٹ کے بنگلے پر مشہور فلمی ہیروئن بابرہ شریف اور اس کی بہن فاخرہ شریف کو پہنچایا کرتے تھے۔ جہاں مسٹر پیرزادہ اکثر راتیں ان کے ساتھ ہی گذارا کرتے تھے۔ اس خدمت کے عوض حفیظ پیرزادہ نے سلیمان بروہی کو نیشنل سیمنٹ کو خام مال سپلائی کرنے کا ٹھیکہ دلایا تھا جہاں سے وہ ہر ہفتے 40 سے 50 ہزار روپے کا بل وصول کرتے تھے۔ واضح رہے کہ سلیمان بروہی 1970ء سے قبل ایک ٹوٹے ہوئے مکان میں رہتا تھا جبکہ اب وہ ایک عالیشان بنگلے کا مالک ہے جس میں لفٹ بھی لگائی گئی ہے۔ سلیمان بروہی بھٹو صاحب کے ہر جلوس میں ان کے ٹرک کے بونٹ پر بیٹھا کرتے تھے۔ معلوم ہوا ہے کہ وہ چرس کی اسمگلنگ میں پیپلز پارٹی کے شفیع جاموٹ کے پارٹنر رہے ہیں۔

(روزنامہ صحافت 5 ستمبر 1977ء)



ممتاز بھٹو

جناب ممتاز بھٹو جب سندھ کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اس وقت چیف منسٹر ہاؤس میں بلیو فلمیں بڑے اہتمام سے دکھائی جاتیں۔ موبائل پلبسٹی کے لئے خاندانی منصوبہ بندی کی گاڑیوں کا اس سے بہتر اور استعمال کیا ہو سکتا تھا؟ کے ڈی۔ اے کے ایک افسر نے قسم کھا کر کہا "سندھ کے ایک ریسٹ ہاؤس میں ایک دفعہ میری موجودگی میں عبدالحفیظ پیرزادہ اور ممتاز بھٹو دو لڑکیوں کو لے کر آئے۔ وہ سینٹ جوزف کالج کی یونیفارم پہنے ہوئے تھیں۔ کتابیں ان کے ہاتھوں میں تھیں مگر جلد ہی انہیں اس "بوجھ" سے نجات مل گئی۔"

ممتاز بھٹو نے داد عیش دینے کے لئے لاڑکانہ میں ایک نہایت عالیشان کمرہ تعمیر کرایا۔ جن لوگوں نے انگریزی فلم "ایڈونچرز" دیکھی ہو یا "پیر اللدوہنر" کا یہ ناول پڑھا ہو وہ اس کمرے کی ہیئت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ یہ کمرہ مجسموں سے مزین تھا۔ ان کے ذریعے مرد و زن کے اختلاط کے درجنوں مناظر دکھائے گئے ہیں۔ عموماً یہاں غیر ملکی مہمانوں کی تواضع کی جاتی رہی۔

(ہفت روزہ زندگی 20 اکتوبر 1977ء)

ممتاز بھٹو کے عہد حکومت میں کراچی اور حیدر آباد کے اندر پہلی بار لسانی فسادات ہوئے۔ اسے بھٹو اپنا خوبیوں کا مالک "کزن" کہا کرتے تھے۔ بھٹو کے اس کزن کے اندر بہت سی "خوبیاں" ہوں گی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی عورتوں کا شوقین ہونا تھی۔ عیاش عورتوں کا رسیا ہونا سندھ کے اکثر وڈیروں کی خوبی ہے۔ اس خوبی اور شوق کا حق ادا کرنے کے لئے اکثر سندھی وڈیرے بیرون ملک آتے جاتے

رہتے ہیں۔ اندرون ملک عیاشی کے لئے کراچی' لاہور اور اسلام آباد ان کے محفوظ ٹھکانے ہیں۔ سندھ کا یہ وڈیرہ سندھ میں ہی "لسانی فسادات" کو ہوا دینے کا ذمہ دار نہیں تھا بلکہ پنجابیوں سے اس کے ذہن میں بھرپور نفرت پائی جاتی تھی۔ بھٹو کے دور میں اس وڈیرہ کو اقتدار و اختیار کی مرکزیت حاصل رہی۔ وہ پہلے سندھ کے وزیراعلیٰ پھر وفاقی وزیر بنے۔ ریلوے کے وفاقی وزیر ہونے کے ناطے وہ اکثر لاہور میں قیام کرتے۔ اس قیام کے دوران اس وقت کے ایک چیف سیکرٹری کی بیوی ان کی کمزوری بن چکی تھی۔ اس سابق چیف سیکرٹری کو پنجاب میں اہم عہدہ اس کی بیوی کے انتہائی خوبرو ہونے کی بنا پر دیا گیا۔ یہ خاتون انتہائی بھرپور دلکش اور قد کاٹھ رکھنے کے باعث حکمرانوں کے دل کی ملکہ رہیں۔ سندھ کا سابق وزیراعلیٰ لاہور میں اس خاتون کے ساتھ دل بہلانے کے علاوہ ادھر ادھر بھی منہ مار لیا کرتا۔ پنجاب کے کئی سرکاری افسران اس وڈیرے کی عیاشی کا اہتمام کیا کرتے۔ جب یہ سندھی وڈیرہ لاہور میں ہوتا تو وہ مراعات حاصل کرنے کے لئے اکثر سیاست دان اور سرکاری افسران اس کے لئے جسم فروش "لڑکیاں" ڈھونڈتے اور فائیو سٹار ہوٹلوں میں لڑکیوں کی منڈی لگا دی جاتی۔ ایک دفعہ سندھی وڈیرے نے نشہ کی حالت میں ریلوے کے ایک مزدور لیڈر کو ہوٹل طلب کیا۔ یہ مزدور لیڈر بھی شراب و شباب کا رسیا رہ چکا ہے۔ دونوں شراب پی رہے تھے کہ سندھی وڈیرہ آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے مزدور لیڈر سے باتیں کرتے ہوئے کہا "پنجابی بے غیرت ہوتے ہیں" مزدور لیڈر نے سندھی وڈیرے سے کہا کہ وہ اپنے الفاظ واپس لیں اور "پنجابی" کو گالی نہ دیں۔ جواباً سندھی وڈیرہ الفاظ واپس لینے کے بجائے اپنے موقف پر اصرار کرنے لگا۔ اس سندھی وڈیرے نے کئی سرکاری افسران کے نام لے کر بتایا کہ وہ پنجابی ہیں اور ترقی حاصل کرنے کے لئے اسے اپنی عزیز ترین لڑکیاں سپلائی کرتے ہیں۔ سندھی وڈیرے اور مزدور لیڈر کے درمیان تلخ کلامی بڑھ گئی۔ بات "تو تو میں میں" سے ہاتھا پائی تک پہنچ گئی۔ مزدور لیڈر نے سندھی وڈیرے کے منہ پر تھپڑ دے مارا اور ہوٹل سے گھر آ گیا۔ اس رات جبکہ سندھی وڈیرہ فائیو سٹار ہوٹل میں سرکاری افسران کی فراہم کردہ لڑکیوں کے ساتھ رنگین رات سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ فائیو سٹار ہوٹل

سے چند قدم پر واقع تھانہ سول لائن کی حوالات میں پولیس اہلکار "مزدور لیڈر" پر تشدد کر رہے تھے۔ اس مزدور لیڈر کو سندھی وڈیرے کے آگے زبان کھولنے کی گستاخی کرنے پر کئی ماہ جیل میں رکھا گیا۔ کئی ماہ بعد اس وقت کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو معلوم ہوا تو ان کی مداخلت پر مزدور لیڈر کی رہائی عمل میں لائی گئی۔ رہائی کے بعد جب مزدور لیڈر نے ذوالفقار علی بھٹو کو رام کہانی سنائی تو بھٹو نے کہا کہ اصل بے غیرت تو تم اور سندھی وڈیرہ تھے۔ اس میں پنجابیوں اور سندھیوں کا کوئی جرم نہیں۔ مزدور لیڈر کو بھٹو کی یہ بات پسند نہ آئی مگر وہ مفادات کی خاطر سرکاری جماعت سے منسلک رہا۔ جب اقتدار ختم ہوا تو یہ سندھی وڈیرہ اور مزدور لیڈر دونوں بھٹو سے الگ ہو گئے کہ ان کی وفاداریاں اقتدار اور عیاشی کے ساتھ تھیں۔



نواب صادق خان عباسی

حکمرانوں کی بدمستیاں جب جاری ہوں۔ تو نواب زادے کیونکر پیچھے رہ سکتے ہیں۔ ریاست بہاولپور قیام پاکستان کے وقت پاکستان میں شامل ہونے والی سب سے بڑی ریاست تھی۔

انگریزی زبان کے معروف مصنف وی ایس نیپال نے حال ہی میں پاکستان کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا عنوان (Beyond Belief) "ناقابل یقین" رکھا ہے اس میں ایک باب بہاولپور کے سابق حکمران نواب صادق خان عباسی کے بارے میں ہے جو واقعی ناقابل یقین معلوم ہوتا ہے وہ لکھتے ہیں:

"1954ء میں ریاست کے پاکستان میں ضم ہو جانے تک انہوں نے بہاولپور پر حکومت کی۔ اس کے بعد وہ برطانیہ چلے گئے اور اپنی موت تک وہاں مقیم رہے۔ نواب صاحب کا رنگ کالا تھا وہ گوری عورتوں کے بہت شوقین تھے۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ ان کے بچے گورے رنگ کے ہوں۔ بہاولپور کے ایک صحافی نے جس کی رسائی بہاولپور کے حرم تک تھی مجھے بتایا کہ محل میں انگریز عورتوں اور بچوں کے لئے الگ عمارت مخصوص تھی۔ ہندوستانی بیویاں تو انگریز بیویوں کے بارے میں آگاہ تھیں جبکہ انگریز بیویوں کو ہندوستانی بیویوں کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ ہندوستانی بیویوں کے پاس جانا ہوتا تو وہ کہتے کہ دورے پر جا رہے ہیں اور قافلہ کے سامنے روانہ ہو کر محل کے پچھلی جانب چلے جاتے۔ نواب صاحب کے حرم میں 340 عورتیں تھیں جن میں اکثر کو نواب صاحب سے صرف ایک بار ملنے کا موقع ملا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان میں سے کئی بعد میں ہسٹریا کی مریض بن گئیں۔

جب فوج نے دربار محل پر قبضہ کیا تو بے شمار فحش میگزین ملے جن سے وہ لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ فوج نے ایک گڑھا کھود کر ان تمام کو دفن کر دیا۔

خس کم جہاں پاک



چوہدری نثار علی

چوہدری نثار علی میاں نواز شریف کی کچن کیبنٹ کے اہم رکن رہے ہیں۔ موصوف چونکہ اہم حکومتی وزارتوں پر تعینات رہتے تھے۔ اس لئے وہ معاملات بخوبی سرانجام دیتے تھے۔ حال ہی میں شیخ رشید اور اعظم خان ہوتی کی خفیہ بیویوں کے ساتھ ایک خاتون صائمہ خان نے بھی اسلام آباد میں مظاہرہ کیا جس میں صائمہ خان نے الزام عائد کیا کہ چوہدری نثار علی نے مجھے نوکری کا لارا لگا کر اپنے پاس بلایا اور زبردستی عزت لوٹ لی۔ کیا ہمارے معاشرے میں کوئی خاتون سب کے سامنے اتنا بڑا الزام خود پر لگا سکتی ہے؟ آپ خود ہی فیصلہ کرلیں۔

مگر کسی فیصلہ پر پہنچنے سے 7 سال پرانا یہ واقعہ دہراتے جایئے۔

مشہور و معروف گلوکارہ نازیہ حسن کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ آج کل وفاقی وزیر پٹرولیم چوہدری نثار علی سے ان کے تعلقات کافی حد تک بڑھ چکے ہیں' اور ان سے شادی کی اطلاعات بھی خاصی گرم ہیں۔ وزیر موصوف نے نازیہ کو ایک ہیرے کی انگوٹھی بھی تحفہ میں دی ہے۔ نازیہ کا کہنا ہے کہ مذکورہ وزیر بری طرح میرے پیچھے پڑا ہوا ہے جبکہ بعض حلقوں کی رائے یہ ہے کہ نازیہ نے شادی کی وجہ سے ہی اپنی ثقافتی اور دیگر مصروفیات کو ختم کر دیا ہے۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ وزیر موصوف کے ان دنوں اپنی موجودہ بیوی سے اچھے تعلقات نہیں ہیں اور وہ اپنا گھر چھوڑ کر میکے میں رہ رہی ہے۔ (ہفت روزہ سیاسی لوگ 30 جولائی 1992ء)



تہمینہ دولتانہ

تہمینہ دولتانہ ایک بڑے جاگیردار سیاسی خاندان کی بیٹی ہے۔ وہ خود بھی ایک متمول جاگیردار خاتون ہے' دو جوان بیٹے ہیں اور وہ خود بڑھاپے کی منزل میں نہ سہی مگر ادھیڑ عمر ضرور ہے۔ لاہور کے ایک پوش ایریا میں ایک انگلش میڈیم سکول چلاتی ہیں۔ مسلم لیگ کے مرکزی راہنماؤں میں ان کا شمار ہوتا ہے اور وہ وفاقی وزیر بھی رہ چکی ہیں۔ ان ساری باتوں (بلکہ رکاوٹوں) کے باوجود اس نے دوسری شادی رچائی--- اور لطف یہ ہے کہ اس سکینڈل میں بعض بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے نام بھی سامنے آتے ہیں۔ مگر مسلم لیگ کے ذمہ داران میں سے کسی نے بھی وضاحت کے لئے کبھی لب کشائی نہیں کی اور اسے سراسر ذاتی معاملہ قرار دیا۔

اس قضیے کا آغاز اس وقت ہوا جب لاہور کے ایک انگریزی اخبار "فرنٹیئر پوسٹ" (اب بند ہو چکا ہے) میں تہمینہ کی والدہ عقیلہ دولتانہ نے اپنی بیٹی کو عاق کرنے کا نوٹس شائع کرایا اس پر سماجی حلقوں نے بڑی حیرت محسوس کی کہ قومی اسمبلی کی رکن بیٹی کو عاق کرنے کی نوبت کیوں آئی۔ شائع شدہ نوٹس میں اس کی وضاحت نہیں تھی۔ لیکن جلد ہی تہمینہ کی دوسری شادی کی بات منظر عام پر آگئی۔

تہمینہ دولتانہ کی پہلی شادی 16 اکتوبر 1972ء کو گلبرگ لاہور کی جامع مسجد "بی" بلاک کے امام مسجد شاہ محمد امین نے میاں شوکت علی عقیل کے ساتھ پڑھائی تھی۔ تہمینہ نے زندگی کے 23 سال (یعنی تقریباً چوتھائی صدی) شوکت عقیل کے ساتھ گزارے اس کے دو بیٹے عمران عقیل اور عرفان عقیل پیدا ہوئے۔

تہمینہ دولتانہ لاہور میں ایک انگلش میڈیم سکول چلاتی تھی جبکہ مری میں اس نے کچھ ولاز بنا کر کرایہ پر دے رکھے تھے۔ اس نے موضع لڈن میں زرعی اراضی پر باغات بھی لگوائے۔ 1988ء میں تہمینہ نے سیاست شروع کی وہ مسلم لیگ پنجاب کی جنرل سیکرٹری اور پھر نائب صدر بھی منتخب ہوئی۔ 1993ء کے عام انتخابات میں اس نے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر وہاڑی سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑا۔ الیکشن مہم میں اس کا واسطہ زاہد انور واہلہ سے پڑا (یہ صاحب چوہدری شجاعت حسین کے ایک ادارہ میں مینجر کے بیٹے ہیں) زاہد انور نے تہمینہ کے حامی کی حیثیت سے انتخابی مہم چلائی۔ اور آہستہ آہستہ تہمینہ کے قریب ہوتا گیا اور پھر یہ قریبی تعلقات ان دونوں پہلے سے شادی شدہ افراد کی شادی پر منتج ہوئے۔

زاہد واہلہ بھی ضلع وہاڑی سے ہے وہ ضلع کونسل کے ممبر بھی رہے ہیں ان کی پہلی بیوی ان کے والد انور واہلہ کے ہمراہ لاہور میں رہائش پذیر ہے۔ تہمینہ سے شادی کے بعد زاہد واہلہ نے اپنا پہلا گھر چھوڑ کر تہمینہ کے ساتھ مستقل رہائش اختیار کرلی ہے اس کے لئے مبینہ طور پر تہمینہ نے اپنے بچوں اور شوہر کو گھر سے نکال دیا تھا۔ لیکن بعد میں نامعلوم وجہ سے اس نے اپنی رہائش چھوڑ کر کرائے پر گھر لے لیا۔

کہا جاتا ہے کہ تہمینہ کی الیکشن مہم میں اس کے شوہر شوکت عقیل اور اس کے بیٹوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ شہری حلقوں میں شوہر اور دیہی حلقوں میں زاہد واہلہ اور تہمینہ جاتے رہے اور ابتدا میں گاڑی میں گن مین اور ڈرائیور موجود ہوتے تھے لیکن بتدریج ان کی چھٹی ہوگئی۔ اور زاہد واہلہ اکیلا ہی تہمینہ کو لے جاتا رہا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی شکایت ڈرائیور نے میاں شوکت سے کی لیکن انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ الیکشن جیتنے کے بعد جب زاہد واہلہ نے لاہور میں تہمینہ کے پاس آنا جانا شروع کیا اور رات گئے تک اس سے باتیں کرنے لگا تو میاں شوکت عقیل نے تہمینہ سے کہا کہ یہ اچھی بات نہیں اس سے ہماری شہرت کو نقصان پہنچتا ہے جس پر تہمینہ سیخ پا ہوگئی۔ اور پھر شوہر اور بچوں کو الگ کردیا۔

میاں شوکت عقیل کا دعویٰ ہے کہ میں نے تہمینہ کو طلاق نہیں دی اس نے نکاح پر نکاح کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ 12 اکتوبر کو ایک اردو اخبار میں خواتین

امیدواروں کے شوہروں کے جو انٹرویو چھپے ہیں۔ ان میں میری اور تہمینہ کی تصویر موجود ہے۔ اور بطور خاوند میرا انٹرویو ہے۔ ووٹر لسٹ میں بھی اس کے شوہر کی حیثیت سے میرا نام ہے۔ کاغذات نامزدگی میں بھی اس نے زوجہ میاں شوکت عقیل لکھا ہے۔

یکم اکتوبر کو میاں نواز شریف کی صدارت میں وہاڑی میں جو جلسہ عام ہوا اس میں بھی میاں نواز شریف سے میرا تعارف بحیثیت شوہر کرایا گیا۔ وہاڑی کے لاکھوں عوام بھی اس کے گواہ ہیں کہ میں نے انتخابی مہم بطور خاوند چلائی۔ میاں نواز شریف سے میرے تعارف کی ویڈیو فلم بھی موجود ہے۔ 13 اکتوبر کو جائیداد کا جو گوشوارہ اسلام آباد بھجوایا گیا اس میں بھی مجھے خاوند لکھا گیا۔ قومی اسمبلی میں رکن کی حیثیت سے رجسٹر کے اندراج میں بھی خاوند کے نام کی جگہ میرا نام ہے۔ تہمینہ کے شناختی کارڈ پر بھی خاوند کی حیثیت سے میرا نام ہے۔

4 نومبر 1993ء کو پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد کی بیٹی کی شادی کے موقع پر تہمینہ نے میاں محمد اظہر، عثمان ابراہیم، میاں عبدالوحید اور صوبائی وزیر رانا اکرام ربانی سے میرا تعارف بحیثیت خاوند کرایا۔ اس تقریب کی تصویر بھی اخبارات میں شائع ہوئی۔ 9 نومبر کی رات کو امریکی سفیر کے ہاں ڈنر پر ہم دونوں میاں بیوی گئے۔ وہاں قومی اسمبلی کے سپیکر اور سرتاج عزیز سے میرا تعارف کروایا گیا۔ 8 اور 9 نومبر کو ہم نے "ہالیڈے ان" میں ایک ساتھ قیام کیا۔ 11 نومبر کو جب تہمینہ صدارتی الیکشن کے لئے ووٹ ڈالنے گئی تو زاہد واہلہ ان کے پیچھے پہنچ گئے۔ اور پھر وہ کسی نامعلوم جگہ پر اکٹھے رہے۔ 14 نومبر کو تہمینہ نے گھر آکر شور مچایا کہ مجھے طلاق دو اور میرا گھر خالی کر دو۔ میں نے اپنے خاندان کے افراد کو بلایا اور پھر بچوں کو لیکر سسرال میں آگیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ تہمینہ اور زاہد نے شیر شاہ سوری بلاک کے ایک سکول میں نکاح پڑھوایا ہے۔ میاں شوکت عقیل نے کہا کہ "میں نے انسپکٹر جنرل پولیس کو درخواست دی جس پر کوئی کارروائی نہ ہوئی۔ میں نے دوبارہ یقین دہانی کروائی مگر یہ پھر بھی کوئی شنوائی نہ ہوئی۔"

زاہد واہلہ جب بھی ہمارے گھر آتے تو یہ کہتے کہ میاں نواز شریف نے ان

دونوں (زاہد، تہمینہ) کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ آزاد ارکان کو اپنے ساتھ ملائیں۔ یہ کہہ کر وہ تہمینہ کو جانے کہاں لے جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ بیگم مجیدہ وائیں کی انتخابی مہم میں بھی میاں چنوں آتے رہے------!

دوسری طرف اس سکینڈل کے منظر عام پر تہمینہ دولتانہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ میں نے شرعاً اور قانوناً طلاق لیکر زاہد وابلہ کے ساتھ دوسری شادی کی ہے۔ میاں شوکت نے مجھے طلاق کا حق تفویض کیا تھا۔ اس لئے مجھے ناجائز کرنے کی کیا ضرورت تھی (یہاں تہمینہ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ آیا اس نے اپنے طلاق کے فیصلے سے دوسری شادی کرنے سے قبل اپنے شوہر کو آگاہ کیا تھا یا نہیں) ان ہی دنوں تہمینہ نے اپنا دفاع کرتے ہوئے وہاڑی میں اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے یہ معنی خیز اور دلچسپ دلیل پیش کی۔ کہ "میری دوسری شادی ملک کی 52 فیصد خواتین کے حقوق کے تحفظ کی جنگ ہے۔"

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اس سکینڈل کی ایک فریق تہمینہ کی والدہ بھی رہی ہیں۔ انہوں نے اپنی رہائش گاہ پر ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اس موقع پر تہمینہ کے سابق شوہر شوکت عقیل اور دونوں بیٹے عمران اور عرفان موجود تھے۔ تہمینہ کی والدہ نے کہا "تہمینہ 9 نومبر تک اپنے بچوں اور شوہر شوکت عقیل کے ساتھ موجود تھی۔ اس روز ہم سب خاندان والے جن میں شوکت عقیل بھی شامل ہیں، مری گئے 14 نومبر کو ڈیفنس سوسائٹی لاہور چھاؤنی کے گھر میں پہلی مرتبہ تہمینہ نے ہماری موجودگی میں عقیل سے طلاق مانگی 9 نومبر اور 14 نومبر کے درمیان زاہد وابلہ نے میری بیٹی تہمینہ کا پیچھا کیا تھا، اس سے پہلے وہ لاہور میں تہمینہ کے سکول میں اس سے ملتا رہتا تھا۔ 2 دسمبر کو لاہور پہنچ کر تہمینہ نے غلط زبان استعمال کی یہ تبدیلی زاہد کی وجہ سے ہوئی۔ زاہد وابلہ، چوہدری شجاعت حسین اور پرویز الٰہی کی ایک مل کے مینیجر کا لڑکا ہے، اور قتل کے مقدمہ میں وہاڑی میں پیشیاں بھگت چکا ہے۔ وہ پہلے سے شادی شدہ اور تین بچوں کا باپ ہے (تہمینہ دو بچوں کی ماں تھی) عقیلہ نے کہا "تہمینہ کی اس حرکت کا اثر اس کی سیاست پر بھی پڑے گا تہمینہ اگر کہتی ہے کہ میں نے طلاق لے لی ہے اور

زاہد سے شادی کر لی ہے تو یہ دونوں چیزیں 9 نومبر اور 2 دسمبر کے درمیان کیسے ممکن ہیں آخر ہمارے ملک میں طلاق اور دوبارہ شادی کا کوئی قانون ہے۔"

قارئین! واضح رہے کہ یہ "سیاسی عیاشی" بھی اپنی موت آپ مرگئی اور تہمینہ دولتانہ منصب فضیلت حاصل کرتی ہوئی وفاقی وزیر بن کر آج کل معطل حکومت میں شامل ہیں۔ اور زاہد انور وابلہ کے ساتھ "خوش و خرم" زندگی بسر کر رہی ہیں۔ ہم اس سلسلے میں صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ "جب ہوں، دونوں" راضی، تو کیا کرے گا قاضی------! اور اگر تہمینہ کے پہلے بچوں کا موقف جاننے کی خواہش ہو تو قتیل شفائی کی یہ نظم پڑھ لیجئے۔

امی پیاری پیاری امی
یہ تو مجھے بتلا دو نا
تم میری کیا لگتی ہو
پوچھتے ہیں میرے ہمجولی
جب میں ان سے کھیلتا ہوں
تیرے باپ کا نام ہے کیا
میں کہتا ہوں امی سے کل پوچھ کے تمہیں بتاؤں گا
لیکن پیاری امی مجھ کو اتنا بھی معلوم نہیں
تم میری کیا لگتی ہو
ماں ہوتیں تو مجھ کو تنہا چھوڑ کے لمبی راتوں میں
دیر دیر تک مجھ سے دور نہ تم رہتیں
پھر تم میری کیا ہو امی

اتنا تو سمجھا دو نا

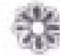
باپ کا نام تو پھر مجھ کو بتلا دینا

تم میری کیا لگتی ہو

یہ مجھ کو بتلا دو نا

پیاری امی۔ بے حس امی

تقاضائے فطرت کو پامال کرنا
کوئی اور شے ہے یہ عصمت نہیں ہے



غنویٰ بھٹو

غنویٰ بھٹو کا نام اہل وطن نے پہلی بار 1989ء میں اس وقت سنا جب دمشق میں مرتضیٰ بھٹو سے ان کی شادی کی خبریں ذرائع ابلاغ سے عام ہوئیں۔ بعد ازاں 1993ء میں جب مرتضیٰ بھٹو پاکستان آئے اور انہیں مختلف سنگین مقدمات میں گرفتار کر لیا گیا تو غنویٰ بھٹو 1994ء میں پہلی بار پاکستان آئیں۔ تاہم ان کے ماضی کے حوالے سے اہل وطن کو کچھ زیادہ معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ 20 ستمبر 1996ء کو جب مرتضیٰ بھٹو ایک پولیس مقابلہ میں ہلاک ہو گئے تو غنویٰ بھٹو ایک مظلوم بیوہ کی حیثیت سے منظر عام پر آئیں اور عوامی حلقوں میں ان کے سیاست میں آنے نہ آنے اور مرتضیٰ بھٹو کی سیاسی وراثت کو سنبھالنے یا نہ سنبھالنے کے حوالہ سے ایک بحث چھڑ گئی اور اس بحث کا خاتمہ اس وقت ہوا جب غنویٰ بھٹو نے ایک پریس کانفرنس میں اپنے سیاست میں آنے اور پاکستان پیپلز پارٹی (ش ب گروپ) سنبھالنے کا اعلان کر دیا۔

تاہم غنویٰ بھٹو کی ذاتی زندگی اور ان کی مرتضیٰ بھٹو سے شادی کے حوالہ سے اہل وطن کی معلومات اب بھی نہایت محدود ہیں۔ اور اتنا عرصہ سیاست میں رہنے کے باوجود زیادہ تر لوگوں کے نزدیک وہ مرتضیٰ بھٹو کی بیوہ اور ذوالفقار علی بھٹو کی بہو ہیں اور بس۔ آیئے غنویٰ بھٹو اور مرتضیٰ بھٹو کے باہمی تعلقات کے پس پردہ حقائق دیکھیں جو شادی اور بعد ازاں مرتضیٰ بھٹو کے قتل پر منتج ہوئے۔

غنویٰ بھٹو بیروت کے ایک متوسط طبقہ کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں' اُن کے والد عبود حیادی بیروت ایئرپورٹ پر افسر کی حیثیت میں ملازم تھے' جہاں

سے 1983ء میں ریٹائر ہوئے۔ عبود حیلاوی کی کوئی نرینہ اولاد نہیں' صرف چار بیٹیاں ہیں' سب سے بڑی بیٹی رشا امریکہ میں بیوٹی پارلر چلاتی ہے' دوسری بیٹی ظلود' امریکہ میں ڈاکٹر ہے اور تیسری بیٹی زمنت نے کیمیاوی ایٹم میں ڈاکٹریٹ کی ہے۔ غنوئی ان کی چوتھی بیٹی ہے جو میٹرک سے آگے تعلیم حاصل نہ کر سکی تاہم فنون لطیفہ سے دلچسپی اور شعری ذوق اسے پیدائشی طور پر ملا ہے' یہی وجہ ہے کہ اس نے بیروت کے ایک ایسے اسکول میں داخلہ لیا جہاں ناچ گانے کی خصوصی تعلیم دی جاتی ہے۔ غنوئی نے یہ فن نہایت توجہ اور محنت سے سیکھا اور رقص میں خصوصی مہارت حاصل کرلی۔

اسی دوران لبنان کی خانہ جنگی نے غنوئی کے والدین کو شام کی طرف نقل مکانی پر مجبور کر دیا' دمشق میں غنوئی اپنے حسن و جمال اور فنی کمال کی وجہ سے بہت جلد متمول لوگوں میں شہرت پا گئی کچھ ہی عرصہ میں اس نے دمشق میں فرانس کے دفتر ثقافت کے تعاون سے رقص کی تعلیم کا اپنا اسکول کھول لیا' مغرب زدہ لوگ اس اسکول میں اپنے بچوں کو رقص کی تعلیم کے لئے داخل کرانے لگے' یوں ان کی غنوئی سے راہ و رسم کی سبیل بھی پیدا ہو جاتی۔

یہ 1984ء کا واقعہ ہے۔ میر مرتضیٰ بھٹو' ضیاء الحق مارشل لاء کے دور میں' اپنی پہلی بیوی کے ساتھ دمشق میں خود ساختہ جلاوطنی کے دن گزار رہا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی فاطمہ کو بھی رقص کی تعلیم کے لئے غنوئی کے اسکول میں داخل کرایا۔ غنوئی بھٹو' ذوالفقار علی بھٹو کی پوتی ہونے کی بنا پر فاطمہ پر خصوصی توجہ دیتی اور پیار اور محبت کا برتاؤ کرتی۔ ممکن ہے اس کے پیش نظر متمول خاندان کی بیٹی ہونے کے ناطے مالی منفعت بھی رہی ہو۔ غنوئی کی مرتضیٰ بھٹو سے پہلی ملاقات دمشق کے علاقہ مجاہد میں واقع انٹرنیشنل ہوٹل شیرٹن میں ہوئی' اس ملاقات میں دونوں ایک دوسرے کی ظاہری شخصیت کے سحر کا شکار ہو گئے اور پھر گاہے بگاہے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ پانچ سال تک جاری رہا۔ اس دوران 1985ء میں مرتضیٰ کے چھوٹے بھائی شاہنواز بھٹو کو فرانس میں قتل کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے مرتضیٰ بھٹو کو اپنی زندگی کے بارے میں لاحق تشویش میں اضافہ ہو گیا مگر وہ غنوئی کی زلف گرہ گیر کا بری طرح اسیر ہو چکا تھا

اور غنوئی بھی اپنا مستقبل مرتضیٰ کی جوانی و رعنائی اور دولت سے وابستہ کر چکی تھی لہٰذا وہ ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز رنگین خوابوں کی دنیا میں کھوئے رہے۔ دونوں کے یہ خواب 1989ء میں تعبیر پا گئے اب ان کا باہم نکاح ہو گیا' جلد ہی ان کے ہاں ایک بیٹے نے جنم لیا جس کا نام اس کے مرحوم دادا ذوالفقار علی بھٹو کے نام پر ذوالفقار علی بھٹو جونیئر رکھا گیا اور بظاہر جلاوطنی کے دن گزارنے والا یہ خاندان دمشق میں نہایت خوش و خرم زندگی گزارتا رہا۔

غنوئی حیلاوی جو اب غنوئی بھٹو بن چکی تھی' یہ تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ وہ کبھی پاکستان میں رہائش اختیار کرے گی' مگر وقت عجب عجب تماشے دکھاتا ہے 1993ء میں مرتضیٰ بھٹو پاکستان گئے تو انہیں متعدد سنگین مقدمات میں گرفتار کر لیا گیا' اس دوران غنوئی کو مجبوراً پاکستان آنا پڑا۔ 94ء میں وہ پہلی بار پاکستان آئی۔ ان دنوں مرتضیٰ بھٹو کی بہن' بے نظیر بھٹو پاکستان کی حکمران تھی' مرتضیٰ کو اس سے بہت فائدہ پہنچا' وہ تقریباً تمام مقدمات سے بری ہو کر سندھ اسمبلی کا رکن بھی بن گیا مگر وہ میر مرتضیٰ بھٹو تھا' جبکہ بے نظیر اب زرداری بن چکی تھی اور یہیں سے بہن بھائی کے درمیان اختلافات کی خلیج پیدا ہوئی جو وقت کے ساتھ وسیع ہوتی چلی گئی۔ تا آنکہ 20 دسمبر 1996ء کو مرتضیٰ بھٹو پولیس مقابلہ میں ہلاک ہو گیا۔

اس پولیس مقابلے کو کئی رنگ دیئے گئے اور یہاں تک ہوا کہ بے نظیر بھٹو کو اپنی وزارت سے ہاتھ دھونا پڑے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مرتضیٰ بھٹو کے دوست علی سنیارا اور غنوئی کے درمیان "تعلقات" کے عینی شاہد ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ اس قتل میں علی سنیارا کی رقابت بھی شریک حال رہی ہے۔

لبنان کی ایک کامیاب رقاصہ' جو کبھی سیاست اور وہ بھی پاکستانی سیاست میں آنے کا سوچ بھی نہ سکتی تھی' اپنے شوہر کی ہلاکت کے بعد اس مخمصہ کا شکار ہو گئی کہ وہ پاکستان میں رہے یا اپنے وطن شام واپس چلی جائے۔ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ اگر وہ واپس جاتی ہے تو بھٹو خاندان' اپنے اکلوتے وارث کو لے جانے کی اجازت نہیں دے گا' جس کی متحمل ایک ماں کی مامتا نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسری جانب بھٹو خاندان کی وسیع جاگیر اور شاندار وراثت سامنے تھی' مگر پاکستان میں مستقل قیام ممکن نہ تھا

کیونکہ وہ پاکستانی شہریت نہیں رکھتی تھی اور بے نظیر حکومت میں اس کا حصول ممکن نہیں تھا۔ مگر اب نئی حکومت میں لبنان کے حکمران رفیق حریری اور وزیر خارجہ فارس بوئیر کی مداخلت سے 'یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے اور غنوی بھٹو کو پاکستانی پاسپورٹ جاری کر دیا گیا ہے اس لئے اب وہ مستقل پاکستان میں رہیں گی۔



محمد علی بوگرہ

پاکستان کے سابق وزیراعظم محمد علی بوگرہ پلے بوائے امیج کے حامل تھے۔ وزیراعظم بننے کے فوراً بعد انہوں نے ایک غیر ملکی لبنانی حسینہ کو وزیراعظم آفس میں سوشل سیکرٹری کے عہدہ پر مقرر کر دیا اور پھر چند ہی ماہ بعد اس کے ساتھ شادی کا اعلان بھی کر دیا حالانکہ وہ پہلے سے شادی شدہ تھے۔ کراچی کے ایک ہفت روزہ "مسلمان" نے اس شادی کی تفصیلات شائع کیں تو اس رسالے کو بند کر دیا گیا۔ بند کرنے والے سید ہاشم رضا تھے' رسالے کی بندش کے ایک ماہ بعد اس شادی کا باقاعدہ اعلان ہو گیا مگر رسالہ منظر عام پر نہ آسکا۔ اپواء کی چند خواتین نے ان کی پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی پر تنقید کی لیکن علمائے کرام نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ اپواء کی بہت سی قائدین بذات خود اپنے خاوند کی دوسری بیویاں ہیں' ان کا منہ بند کر دیا۔ ان خواتین میں سرفہرست بیگم رعنا لیاقت علی خان کا نام آتا تھا جو خود جناب لیاقت علی خان کی دوسری بیوی تھیں۔ ان کی جناب لیاقت علی خان سے ملاقات کسی سوشل تقریب کے ٹکٹ فروخت کرنے کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ وہ ایک نوجوان سوشل ورکر خاتون کے طور پر جناب لیاقت علی خان کو وہ ٹکٹ فروخت کرنا چاہتی تھیں۔ جناب لیاقت علی خان نے اس سے ملاقات میں پوچھا کہ آخر وہ وہ ٹکٹ کیوں خریدیں اور اس سوال کے جواب پر محترمہ رعنا لیاقت نے علی خان کو جو جواب دیا وہ کچھ ایسا تھا کہ جناب لیاقت ان کو اپنا دل دے بیٹھے اور جلدی پہلی بیوی اور بچوں کی موجودگی میں رعنا صاحبہ سے دوسری شادی کر لی۔ یہ دل خراش داستان اس ملک کے حکمرانوں کے اخلاقی مرتبہ کی نشاندہی کرتی ہے۔ لیاقت علی خان مرحوم کی اہلیہ کے معاملات اور اپوا کے ذریعے اس ملک کو جس اخلاقی بحران سے گزرنا پڑا'

وہ ایک الگ کہانی ہے۔

جناب محمد علی بوگرہ نے اپنے سوشل سیکرٹری کو دوسری بیوی بنانے کے بعد پاکستان کی 1962ء کی قانون ساز اسمبلی کی رکنیت کا انتخاب لڑا' اس میں کامیاب ہوئے اور ایوب خان نے انہیں اپنا وزیر خارجہ بنایا۔ اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد ان کی اس غیر ملکی بیوی کے پاکستان کی وزارت خارجہ کے ارکان کے ساتھ تعلقات مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔ ان کی وفات کے بعد بھی یہ تعلقات قائم رہے اور پاکستان فارن آفس نے اسے کئی اہم سفارتی ذمہ داریوں پر تعین کیا۔

غلام محمد

پاکستان کے دوسرے گورنر جنرل غلام محمد جنہیں حالت فالج میں کرسی اقتدار پر رونق افروز کیا گیا تھا' ایک غیر ملکی حسینہ کے اسیر تھے۔ روتھ بورل نامی یہ خاتون جو ان کی پرائیویٹ سیکرٹری کے طور پر کام کر رہی تھی نیم امریکن 'نیم سوئس تھی۔ اور عالم یہ تھا کہ گورنر جنرل ہاؤس کے ہر فیصلہ کی اطلاع جناب غلام محمد کی جانب سے اس خاتون کے ذریعے دی جاتی تھی۔ حتی کہ یہ خاتون جب جناب غلام محمد سے ناراض ہو جاتیں تو گورنر جنرل ہاؤس میں تمام کام بند ہو جاتے تھے۔ اور جناب غلام محمد کوئی کام اس وقت تک نہیں کرتے تھے۔ جب تک وہ خاتون راضی نہ ہو جاتی تھیں۔ گورنر جنرل کے اس غیر ملکی خاتون کے ساتھ تعلقات کو کبھی بھی ہمارے کسی بھی طبقے نے حرف تنقید نہیں بنایا۔

غلام محمد کے اخلاقی رویوں اور مستیوں کی کہانی قدرت

اللہ شہاب نے "شہاب نامہ" میں تفصیل سے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"انہوں نے (گورنر جنرل غلام محمد) نے مجھے مسہری پر بٹھالیا اور فرش پر پڑی ہوئی فائل کا قصہ سنایا۔ بات یہ ہوئی کہ کل رات انہوں نے مس بورل کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ وہ حسب معمول اپنی بوڑھی والدہ کو اپنے ساتھ لے کر آئی۔ یہ بات مسٹر

غلام محمد کو پسند نہ تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ مس بورل ڈنر پر تنہا آیا کرے۔ لیکن مس بورل اکثر ان کی اس آرزو کو پورا نہ کیا کرتی تھی۔ کل رات کے ڈنر کے دوران مسٹر غلام محمد نے مس بورل کی والدہ کے ساتھ بڑی بے رخی کا برتاؤ کیا اور کچھ نازیبا کلمات بھی کہے۔ مس بورل نے اس بات کا بہت برا منایا۔ آج صبح گورنر جنرل نے اسے ایک فائل کے ساتھ اپنے کمرے میں طلب کیا۔ وہ منہ پھلائے ہوئے آئی مسٹر غلام محمد نے اسے حکم دیا کہ وہ صبح سویرے روتی صورت لے کر ان کے کمرے میں نہ آئے' بلکہ مسکراتی ہوئی ان سے ملے۔ مس بورل اسی طرح منہ پھلائے کھڑی رہی۔ گورنر جنرل نے تحکمانہ انداز میں کئی بار اسے مسکرانے کا حکم دیا تو اس نے غصے سے فائل زمین پر دے ماری اور روتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

اب مسٹر غلام محمد نے میرے ذمہ یہ ڈیوٹی سپرد کی کہ میں مس بورل کو سمجھا بجھا کر یہاں واپس لاؤں' وہ مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہو اور ہنسی خوشی فرش پر پڑی ہوئی فائل اٹھا کر گورنر جنرل کے حضور میں پیش کرے۔ میں مس بورل کے پاس گیا' تو وہ غالباً اسی نوعیت کی طلبی کے انتظار میں بیٹھی تھی' وہ بڑی زیرک اور غمگسار طبیعت کی لڑکی تھی اور مسٹر غلام محمد کی معذوریوں کی وجہ سے اسے ان کے ساتھ ایک خاص قسم کی ہمدردی تھی۔ میں نے اسے ٹائم پیس سمیت سارا واقعہ سنایا تو وہ فوراً میرے ساتھ چلنے پر آمادہ ہو گئی۔ گورنر جنرل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے اپنی مسکراہٹوں کا فوارہ چھوڑا اور فرش پر پڑی ہوئی فائل اٹھا کر اسے بصد ادب و احترام ان کی خدمت میں پیش کیا۔ مسٹر غلام محمد کا چہرہ دودھ پیتے بچے کی طرح کھل اٹھا اور ان کے منہ کے دونوں کونوں سے بے اختیار رالیں ٹپکنے لگیں۔ پھر اچانک ان کی نظر مجھ پر پڑی' ان کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور غرا کر بولے۔ تم یہاں کیا کر رہے ہو' تمہیں یہاں کس نے بلایا ہے' فوراً میری نظروں سے دور ہو جاؤ......"

(شہاب نامہ سے ایک اقتباس)

حسین شہید سہروردی

پاکستان کے ایک اور سابق وزیراعظم حسین شہید سہروردی بھی پلے بوائے

انچ کے حامل تھے۔ ہر رات وہ کراچی کے ہوٹل میٹروپول' بیچ لگژری یا پیلس کے نائٹ کلبوں میں گزارتے اور اس زمانے میں کراچی کی مشہور حسینائیں جناب حسین شہید سہروردی کے ساتھ ہوتیں۔ اس کے باوجود جناب سہروردی کی اقتدار سے محرومی کی وجہ ان کی یہ رنگینیاں نہیں تھیں۔ وہ وزیراعظم ری پبلکن پارٹی کے بل بوتے پر بنے تھے' جس کے حقیقی سربراہ جناب سکندر مرزا خود تھے اور انہوں نے جناب سہروردی کو معزول کرنے کا فیصلہ اپنے ذاتی اقتدار کو طول دینے کے لئے کیا تھا۔

سکندر مرزا

جناب سکندر مرزا پاکستان کے پہلے صدر بنے۔ انہوں نے بھی بطور ڈیفنس سیکرٹری حکومت پاکستان' دوسری شادی کی' ان کی یہ شادی ایک غیر ملکی حسینہ سے تھی جس کا نام ناہید تھا۔ یہ ایک جونیئر ایرانی سفارت کار کی بیگم کے طور پر پاکستان میں مقیم تھیں۔ ناہید صاحبہ' جناب سکندر مرزا کو پسند آ گئیں اور انہوں نے ایرانی سفارت کار سے طلاق لی اور جناب سکندر مرزا سے شادی کر لی۔

شادی سے پہلے ایک رات ناہید اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں سکندر مرزا کو اپنے فلیٹ پر لے گئی۔ جہاں اس نے سکندر مرزا کے لئے آملیٹ بنایا اور تمام رات اس کے ساتھ بسر کی۔ سکندر مرزا نے ناہید کو 5 لاکھ روپے کا چیک دیا۔ سکندر مرزا اکثر نجی محفلوں میں کہا کرتے تھے کہ میں نے دنیا کا سب سے مہنگا آملیٹ کھایا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے اپنی کتاب "شہاب نامہ" میں ذکر کیا ہے کہ جناب سکندر مرزا کے گورنر جنرل بننے کے بعد محترمہ ناہید سکندر مرزا کی جانب سے انہیں پہلا حکم یہ موصول ہوا کہ گورنر جنرل غلام محمد کی غیر ملکی محبوبہ سے پرائیویٹ سیکرٹری ٹو گورنر جنرل کے عہدے سے فوراً استعفیٰ حاصل کیا جائے۔ قدرت اللہ شہاب نے یہ کام کس ذہانت سے کیا' اس کا ذکر بھی ان کی کتاب "شہاب نامہ" میں تفصیل سے موجود ہے۔ جناب سکندر مرزا کے گورنر جنرل اور صدارت کے دوران ناہید سکندر مرزا ہی گورنر جنرل ہاؤس اور صدر پاکستان ہاؤس کے دوران تمام تر امور کی انچارج

تھیں اور تمام تر فیصلے ان کی مرضی سے ہوتے تھے۔ جناب سکندر مرزا کی ناہید کے ساتھ دوسری شادی ان کے سیاسی کیریئر کے عروج کا باعث بنی اور وہ اس غیر ملکی خاتون کے ساتھ پہلے سے شادی شدہ آدمی ہونے کے باوجود اس مملکت پاکستان کے کسی سیاسی' دینی یا مذہبی حلقے میں کبھی معتوب نہیں ہوئے۔

سکندر مرزا اس قدر شراب پیتے تھے کہ ان کے دوست ان کو چلتی پھرتی "شراب کی دکان" کہا کرتے تھے۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق ان کی موت فطری تھی حکمران کے خون میں شراب ایک جز کی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔

اس حمام میں

سیاست دانوں اور اپنے محترم لیڈران کے "پاکیزہ" کردار کی جھلک ہمارے سامنے ہے۔ جنکی بدولت چوتھی بار عوام کو فوجی حکمران قبول کرنا پڑا۔ مگر اخلاقیات کی یہ گندگی صرف حکمرانوں تک نہیں بلکہ ان کی شاہانہ طبیعت کی بدولت یہ وباء نیچے تک پھیل چکی ہے۔ یہاں ہم ایسے ہی مختلف کرداروں کے بہروپ دیکھیں گے۔ جن میں سیاست دانوں کے رشتہ دار بھی شامل ہیں اور کہیں کہیں شاید ہمارے اپنے بھی۔ آیئے اپنی اخلاقی قدروں کا نوحہ پڑھیں۔

1947ء میں اتنی عصمتیں نہیں لٹی تھیں

میں کبھی کبھی دل پر جبر کر کے ان عصمتوں کا حساب لگانے کی کوشش کرتا ہوں جو بھٹو نے اور اس کے ساتھیوں نے مسلمان عورتوں کی لوٹی ہیں۔ لیکن کس دل سے اپنی ہزاروں بہنوں اور بیٹیوں کی بدقسمتی کا تصور کروں۔ میں آپ سے سچ کہتا ہوں خدا کو حاضر و ناظر کر کے عرض کرتا ہوں کہ 1947ء کے فسادات میں مشرقی پنجاب میں اتنی مسلمان عورتوں کی عزتیں نہیں لٹیں' جتنی گزشتہ چھ سات سال میں پاکستان کے اندر لٹی ہیں۔ یہ عام دستور تھا کہ پیپلز پارٹی کی ورکر عورتیں نوخیز لڑکیوں کو کالجوں میں داخلہ یا ملازمت دلوانے کے بہانے وزیروں کے پاس لے جاتی تھیں اور وزیر اگر پسند کر لیتے تو گھر پر یا کسی دوسری جگہ ملاقات کا وقت دیتے اور وہاں ان

کی زبردستی عصمت لوٹ لیتے۔ آبرو لٹانے کے بعد گھر والوں اور دنیا والوں کے خوف کے مارے یہ چپ چاپ لٹ پٹ کر گھر لوٹ آتیں۔ وزیروں میں اس بات کا مقابلہ ہوتا کہ کس نے کتنی کم سن لڑکیوں سے لطف اٹھایا۔ اسلام آباد کی ایک بڑی ضیافت میں ممتاز بھٹو نے برسرِ عام کہا کہ میں نے یہاں آنے والی تمام حسین اور اپنی پسندیدہ عورتوں کے ساتھ ہم بستری کی ہے۔ وہ پنجاب کی عورتوں کو بہت پسند کرتے تھے۔ اگر کسی سابق وزیر کا کوئی ڈرائیور آپ کا دوست ہے یا کسی دائی یا لیڈی ڈاکٹر جو اسقاط حمل کا کاروبار کرتی ہے آپ کی جاننے والی ہے تو اس سے پوچھ لیجئے کہ پیپلز پارٹی کے وزیروں نے کتنی مسلمان عورتوں کو خراب کیا ہے۔ لوٹا ہے اور ان کی زندگیاں تباہ کی ہیں۔

(عبدالقادر حسن ہفت روزہ افریشیا 12 اگست 1977ء)

چابیوں سے کمروں تک

"کی کلب" کئی ادوار سے گذری ہے۔ پہلے دور میں ممبر ایک لڑکی ساتھ لاتا تھا جو عام طور پر غیر مسلم ہوتی تھی۔ بیشتر کا تعلق گوا سے بتایا جاتا تھا۔ کاروں کی چابیوں کے ذریعے پارٹنر کا انتخاب ہوتا اور ممبران اپنے پارٹنر کو لے کر واپس چلے جاتے۔

پھر کمروں کا دور آیا۔ بڑے بڑے بنگلے حاصل کئے گئے۔ جس کے ہر کمرے میں پارٹنر پہلے سے موجود ہوتا۔ کمرے کے نمبروں کی قرعہ اندازی ہوتی اور رات کے پردے میں شیطان کا رقص ہوتا۔ "عوامی دور" میں کمرے صرف وزیروں کے لئے رہ گئے' باقی لوگ ہال ہی میں مکروہ چہرے لئے شیطان کو شرماتے۔ زیادہ تر پارٹیوں کا انتظام چار بنگلوں میں کیا جاتا رہا۔ یہ بنگلے ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی' کلفٹن شہید ملت روڈ اور مزار قائداعظمؒ کے پاس واقع ہیں۔

"کی کلب" کی پارٹیوں کے دو درجے ہوتے' اول درجے کی پارٹیوں میں صرف وفاقی وزراء' ان کے بھجولی شریک ہوتے' دوسرے درجے کی پارٹیاں صوبائی وزراء' افسران' تاجروں اور بڑے سرمایہ داروں کے لئے ہوتیں۔ شرکاء کی تعداد بڑھی تو "شکار" پھانسنے کے لئے ریڈیو اور ٹی۔وی کے عملے کے بعض ارکان کی

خدمات بھی حاصل کی گئیں کہ وہ شوقین فنکاراؤں کو "کی کلب" کی راہ پر لگائیں۔ چند بڑی بیگمات بھی یہ کارہائے نمایاں انجام دیتی رہیں۔

(ہفت روزہ زندگی 27 اکتوبر 1977)

فخر زمان

فخر زمان کا اصرار ہے کہ اسے شاعر اور ادیب بھی تسلیم کیا جائے۔ انہیں اس وقت شہرت ملی جب ان کا نام اپنی ہی بیوی کے قتل کے الزام میں سامنے آیا۔ بہرحال فخر زمان نے اپنی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس الزام سے بریت حاصل کی۔ اور شعر و ادب کے حوالے سے ایک اور کو بیوی بنالیا جو شائستہ جبیں کے نام سے ریڈیو پر پروگرام پروڈیوسر کہلاتی تھی۔

جس وقت پیپلز پارٹی پنجاب کے کارکنوں نے جہانگیر بدر کے خلاف احتجاج کیا۔ تو فخر زمان کو صدر بنا دیا گیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق وہ ہر جگہ پارٹی عہدیداروں سے کاکی اور شراب کا مطالبہ کر دیتے۔ کچھ لوگ اہتمام کر بھی دیتے جو انکار کرتے وہ پھر اپنی بدنصیبی کو روتے رہتے۔

پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور میں ناہید خان جہانگیر بدر اور حسین حقانی کے خلاف پمفلٹ چھاپا۔ جس میں ان کے کرتوتوں کا پردہ چاک کیا گیا تھا۔ پمفلٹ میں کہا گیا تھا کہ ناہید خان کی بہن کا معاشقہ حسین حقانی کے ساتھ عرصہ دراز سے چل رہا تھا جبکہ وہ نواز شریف کا اس وقت دست راست تھا۔ یوں مسلم لیگ حکومت کی تمام کمزوریاں ناہید خان کے پاس پہنچ رہی تھیں۔ جبکہ ناہید خان پر الزام لگایا گیا کہ وہ پیپلز پارٹی کی گولڈ امیٹر ہے شراب پیتی ہے۔ اور روز ایک آدمی کا "ڈنر" کرتی ہے۔ اور بے نظیر بھٹو سے ملاقات کے متلاشی افراد سے سونے کی چوڑیوں کا مطالبہ کرتی تھی۔ اس کے علاوہ جو سب سے خوفناک انکشاف سامنے آیا۔ اس کے مطابق وہ گورنر ہاؤس لاہور میں خوبرو اور صحت مند لڑکوں سے مل کر بہت "خوش" رہتی تھی۔ پمفلٹ شائع ہوا تو فخر زمان جو اپنی گاڑی پر تندرست "جیالے" ڈھونڈ کر لانے کا فریضہ انجام دیتے تھے۔ انہیں اپنے تین ساتھیوں پر شک

گزرا کہ یہ بات ان میں سے کوئی باہر کر سکتا ہے۔ جس پر انہوں نے مصطفیٰ قریشی کے گھر انہیں ماں بہن کی گالیاں دیں۔ اس نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ تمہیں ناہید خان کی مصروفیات کا زیادہ علم تھا اب وہ انتقام پر اتر آئی ہے تو تمہارا حلیہ بگاڑ کر رکھ دے گی۔

مختار اعوان

بے نظیر بھٹو کے سابق دور میں اسلام آباد کے فائیو سٹار ہوٹل میں صوبائی وزیر مختار اعوان کمرے میں معروف ماڈل گرل کے ساتھ داد عیش میں مصروف تھے کہ موصوف کی بیوی نے چھاپہ مار کر دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ وزیر صاحب کی بیوی نے میریٹ ہوٹل کی لابی میں درجنوں لوگوں کے سامنے اپنے شوہر نامدار کی جوتیوں سے پٹائی کی حتیٰ کہ انہیں ننگے پاؤں وہاں سے بھاگنا پڑا۔

مشتاق اعوان

وزیر باتدبیر کے ایک کردار مشتاق اعوان ہیں۔ جن کے بارے میں میر مرتضیٰ بھٹو نے ایک بار کہا تھا کہ میں پیپلز پارٹی کو ناہید خان اور مشتاق اعوان سے بچانا چاہتا ہوں۔ یہ بات مشتاق اعوان کے کھاتے میں خوبی کے طور پر لکھی گئی اور اسے ناہید خان کی سفارش پر صوبائی صدر بنا دیا گیا۔ انتخابات 92ء کے دوران اس نے میاں شہباز شریف سے اپنی پارٹی کے امیدوار امیر علی بھٹی کو ہرانے کے لئے مکمل تعاون کا یقین دلایا۔ جس کی تصدیق امیر علی بھٹی کے بھانجے اور ڈوگر مرحوم کے بھائی نے بھی کی۔ ان دنوں مشتاق اعوان رات کے وقت شراب کے نشے میں مست ہو کر انتخابی دفتر آتے اور گھنٹوں ناہید خان سے گپ شپ کرتے رہتے۔ انہیں نشہ کی حالت میں امیر علی بھٹی سے بار بار یہ کہتے سنا گیا کہ "کڑیاں کتھے نیں" آج کل ان کڑیوں کا تو معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہیں البتہ مشتاق اعوان کے بارے میں پتہ ہے کہ وہ جیل میں ہیں۔

جہانگیر بدر

تیسرا کردار جہانگیر بدر ہے۔ محکمہ انکم ٹیکس کے اہل کار ٹیکس وصول کرنے کے لئے ملکہ ترنم نورجہاں کی کوٹھی میں داخل ہوئے۔ تو وہاں ان کی ملاقات جہانگیر بدر سے ہو گئی۔ انہوں نے اہلکاروں پر رعب ڈالنے کے لئے ناہید خان کو فون کیا کہ ناہید خان میں جہانگیر بدر بول رہا ہوں۔ ابھی بات شروع ہی ہوئی تھی کہ ایک سرکاری اہلکار نے فون چھین لیا اور کہا کہ ملکہ ترنم کو اسلام آباد لے جاؤ وہاں جا کر شکایت کرنا۔ اور ساتھ یہ بھی بتا دینا کہ حنا کے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے۔ اور یہ بھی کہ ایک صوبائی وزیر حنا کو روزانہ ایک لاکھ روپے کی ادائیگی کیوں کرتا ہے۔ میڈم نورجہاں نے مداخلت کی اور کہا حنا کے عاشقوں کے نام مت لو میں ٹیکس ادا کر دوں گی۔

جہانگیر بدر کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ حنا تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ وہ بڑی بڑی عمل ہماتے طلاق ہو چکی ہے سے بھی شادی کے امیدوار رہے ہیں۔ جبکہ پیپلز پارٹی کا ایک کارکن اختر' جہانگیر بدر کو لڑکیاں سپلائی کرتا تھا۔ جہانگیر بدر صاحب اولاد ہونے کے باوجود اختر سے یہ تقاضا کرتے کہ تیرہ چودہ سال کی لڑکی لانا۔ اس سے زیادہ کی نہیں۔

سلمان تاثیر

پیپلز پارٹی کے مرکزی راہنما' سابق مرکزی سیکرٹری اطلاعات اور پنجاب اسمبلی میں سابق ڈپٹی اپوزیشن لیڈر جناب سلمان تاثیر کی ایک شادی بھارتی صحافی خاتون "تولین سنگھ" کے ساتھ بھی ہوئی۔ جسے انہوں نے ہمیشہ خفیہ رکھا۔ تولین سنگھ جو سات سالہ آتش کی ماں ہے اور اس کا دعویٰ ہے کہ آتش' سلمان تاثیر کا بیٹا ہے۔

تولین سنگھ نے جس کا شمار اب بھارت کی معروف خاتون صحافیوں میں ہوتا ہے' بھارتی جریدے کے لئے اپنی یادداشتیں قلم بند کیں جسے "سیوی" (Savvy)

نامی انگریزی ماہنامے نے ”سپوی وومین آف دی منتھ“ قرار دیا تھا۔ تولین اپنی خودنوشت میں لکھتی ہے۔

”اس سارے عرصے میں ‘والدین کا مجھ سے ایک ہی تقاضا تھا۔ شادی۔ میرا تعلق ایک بہت رجعت پسند سکھ گھرانے سے تھا۔ ایک بہت اچھا سکھ خاندان ہو میرے کام کرنے کی خواہش اور اپنی زندگی آپ بسر کرنے کے جذبے کو سمجھ ہی نہ سکا تھا۔ میری دادی خصوصاً ناراض ہوتیں۔ ”تم نوکری نہیں کرسکتیں‘ ہمارے خاندان میں تو مرد بھی نوکری نہیں کرتے کہ یہ بڑے زمینداروں کا خاندان ہے....“ لیکن میرے لیے اس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ میں ان کی خواہشات کے مطابق زندگی بسر کروں... میں سمجھتی تھی‘ یہ میری اپنی زندگی ہے.... اور میں اس سے کیسے لطف اٹھاؤں‘ یہ میرا مسئلہ ہے.... میں نہیں سمجھتی کہ شادی کوئی ایسی چیز ہے‘ جس کی لازماً خواہش کی جائے۔ دنیا کا اختتام اسی پر نہیں ہوتا‘ یہ محض اس کا ایک حصہ ہے۔ شادی کے بارے میں میرا نقطہ نظر خاصا مردانہ قسم کا تھا.... میں ان لڑکیوں میں سے نہیں تھی‘ جو جم خانہ کلب میں بیٹھ کر ”ممی“ کا انتظار کرتی ہیں کہ وہ آکر ان کے لیے ”درست آدمی“ کا انتخاب کریں......

اور پھر دنیا کی ہر لڑکی کی طرح مجھے بھی شادی کی خواہش ہونے لگی‘ اپنے گھر کی خواہش... میری ملاقات سلمان تاثیر سے ہوگئی تھی.... میں اسے دلی میں ملی۔ اس نے ایک کتاب لکھی تھی‘ اور اس کی اشاعت کے لیے دلی آیا تھا.... میں اسے انٹرویو کرنے گئی تھی.... اور اس کی محبت کی اسیر ہوگئی.... وہ بہت خوبصورت تھا۔ کبھی کبھی چیزیں یوں بھی وجود میں آجاتی ہیں‘ واقعات یوں بھی ظہور پذیر ہو جاتے ہیں.... میرے لیے یہ حیران کن احساس تھا۔ یہ بہت اچھا تھا.... اور بہت برا بھی.... یہ تکمیل بھی تھی اور تخریب بھی.... شادی‘ پہلی بار‘ میرے لیے کوئی اہم چیز بن گئی تھی۔ میں چاہتی تھی‘ میری شادی ہو جائے۔ لیکن وہ شادی شدہ تھا.... اس کے بچے تھے۔ اس لیے ہمیں بہت خاموشی کے ساتھ‘ بڑے خفیہ طریقے سے شادی کرنا پڑی.... پھر میں نے اس کے لیے سب کچھ چھوڑ چھاڑ دیا اور اس کے ساتھ برطانیہ چلی گئی‘ میں اس کی محبت میں ڈوب چکی تھی.... اس کی پہلی شادی کوئی بہت

خوشگوار نہ تھی... میں نے پہلی بیوی کے ساتھ اس کے تعلق کو منقطع کرنے کی کوشش نہ کی۔ میں اس میں یقین ہی نہیں رکھتی کہ ایک انسان‘ دوسرے انسان پر قبضہ جمالے... شادیاں ہو بھی سکتی ہیں اور ٹوٹ بھی سکتی ہیں... میں نے سب کچھ ترک کر دیا اور اس کے ساتھ چلی گئی.... میرے خیال میں ایک بہتر زندگی کا آغاز ہو رہا تھا۔ اس کے ساتھ زندگی گزارنے کے تصور نے‘ دلی میں بھی میرے لیے کوئی کشش باقی نہ رہنے دی تھی.... دادی اماں میرے انتخاب پر سب سے زیادہ پریشان تھیں‘ اور..... اس کی شکل تک دیکھنے کی روادار نہ تھیں۔ میں نے بہت کوشش کی‘ لیکن دادی جان اس کے لیے تیار نہ ہوئیں۔ مجھے اس کا بہت دکھ ہوا‘ مجھے ان (دادی) سے محبت بہت تھی...

ہماری شادی تین سال چلی.... ہم دونوں میں ہر چیز مشترک تھی‘ فلموں سے لے کر‘ لکھنے پڑھنے کے موضوعات تک.... پھر میں اس کے بچے کی ماں بن گئی۔ آتش کو پا کر میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ تب میں ۲۹ سال کی تھی.... اور جانتی تھی کہ ۳۰ سال کی عمر سے قبل‘ پہلے بچے کو جنم دے لینا‘ طبی لحاظ سے کتنا مفید ہوتا ہے.... اور والدہ کے خیال میں تو‘ میں پہلے ہی زیادہ عمر کی ہو چکی تھی۔ میرے والدین اس شادی سے خوش نہ تھے.... آتش کی پیدائش کے بعد وہ لندن آئے اور ہمارے ساتھ قیام کیا۔ تب انہیں احساس ہوا کہ ہم دونوں تو بنے ہی ایک دوسرے کے لیے تھے.... قطع نظر اس کے کہ وہ ایک پاکستانی تھا...

پھر شادی کا یہ بندھن ٹوٹ گیا.... میں سمجھتی ہوں‘ جہاں تعلق بہت گہرا ہو جائے‘ وہاں علیحدگی ناگزیر ہو جاتی ہے.... میرے خیال میں دنیا کا سب سے پائیدار رشتہ‘ دوستی کا رشتہ ہے۔ میری شادی کا انجام تو بہت برا ہوا‘ علیحدگی بہت گندے اور بھدے طریقے سے عمل میں آئی‘ جس میں رتی بھر نفاست نہ تھی.... ایک پاکستانی متنازعہ آدمی کے لیے‘ کسی بھارتی لڑکی سے محبت یا شادی کرنا‘ خودکشی کے مترادف ہے۔ یہ اگرچہ ایک المیہ تھا‘ لیکن اس پر مجھے کوئی معذرت نہیں۔ جوش اور ولولوں سے بھرپور دو سال‘ ان بیس برسوں سے بہتر ہیں‘ جن میں کوئی حسن‘ کوئی ولولہ نہ ہو۔ اب بھی اس کا تصور مجھے توانائی اور فرحت کا احساس بخشتا ہے۔ وہ میرا بہترین

دوست تھا اور اس کی دوستی سے محرومی ہی مجھے سب سے زیادہ محسوس ہوتی ہے۔"
(ہفت روزہ زندگی لاہور 25 تا 31 جنوری 1992ء)

سیاست دانوں کی طرح ان کی اولاد بھی عیاشی اپنا حق سمجھتی ہے۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ لاہور میں سلمان تاثیر کے صاحبزادے ٹی۔وی کی ایک معروف اداکارہ (ش) کے ساتھ سرعام داد عیش میں مصروف تھے کہ سیکیورٹی کے کچھ لوگوں نے صاحبزادے کو پیچھے کر کے اس اداکارہ کی آبرو ریزی کی۔ جب اخبارات میں یہ قصہ آیا تو کہا گیا کہ وہ اپنی منگیتر کے ساتھ پھر رہے تھے۔ لیکن وہ اس منگیتر سے کبھی بھی کوئی منگنی ثابت نہیں کر سکیں گے نہ ہی اس منگیتر سے ان کی کبھی شادی ہو گی کیونکہ وہ لڑکی تو مٹی کے ایک معروف کوٹھے سے تعلق رکھتی ہے۔

حافظ محی الدین

ایک کردار حافظ محی الدین کا بھی ہے جو نواز شریف کے حلقہ 95ء سے ان کے خلاف الیکشن لڑ چکے ہیں۔ 2 نومبر 1998ء کو حافظ محی الدین کو کسٹم کے عملے نے گاڑی نمبر آئی۔ڈی۔جی 7660 میں گلوکارہ شبنم مجید کے ساتھ عارف چوک ملت پارک سے پکڑا۔ محی الدین کی منت سماجت پر عملے نے شبنم مجید کو تو چھوڑ دیا مگر اسے ساتھ تھانے لے گئے۔

عابدہ حسین

عابدہ حسین جھنگ کا معروف کردار ہے۔ نواز شریف کے پہلے دور حکومت کے دوران امریکی سفیر کے عہدے پر اس نے بل کلنٹن کے عہدہ صدارت سنبھالنے پر ایک محفل میں رقص کیا جس کی جھلکیاں امریکی ٹیلی ویژن پر بھی دکھائی گئیں۔ جبکہ عابدہ حسین کی چھوٹی بیٹی جو امریکہ میں زیر تعلیم ہے۔ سابق چیئرمین پی۔آئی۔اے شاہد خاقان عباسی کا اس کے ساتھ افیئر چل رہا ہے۔ اور ایک سال کے اندر سرکاری طور پر وہ 52 دفعہ امریکہ اسے ملنے کے لئے جا چکے ہیں۔ اس سلسلے میں جب ایک اخبار میں اس بات کا انکشاف کیا گیا۔ تو شاہد خاقان عباسی نے اس اخبار کی

پی۔آئی۔اے میں فروخت اور اس کے عملے کو حاصل سرکاری سہولت ختم کر دی۔

○ سیاست کے ایک اور شہزادے فیصل صالح حیات کے متعلق بھی مشہور ہے کہ انہوں نے معروف اداکارہ خالدہ ریاست کو اپنی ریاست کی ملکہ بنا رکھا تھا جو بعد میں کربناک حالات میں کینسر کے موذی مرض میں مبتلا ہو کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں۔ بعد میں کچھ لوگوں نے کہا کہ اسے اسی دکھ نے تباہ کر دیا تھا۔

○ مسلم لیگی ایم۔پی۔اے اکرام اللہ خان نیازی کو 1999ء کے شروع میں مسلح افراد نے گھر میں گھس کر قتل کر دیا۔ اخبارات نے اسے دیرینہ دشمنی کا شاخسانہ قرار دیا۔ مگر انہی دنوں میانوالی جانے کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ یہ قتل دشمنی نہیں بلکہ ایک "خوبرو" لڑکے کی بدولت ہوا ہے۔ جو کسی اور کی دسترس میں تھا مگر نیازی صاحب اسے اپنے تئیں استعمال کرنا چاہتے تھے۔ یوں وہ اپنی جان ہار گئے۔

○ اعجاز الحق کے بارے ان کے قریبی ذرائع نے انکشاف کیا ہے کہ ان کے اداکارہ ارم حسن سے تعلقات رہے ہیں۔ جسے اعجاز الحق کو ایک معروف اخبار نویس نے تحفے میں پیش کیا تھا۔ یہ انکشاف اخبار میں شائع ہونے کے باوجود جناب اعجاز نے نہ تو اس کی تصدیق کرنا مناسب سمجھی اور نہ ہی تردید۔

○ غلام مصطفیٰ جتوئی نے بطور وزیر اعلیٰ سندھ بہت رنگین دور گزارا اور نسرین منہاس نامی خاتون پر نوازشات کے ڈھیر لگا دیئے۔ غلام مصطفیٰ جتوئی کی شرانگیز کہانیاں بہت عام ہیں۔ نادیہ اور زوہیب کی والدہ میزنہ سے ان کے معاملات بھی خفیہ نہیں رہے۔ جب وہ عبوری وزیر اعظم بنے تو نادیہ کی والدہ کو اقوام متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کے لئے نامزد کر دیا' اور شاید وہ اقوام متحدہ میں پاکستان کے عیاش حکمرانوں کی خفیہ ثقافت کی نمائندگی کرتی تھیں۔

○ ایک بین الاقوامی اسمگلر اونٹی والا نے کراچی میں مزار قائداعظم کے قریب عیاشی کا ایک اڈہ بنا رکھا تھا جہاں حفیظ پیرزادہ' جام صادق' ولی جاموٹ' عبدالستار گبول' مولانا کوثر نیازی اور محمد خان جونیجو مستقل آتے تھے۔ یہاں غیر ملکی شراب اور حسین دوشیزائیں پیش کی جاتی تھیں۔ ایک بار اس اڈہ پر ایک نوجوان سب انسپکٹر قاضی محمد ارشد نے چھاپہ مارا مگر جلد ہی اسے اس کی قیمت ادا کرنا پڑی۔



اعجاز الحق فلمی اداکاروں کو ایوارڈ دیتے ہوئے



دور میں ایک ادارے کے سالانہ عشائیہ کی تقریب میں اداکارہ شو بز والا مسکن گا گا رہی ہیں۔ سابق وفاقی وزیر محنت و افرادی قوت اعجاز الحق بھی شریک ہیں۔

قاضی محمد ارشد اور اس کے عملہ کو ملازمت سے برطرف کر کے ہوم سیکرٹری کی ہدایت پر جیل بھیج دیا گیا۔ مولانا کوثر نیازی کے بارے میں ڈیلی نیوز نے باقاعدہ تصویری کہانیاں شائع کیں۔ ان کی جولانیاں اس حد تک بڑھیں کہ قصرناز کے کمین بیروں نے ان کے خلاف ہڑتال کر دی۔

○ جاوید ہاشمی کے بارے میں پتہ چلا ہے کہ انہوں نے ملازمت کے لئے آنے والی کسی خاتون پر حملہ کر دیا۔ یوں بھی سابق وفاقی وزیر صحت وزیر ویاگرا کے نام سے مشہور تھے اور اپنے خاص دوستوں میں اصلی ویاگرا تحفے کے طور پر تقسیم کرتے تھے' جو اس دوا کی منظوری کے لئے دوا ساز ادارے سے بطور سمپل منگواتے تھے۔ ایم۔ این۔ اے رانا نذیر نے اسلام آباد ہی میں دوسری شادی بھی کی تھی۔ شاہد خاقان عباسی ایک خاتون رکن اسمبلی کی بیٹی سے ملنے ہر ماہ نیویارک جاتے تھے' تاہم ان کا ایک معاشقہ پی۔ آئی۔ اے کی ایک ایئر ہوسٹس سے بھی تھا۔ ان کے میڈیا ایڈوائزر نادر چودھری نے بھی ایک ایئر ہوسٹس سے خفیہ شادی کی۔ علاوہ ازیں شاہد خاقان عباسی فلمی اداکارہ ریشم کو لے کر لندن بھی گئے تھے۔ سید مشاہد حسین نے اداکارہ فریال گوہر سے دوستی رکھی اور انہیں پروموٹ کرتے رہے۔ مشاہد حسین کی کراچی آمد کے موقع پر علیم عادل شیخ صدر مسلم لیگ یوتھ ونگ کی عشرت گاہوں میں اسلام آباد سے خواتین خصوصی طور پر پہنچائی جاتی تھیں۔ جہاں مشاہد حسین سمیت سابق وفاقی وزیر کیپٹن (ر) حلیم صدیقی سمیت کئی سیاست دان اور اعلیٰ افسران اپنی "تھکاوٹ" اتارنے آیا کرتے تھے۔

مشاہد حسین

ایک ادارے کی تحقیقات کے مطابق نواز شریف کے دوسرے دور میں "شوقین وزراء" میں مشاہد حسین کا نام بھی شامل رہا۔ اپنی وزارت سے انہوں نے اپنی رنگینیوں میں خوب اضافہ کیا اور اس وقت کی 4 اداکاراؤں کو دل دے بیٹھے جن میں دو صف اول کی اداکارائیں ریما اور مدیحہ شاہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ روپ' ناری اور نرگس بھی ان کی رنگینیوں میں اضافے کا باعث بنیں۔ معلوم ہوا کہ مشاہد

حسین اپنے حرم میں شامل ان حسیناؤں کو اپنا گرویدہ بنانے کے لئے فی حسینہ ایک لاکھ روپے ماہانہ بھیجتے رہے اور اگر ان میں سے کوئی شاہ صاحب کے دربار پر حاضری دیتی تو اس کا معاوضہ الگ دیا جاتا۔ شاہ صاحب کے حرم کے متعلق کہا جا رہا ہے کہ اس میں نہ صرف یہ اداکارائیں شامل تھیں بلکہ معروف ماڈل آمنہ حق کی سربراہی میں لڑکیوں کا ایک ٹولہ بھی شامل تھا۔ ان ہی میں سے بعض تو برضا و رغبت انجام دیتیں اور بعض بزور حکومت۔

○ بے بلاک گلبرگ لاہور کے ایک گیسٹ ہاؤس میں شراب کے نشے میں دھت اونچی سوسائٹی کے 7 نوجوان 5 دوشیزاؤں سمیت رنگ رلیاں مناتے ہوئے برہنہ حالت میں پکڑے گئے۔ فردوس مارکیٹ پولیس نے ملزموں کا میڈیکل معائنہ کرایا۔ ملزموں کی سفارش کے لئے چوکی میں ٹیلیفون کالوں اور اعلیٰ افسران و افراد کا تانتا بندھ گیا کہ عملے نے اپنے فون کی تاریں ہی کاٹ دیں اور افراد کو باہر نکال کر چوکی کا مین گیٹ بند کر کے تالا لگا کر مقدمہ درج کر لیا۔ پولیس کے مطابق ملزموں میں بلوچستان کی اعلیٰ شخصیت کا رشتہ دار عمران مینگل سمیت ننکانہ کے ایم۔پی۔اے ذوالقرنین کا بھانجا محمد شعیب اور ننکانہ ہی کے منظور احمد' محبوب الٰہی' احمد خان' محمد طارق اور گیسٹ ہاؤس کا منیجر عامر سلیم شامل تھے۔ پولیس کے مطابق گیسٹ ہاؤس پر چھاپہ مارا گیا تو منیجر نے دھمکیاں دیں کہ یہ گیسٹ ہاؤس ایک اعلیٰ شخصیت کا ہے تمہیں یہاں آنے کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اسے حراست میں لینے کے بعد انہوں نے کمروں پر چھاپے مارے تو وہاں سے تمام افراد شراب کے نشے میں دھت 5 لڑکیوں کے ساتھ قابل اعتراض حالت میں پائے گئے۔ کمروں سے شراب کی 5 بوتلیں بھی برآمد ہوئیں۔ گزشتہ شام 4 بجے مجسٹریٹ عرفان قادر نے تھانہ پہنچ کر ملزموں کو جوڈیشل ریمانڈ پر جیل بھیج دیا۔ مگر جیل کا ٹائم گزرنے پر ملزموں کو گلبرگ تھانے لے کر پہنچی تو ملزموں نے حوالات میں جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ یہاں گرمی ہے۔ انہیں کسی کمرے میں رکھا جائے مگر پولیس نے انہیں زبردستی حوالات میں بند کر دیا۔

عمران مینگل نے پولیس کی حراست میں صحافیوں سے بات کرتے ہوئے کہا کہ خدا کے لئے خبر اور تصاویر شائع نہ کریں کیونکہ پہلے ہی ان کی بہت رسوائی ہو چکی ہے خبر سے خاندان کی مزید بدنامی ہوگی مگر گرفتار ہونے والے دیگر افراد سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک ملزم محمد شعیب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ ننکانہ سٹی میں ایم۔ایس۔ایف کا صدر ہے۔

○ اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل مندوب احمد کمال کی سرکاری رہائش گاہ پر دیکھی جانے والی فحش فلموں کا کرایہ بھی قومی خزانے سے ادا کیا جاتا رہا۔ تفصیل کے مطابق اٹھارہ نومبر 96ء کو سیکرٹری خارجہ نجم الدین شیخ افغانستان پر ہونے والی کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے تو انہوں نے احمد کمال کے گھر پر مہمان کی حیثیت سے قیام کیا' ان کے قیام کے دوران فحش فلموں والے کیبل ٹی۔وی چینل "پلے بوائے" کے ذریعے دو انتہائی فحش اور جنسی فلمیں دیکھی گئیں جن کا بل نو ڈالر 90 سینٹ پاکستان مشن کے اکاؤنٹ سے ادا کیا گیا۔ 59 سالہ احمد کمال اپنی اہلیہ اور بیٹے بیٹی کے ہمراہ نیویارک میں مقیم ہیں۔

○ واشنگٹن ایئرپورٹ پر چار نشستوں والا ایک طیارہ حادثہ کا شکار ہو گیا۔ طیارہ ہوا میں ہچکولے کھاتا ہوا رن وے کی بجائے ایک کھیت کے نزدیک کچی زمین پر اتر گیا اور گڑھوں سے ٹکراتا اور اچھلتا کودتا رن وے سے باہر ہی رک گیا۔ اس کا ایک پہیہ مکمل طور پر تباہ ہو گیا اس میں سوار قومی اسمبلی کے رکن مخدوم احمد محمود' ٹیلی ویژن کی اداکارہ سحرش خان اور ایک ہوا باز کیپٹن شاکر معجزانہ طور پر بچ گئے۔ اور انہیں صرف معمولی چوٹیں آئیں۔ حادثہ کا شکار ہونے والا طیارہ 16 سال پرانا ہے۔ اسے مخدوم احمد محمود نے چار ماہ قبل خریدا تھا۔ یہ طیارہ تربیتی پرواز پر تھا۔ شہری ہوا بازی کے ذرائع کے مطابق تربیتی پرواز والے طیارہ میں بیک وقت دو سے زیادہ افراد سوار نہیں ہو سکتے' ان میں بھی ایک انسٹرکٹر کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس طرح اس پرواز کو تربیتی تسلیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ یہ عام پرواز تھی۔ ان ذرائع نے بتایا کہ طیارہ کو مخدوم احمد محمود اڑا رہے تھے ان کے پاس سٹوڈنٹ لائسنس ہے۔ قانون کے

مطابق پرواز کے وقت ان کے ساتھ فلائٹ انسٹرکٹرز کو ہونا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا۔ بتایا گیا کہ انسٹرکٹر کی بجائے مخدوم احمد محمود کے ساتھ والی نشست پر محرش خان بیٹھی ہوئی تھی اور انسٹرکٹر پچھلی نشست پر تھا۔ سول ایوی ایشن کے مطابق محرش کی بجائے انسٹرکٹر نشست پر بیٹھا ہوتا تو اس قسم کا حادثہ پیش نہیں آسکتا تھا۔ طیارہ کے حادثہ کی اطلاع پر اخبار نویس والٹن کے ہوائی اڈے پر پہنچے تو وہاں بھگدڑ مچ گئی۔ مخدوم احمد محمود اور محرش خاں وہاں سے جا چکے تھے۔

اقتدار پر قابض ہونے کے لئے ہارس ٹریڈنگ کے نایاب نسخے ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

○ 4 نومبر 1996ء لاہور ہائی کورٹ کے منظور وٹو کے حق میں فیصلہ آنے کے بعد پشاور میں پنجاب سے لائے گئے ممبران اسمبلی کے گرد حفاظتی انتظامات مزید سخت کر دیئے گئے اور ان جگہوں پر جہاں ان کو رکھا گیا تھا پولیس اور ایجنسیوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی تعداد بڑھا دی گئی۔ مقامی فائیو سٹار ہوٹل میں نمائندہ نوائے وقت کو قریب سے صورت حال دیکھنے کا موقع ملا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ صوبہ سرحد میں آپریشن کوڈ نیم "شاہی مہمان" کامیابی اور ہوش اسلوبی سے جاری ہے۔ آپریشن شاہی مہمان کی براہ راست نگرانی وزیر اعلیٰ سرحد کے خصوصی معاون کر رہے ہیں جبکہ ان ممبران کی ناز برداریاں اٹھانے اور خصوصی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے کئی صوبائی وزرا اور مشیر بھی سرگرم عمل ہیں۔ رضاکارانہ طور پر نظربند اراکین پنجاب اسمبلی کی سرمستیوں اور دلچسپ مشغلوں کی داستانیں آہستہ آہستہ باہر آنی شروع ہو گئی ہیں۔ مقامی فائیو سٹار ہوٹل میں مقیم تقریباً دس مہمانوں کی خصوصی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے مبینہ طور پر مردان اور نوشہرہ سے تعلق رکھنے والے دو وزراء کا نام لیا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں پنجاب سے بھی طوائفوں اور مجرا کرنے والیوں کو بھجوایا گیا ہے۔ سرشام مخصوص سرگرمیاں شروع ہو جاتیں۔ بعض احتیاط پسند مہمان ہوٹل کی بجائے دیگر محفوظ ٹھکانوں کو ترجیح دیتے۔ باخبر ذرائع کے مطابق بعض ممبران کو مستقل طور پر قابو میں رکھنے کے لئے ان کی بعض مشغلوں کی خفیہ ویڈیو فلمیں بھی بنائی گئیں۔ ادھر ممبران اسمبلی کو پشاور کی مشہور مارکیٹوں میں

لاکھوں روپے کی شاپنگ بھی کرائی گئی جس کی ادائیگی صوبے کی ایک شخصیت نے کی۔ مہمانوں اور میزبانوں میں آنکھ مچولی کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مہمان بعض اوقات چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصہ ہو جاتے جس سے میزبانوں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ضمیروں کے سودے بھی جاری رہے۔ ذرائع کے مطابق بعض ممبران کو بمشکل دس کروڑ روپے پر راضی کیا گیا۔

○ 10 دسمبر 1996ء کو پولیس کی بھری نفری نے فلیٹیز ہوٹل پر چھاپہ مار کر سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر شیر افگن کے چھوٹے بھائی قربان نیازی' پیپلز پارٹی کے ایک سابق ایم۔ پی۔ اے اور خود کو سابق ڈی۔ آئی۔ جی ایف آئی اے کا بڑا بھائی ظاہر کرنے والے چودھری محمد صفدر سمیت دوسرے افراد اور ایک جواں سال خوبرو عورت شاہین کو رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ پولیس نے ایک کمرے سے ریجنسی ہوٹل فیصل آباد کے مالک ملک محمد اقبال کو بھی گرفتار کیا جبکہ پولیس نے ایک کمرے سے مسلم لیگ (ن) کے کارکن امانت علی کو ناجائز موزر رکھنے پر گرفتار کر لیا۔ اے۔ ایس۔ پی سٹی کیپٹن سیف اللہ کو اطلاع ملی تھی کہ کچھ دہشت گرد فلیٹیز ہوٹل میں چھپے ہیں۔ اے۔ ایس۔ پی نے تھانہ سول لائن کے اے۔ ایس۔ پی جمشید قاضی سے رابطہ قائم کیا اور ایک چھاپہ مار پارٹی تشکیل دے کر اتوار اور پیر کی درمیانی شب پچھلے پہر فلیٹیز ہوٹل پر چھاپہ مارا۔ پولیس نے ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ سب سے پہلے ہوٹل کے استقبالیہ پر جا کر تمام ریکارڈ قبضے میں لیا۔ اور پھر استقبالیہ کلرک اور دیگر ملازمین کو ساتھ لے کر کمروں کی تلاشی شروع کر دی۔ کمرہ نمبر1 میں منڈی بہاء الدین سے آنے والا مسلم لیگ (ن) کا ایک وفد قیام پذیر تھا۔ تلاشی کے دوران ایک کارکن امانت علی سے 30 بور کا ناجائز موزر برآمد ہوا۔ وفد میں شامل افراد نے بتایا کہ وہ مسلم لیگ ہاؤس میں اپنے ایک امیدوار کے ٹکٹ کے لئے آئے تھے۔ انہوں نے ساتھی کو چھڑوانے کے لئے پولیس کی منت سماجت کی اور کہا کہ آئندہ ہماری حکومت بننے والی ہے۔ آپ مہربانی کریں ہمارا آدمی اور موزر واپس کر دیں۔ کل ہم آپ کے کام آئیں گے اور ہو سکا تو آپ کو کسی بڑے ضلع کا ایس۔ ایس۔ پی لگوا دیں گے مگر دونوں اے۔ ایس۔ پی حضرات نے معذرت کر لی اور

ملزم کو پولیس کی گاڑی میں بٹھا دیا۔ اس کے بعد پولیس نے گراؤنڈ فلور کے ایک کمرے پر چھاپہ مارنا چاہا تو ہوٹل کے ملازموں نے اصرار کیا کہ یہ کمرہ خالی ہے' اسے چیک نہ کیا جائے۔ تاہم اے۔ ایس۔ پی سٹی نے کمرہ کھلوایا تو اندر سے سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر شیر افگن نیازی کے بھائی قربان نیازی' کھاریاں سے پیپلز پارٹی کے سابق ایم۔ پی۔ اے چودھری محمد صفدر' لاہور کی ایک عورت شاہین اور لاہور ہی کے دو افراد بھاٹی کے افضال اور راوی روڈ کے عبدالمجید کے ساتھ پینے پلانے میں مصروف تھے اور میز پر غیر ملکی شراب کی بوتلیں پڑی تھیں جبکہ سابق ایم۔ پی۔ اے عورت کے ساتھ بیٹھے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ اے۔ ایس۔ پی نے صفدر سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں تو اس نے دھمکی دی کہ تم پوچھنے والے کون ہوتے ہو۔ رات گئے شریف شہریوں کو تنگ کرنے آ گئے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ میں ڈی۔ آئی۔ جی میجر اکرم کا بڑا بھائی ہوں۔ میری حکومت معزول ہو چکی ہے۔ اگر اقتدار میں ہوتی تو تمہاری جرأت نہ تھی کہ ایسا قدم اٹھاتے۔ میں صبح تم سے نمٹ لوں گا۔ صفدر نے کہا یہ عورت میری 20 سال پرانی دوست ہے اور شادی شدہ ہے۔ یہ اپنے بچوں سے پوچھ کر مجھے ملنے کے لئے آئی ہے۔ جہاں تک شراب کا تعلق ہے' وہ میں نے پی رکھی ہے اور مجھے چڑھی بھی ہوئی ہے۔ یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہیں۔ پاکستان کے ہر شہری کو آزادی ہے کہ وہ جب چاہے سکون کی خاطر شراب پئے۔ صفدر نے اے۔ ایس۔ پی سے کہا کہ تم بہت بڑے باپ کے بیٹے پر ہاتھ ڈال رہے ہو' تم نہیں جانتے کہ میری دائیں طرف ڈاکٹر شیر افگن نیازی کا بھائی کھڑا ہے۔ اتنے بڑے لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کی سزا میں ضرور دلواؤں گا۔ ہوٹل کے کمرے میں شراب پینا اور لڑکی لانا کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ میری جان جگر ہے۔ ہم لوگ اسمبلیوں میں بیٹھ کر قانون سازی کرتے اور پھر تم جیسے افسر اس پر عملدرآمد کرتے ہیں مگر افسوس تم مجھ پر "یہ پریکٹس" دہرا رہے ہو۔ میں صوبائی اسمبلی کا معزز رکن ہوں اور "تگڑی" پارٹی کا بندہ ہوں۔ سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر شیر افگن نیازی کے بھائی قربان نیازی نے بتایا کہ ایم۔ پی۔ اے صاحب میرے دوست ہیں۔ کمرہ میں نے بک کرایا۔ میں جب کمرے میں آیا تو یہ عورت پہلے سے موجود تھی۔ قربان نیازی نے بتایا کہ شراب ہوٹل والے

فراہم کرتے ہیں اور اس کے لئے منہ مانگے دام وصول کئے جاتے ہیں۔ قربان نیازی نے بتایا کہ میں میانوالی میں ٹھیکیدار ہوں۔ میرا ایک بھائی عبدالحمید نیازی فیصل آباد میں ڈی۔ ایس۔ پی ہے جو اس وقت سرکٹ ہاؤس میں بیٹھا ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں نے آئندہ بھی الیکشن لڑنا ہے۔ میرا ڈی۔ ایس۔ پی بھائی اس کے لئے راہ ہموار کر رہا ہے۔ میرا ایک اور بھائی میانوالی میں پولیس انسپکٹر ہے جو وہاں شیر افگن نیازی کے الیکشن مہم کا انچارج ہوگا۔ پولیس نے کمرے سے شراب کی خالی اور بھری بوتلوں کے علاوہ کڑاہی گوشت' سیون اپ کی بوتلیں' برف اور گلاس بھی قبضے میں لے لئے۔

عورت شاہین فوٹو گرافر کو دیکھ کر چادر سے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کرتی رہی۔

پولیس نے ایک اور کمرے میں چھاپہ مارا تو کمرے کے باہر اسسٹنٹ کمشنر سرگودھا سرکاری کار نمبر ایس ٹی ایچ 312 کھڑی تھی۔ کمرے میں ایک شخص محمد اقبال ملک خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ پولیس نے کمرے سے شراب کی بوتلیں قبضے میں لیکر اسے جگایا تو اس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں اسسٹنٹ کمشنر سرگودھا بشیر خالد کا بھتیجا ہوں اور فیصل آباد ریجنسی ہوٹل کا مالک ہوں۔ پولیس نے اس شخص کو حراست میں لے کر شراب قبضے میں لے لی۔ اس کے بعد پولیس نے ایک اور کمرہ کھلوایا تو اندر سے بنیان اور شلوار پہنے ننگے پاؤں ایک معمر شخص نکلا جس نے بتایا کہ

میں اسسٹنٹ کمشنر سرگودھا ہوں اور حال ہی میں سرگودھا سے لاہور تبدیل ہو کر آیا ہوں اور کمرے میں میرے ساتھ میری فیملی ہے۔ جب اسسٹنٹ کمشنر سے سوال کیا گیا کہ آپ لاہور میں کسی سرکاری ریسٹ ہاؤس یا اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں کیوں نہیں ٹھہرے تو انہوں نے جھومتے ہوئے جواب دیا کہ میں لیٹ ہو گیا تھا اس لئے ہوٹل میں قیام کو ترجیح دی۔ ہوٹل پر پولیس کے چھاپے سے چند منٹ قبل تھانہ ٹبی سٹی کا ایس۔ ایچ۔ او نصرت ناگرہ مبینہ طور پر نکل گیا۔ تاہم اس کی گاڑی نمبر ایل۔ ایم 678 کی تصویر بنالی گئی۔ پولیس کے مطابق نصرت ناگرہ اپنے افسران بالا کو یہ کہہ کر تھانے سے نکلا تھا کہ میری بہن بیرون ملک سے آ رہی ہے اور اسے لینے کے لئے ایئرپورٹ جا رہا ہوں جبکہ تھانے میں فون کرنے پر محرر نے بتایا کہ صاحب گشت پر ہیں۔ جس جگہ گاڑی کھڑی تھی اس کے سامنے ایک کمرے کی تلاشی لی گئی تو وہاں

ملزم کو پولیس کی گاڑی میں بٹھا دیا۔ اس کے بعد پولیس نے گراؤنڈ فلور کے ایک کمرے پر چھاپہ مارنا چاہا تو ہوٹل کے ملازموں نے اصرار کیا کہ یہ کمرہ خالی ہے' اسے چیک نہ کیا جائے۔ تاہم اے۔ایس۔پی سٹی نے کمرہ کھلوایا تو اندر سے سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر شیر افگن نیازی کے بھائی قربان نیازی' کھاریاں سے پیپلز پارٹی کے سابق ایم۔پی۔اے چودھری محمد صفدر' لاہور کی ایک عورت شاہین اور لاہور ہی کے دو افراد بھائی کے افضال اور راوی روڈ کے عبدالمجید کے ساتھ پینے پلانے میں مصروف تھے اور میز پر غیر ملکی شراب کی بوتلیں پڑی تھیں جبکہ سابق ایم۔پی۔اے عورت کے ساتھ بیٹھے اٹھکیلیاں کر رہے تھے۔ اے۔ایس۔پی نے صفدر سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آئے ہیں تو اس نے دھمکی دی کہ تم پوچھنے والے کون ہوتے ہو۔ رات گئے شریف شہریوں کو تنگ کرنے آ گئے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ میں ڈی۔آئی۔جی میجر اکرم کا بڑا بھائی ہوں۔ میری حکومت معزول ہو چکی ہے۔ اگر اقتدار میں ہوتی تو تمہاری جرأت نہ تھی کہ ایسا قدم اٹھاتے۔ میں صبح تم سے نمٹ لوں گا۔ صفدر نے کہا یہ عورت میری 20 سال پرانی دوست ہے اور شادی شدہ ہے۔ یہ اپنے بچوں سے پوچھ کر مجھے ملنے کے لئے آئی ہے۔ جہاں تک شراب کا تعلق ہے' وہ میں نے پی رکھی ہے اور مجھے چڑھی بھی ہوئی ہے۔ یہ کوئی اتنا بڑا جرم نہیں۔ پاکستان کے ہر شہری کو آزادی ہے کہ وہ جب چاہے سکون کی خاطر شراب پئے۔ صفدر نے اے۔ایس۔پی سے کہا کہ تم بہت بڑے باپ کے بیٹے پر ہاتھ ڈال رہے ہو' تم نہیں جانتے کہ میری دائیں طرف ڈاکٹر شیر افگن نیازی کا بھائی کھڑا ہے۔ اتنے بڑے لوگوں پر ہاتھ ڈالنے کی سزا میں ضرور دلواؤں گا۔ ہوٹل کے کمرے میں شراب پینا اور لڑکی لانا کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ میری جان جگر ہے۔ ہم لوگ اسمبلیوں میں بیٹھ کر قانون سازی کرتے اور پھر تم جیسے افسر اس پر عملدرآمد کرتے ہیں مگر افسوس تم مجھ پر "یہ پریکٹس" دہرا رہے ہو۔ میں صوبائی اسمبلی کا معزز رکن ہوں اور "تگڑی" پارٹی کا بندہ ہو۔ سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر شیر افگن نیازی کے بھائی قربان نیازی نے بتایا کہ ایم۔پی۔اے صاحب میرے دوست ہیں۔ کمرہ میں نے بک کرایا۔ میں جب کمرے میں آیا تو یہ عورت پہلے سے موجود تھی۔ قربان نیازی نے بتایا کہ شراب ہوٹل والے

فراہم کرتے ہیں اور اس کے لئے منہ مانگے دام وصول کئے جاتے ہیں۔ قربان نیازی نے بتایا کہ میں میانوالی میں ٹھیکیدار ہوں۔ میرا ایک بھائی عبدالحمید نیازی فیصل آباد میں ڈی۔ایس۔پی ہے جو اس وقت سرکٹ ہاؤس میں بیٹھا ہے۔ کیونکہ ہم لوگوں نے آئندہ بھی الیکشن لڑنا ہے۔ میرا ڈی۔ایس۔پی بھائی اس کے لئے راہ ہموار کر رہا ہے۔ میرا ایک اور بھائی میانوالی میں پولیس انسپکٹر ہے جو وہاں شیر افگن نیازی کے الیکشن مہم کا انچارج ہوگا۔ پولیس نے کمرے سے شراب کی خالی اور بھری بوتلوں کے علاوہ کڑاہی گوشت' سیون اپ کی بوتلیں' برف اور گلاس بھی قبضے میں لے لئے۔ عورت شاہین فوٹو گرافر کو دیکھ کر چادر سے اپنا چہرہ چھپانے کی کوشش کرتی رہی۔ پولیس نے ایک اور کمرے میں چھاپہ مارا تو کمرے کے باہر اسسٹنٹ کمشنر سرگودھا سرکاری کار نمبر ایس جی ایچ 312 کھڑی تھی۔ کمرے میں ایک شخص محمد اقبال ملک خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ پولیس نے کمرے سے شراب کی بوتلیں قبضے میں لیکر اسے جگایا تو اس نے دریافت کرنے پر بتایا کہ میں اسسٹنٹ کمشنر سرگودھا بشیر خالد کا بھتیجا ہوں اور فیصل آباد ریجنسی ہوٹل کا مالک ہوں۔ پولیس نے اس شخص کو حراست میں لے کر شراب قبضے میں لے لی۔ اس کے بعد پولیس نے ایک اور کمرہ کھلوایا تو اندر سے بنیان اور شلوار پہنے ننگے پاؤں ایک معمر شخص نکلا جس نے بتایا کہ

میں اسسٹنٹ کمشنر سرگودھا ہوں اور حال ہی میں سرگودھا سے لاہور تبدیل ہو کر آیا ہوں اور کمرے میں میرے ساتھ میری فیملی ہے۔ جب اسسٹنٹ کمشنر سے سوال کیا گیا کہ آپ لاہور میں کسی سرکاری ریسٹ ہاؤس یا اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں کیوں نہیں ٹھہرے تو انہوں نے جھومتے ہوئے جواب دیا کہ میں لیٹ ہو گیا تھا اس لئے ہوٹل میں قیام کو ترجیح دی۔ ہوٹل پر پولیس کے چھاپے سے چند منٹ قبل تھانہ ٹبی سٹی کا ایس۔ایچ۔او نصرت تارڑ مبینہ طور پر نکل گیا۔ تاہم اس کی گاڑی نمبر ایل۔ایم 678 کی تصویر بنالی گئی۔ پولیس کے مطابق نصرت تارڑ اپنے افسران بالا کو یہ کہہ کر تھانے سے نکلا تھا کہ میری بہن بیرون ملک سے آ رہی ہے اور اسے لینے کے لئے ایئرپورٹ جا رہا ہوں جبکہ تھانے میں فون کرنے پر محرر نے بتایا کہ صاحب گشت پر ہیں۔ جس جگہ گاڑی کھڑی تھی اس کے سامنے ایک کمرے کی تلاشی لی گئی تو وہاں

سے شراب کی خالی بوتلیں، جلے ہوئے سگریٹوں کے ٹکڑے اور دیگر سامان برآمد ہوا۔ پولیس افسران نے امکان ظاہر کیا کہ اس کمرے میں نصرت ناگرہ اور دیگر لوگ موجود تھے جو چھاپے سے قبل بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔

○ "بلور خاندان" صوبہ سرحد کا معروف سیاسی گھرانہ ہے۔ سیکولر ازم ان میں سرایت کیا ہوا ہے۔ غلام احمد بلور کھرب پتی بن گئے لیکن وہ ابھی تک سیکولر ازم کی سوچ سے دستبردار نہیں ہوئے۔ پشاور میں ان کے متعدد سینماؤں میں "بلیو پرنٹ" فلمیں چلتی ہیں۔ جس پر انتظامیہ کوئی پابندی اس لئے نہیں لگاتی کہ وہ اسمبلی میں شور مچائیں گے۔ ان کے سینماؤں میں "ہاؤس فل" ہوتا ہے۔ انتظامیہ کو بھی اس میں سے حصہ ملتا ہوگا۔ بعض اعلیٰ سرکاری افسر خود بھی "ٹوٹے" دیکھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ حاجی غلام احمد بلور "بلیو پرنٹ" فلمیں چلا کر بہت سے مفاد حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی سمگلنگ کی راہ میں روڑہ بننے والے سرکاری افسران بھی خوش ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی محبوباؤں کے ساتھ یہاں آتے ہیں اور خوب رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اس طرح کاروباری فائدہ بھی ہوتا ہے اور سیاسی عیاشی بھی۔ سینما میں کال گرلز کو لے جا کر "بلیو پرنٹ" دیکھتے اور اپنی مرغوب غذا کھاتے ہیں۔

○ سابق وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نومبر 94ء میں جب برطانیہ کے دورے پر گئیں تو پاکستانی ہائی کمیشن کے ڈپٹی ہائی کمشنر معین جان مقیم نے سرکاری طور پر کرائے پر لئے گئے موبائل ٹیلیفون پر "سیکس ٹاک" کرتے ہوئے قوم کے ہزاروں روپے اڑا دیئے۔ "خبریں" کو ملنے والی رپورٹ کے مطابق محترمہ بے نظیر بھٹو کے دورہ برطانیہ کے موقع پر پاکستانی ہائی کمیشن نے اپنے تمام کارکنوں سے ہر وقت ایک دوسرے سے رابطہ میں رہنے کے لئے کچھ موبائل ٹیلیفون کرائے پر لئے۔ آدم فونز 5 ڈالفن سکوائر ایڈنسر روڈ لندن سے کرائے پر لیا گیا۔ موبائل فون نمبر 0831.695692 پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر معین جان مقیم کے پاس تھا۔ 27 نومبر 94ء سے 4 دسمبر 94 تک کے مختصر عرصہ میں اس فون کا بل 417.74 پاؤنڈ آیا جو پاکستانی روپوں میں تقریباً 30 ہزار روپے بنتے ہیں۔ برطانیہ میں فون پر سیکس ٹاک کرنے کے لئے مخصوص ٹیلیفون نمبر ہوتے ہیں۔ پاکستان کے ڈپٹی ہائی کمشنر معین جان

مقیم نے 8 دنوں کے دوران "سیکس ٹاکز" نمبر 0891805080 اور 0891194090 پر 176,176 یونٹس کی لمبی ٹیلیفون کالیں کیں۔ انہوں نے اکثر سیکس کالیں رات کے پچھلے پہر کیں۔

○ 12 اکتوبر 1997ء کو کلفٹن کے فیشن ایبل علاقہ میں مشہور و معروف پیزا ہٹ پر با اثر حکمران خاندان کے نوعمر بچے جن کی عمریں بمشکل بارہ سے چودہ سال کے درمیان تھیں جس انداز سے کلاشنکوف رائفلیں لہرا رہے تھے اس سے ان کی پشت پناہی کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ ساڑھے چار بجے کا وقت تھا "پیزا ہٹ" ریسٹورنٹ پر رش تھا اچانک ایک کم عمر نوجوان اپنی گاڑی سے کلاشنکوف رائفل نکال کر کھڑا ہو گیا۔ وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ "میں اسے نہیں چھوڑوں گا مار دوں گا" اس کے کچھ ساتھی اسے روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر یہ کم عمر نوجوان غصہ سے بے قابو تھا۔ اس دوران ریسٹورنٹ میں بیٹھی ہوئی دس پندرہ لڑکیاں بھی باہر آگئیں تمام لڑکیاں جن کی عمریں بارہ سے سترہ سال کے درمیان تھیں جینز کی بلیک پینٹ اور بلیک ٹی شرٹیں زیب تن کئے تھیں ان میں سے کچھ اپنے بپھرے ہوئے نوعمر بوائے فرینڈز کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ کچھ خوف کے عالم میں واپس جانے کے لئے بے قرار تھیں۔ اچانک پولیس کی چھ سات موبائلیں وہاں پہنچ گئیں۔ کچھ سپاہیوں نے صورت حال کی سنگینی کو محسوس کرتے ہوئے اپنی رائفلیں لوڈ کر لیں جس پر مسلح نوجوان مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے پولیس کے سپاہیوں کو گالیاں دیتے ہوئے کہا کہ ہم تمہیں اسے گرفتار کر لو۔ نوجوان نے کلفٹن تھانے کے سب انسپکٹر سے تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ "میں اعجاز جتوئی کا بیٹا ہوں جبکہ دوسرے نوعمر لڑکے نے اپنے آپ کو وزیراعلیٰ سندھ لیاقت جتوئی کا بیٹا ظاہر کیا' وزیراعلیٰ ہاؤس کے ذرائع" جھگڑے اور اعجاز جتوئی کے چھوٹے صاحبزادے کی وہاں موجودگی کی تصدیق کرتے ہیں لیکن ذرائع کا کہنا ہے کہ وزیراعلیٰ سندھ کے صاحبزادے اس جھگڑے میں موجود نہیں تھے' تاہم ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ جھگڑے میں اعجاز جتوئی کے صاحبزادے کے ساتھ خود کو اتنے وثوق سے وزیراعلیٰ سندھ کا بیٹا بتانے والا نوجوان

کون تھا اور پولیس ان دونوں نوجوانوں کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ پولیس کے جائے وقوع پر پہنچتے ہی اعجاز جتوئی کے بیٹے اور دوسروں نے انہیں اپنے مخالف گروپ کے نوجوانوں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ وہ جس لڑکے کی جانب اشارہ کرتے پولیس اسے موبائل میں بیٹھا دیتی تھی۔ سب انسپکٹر عرفان نے ٹریفک بلاک ہونے کی وجہ سے اعجاز جتوئی کے بیٹے سے سفید رنگ کی لینڈ کروزر نمبر AFX-67 ہٹانے کی درخواست کی تو اس نے نہایت رعونت سے سب انسپکٹر اور پولیس اہلکاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "اگر تم لوگوں نے زیادہ باتیں کیں تو میں اپنے تایا وزیر اعلیٰ سندھ سے کہہ کر تمہاری نوکری ختم کروا دوں گا۔" اس دوران دس گیارہ سال کے دو لڑکوں نے اپنے مخالف گروپ کے ایک لڑکے کو فحش گالیاں دیتے ہوئے زدو کوب کرنے کی کوشش کی اور جب پولیس اہلکاروں نے مداخلت کی تو بااثر شخصیات کی کم عمر اولادوں نے انہیں بھی دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ اعجاز جتوئی کے بیٹے کے وہاں سے روانہ ہونے کے بعد اس لڑائی کا پس منظر جاننے کی کوشش کی گئی تو معلوم ہوا کہ لیاقت جتوئی یا اعجاز جتوئی کسی ایک کے بیٹے کی گرل فرینڈ مخالف گروپ کے ساتھ "ہیرا ہٹ" پر آئی تھی جب یہ بات جتوئی صاحبزادگان کے علم میں آئی تو وہ مسلح ہو کر "ہیرا ہٹ" آئے اور کسی بھی بہانے مخالف گروپ سے الجھ پڑے۔ اس دوران گاڑی نمبر 6515- زیڈ میں جو مسز لبنیٰ ڈوسا کے نام ہے دو لڑکے اور دو لڑکیاں بیٹھ کر قریبی ریسٹورنٹ میں چلے گئے جبکہ گاڑی نمبر 2214 اے۔ بی جو شاہد زبول اور گاڑی نمبر 2211- اے۔ بی جو مسز صاحب جان بدر کے نام پر ہیں لڑکے لڑکیوں کے گروپ بیٹھ کر وہاں سے چلے گئے۔ جبکہ سب سے آخر میں روانہ ہونے والی نسان پیٹرول جیپ جس کا نمبر 9999- بی۔ اے تھا جو سردار ہمایوں کے نام پر ہے لڑکے لڑکیوں کا گروپ روانہ ہوا۔ اس گاڑی میں سوار ہوتے وقت ایک لڑکی نے سگریٹ کا پیکٹ اور موبائل فون گاڑی کی سیٹ پر پھینکتے ہوئے نہایت غصے کے عالم میں کہا کہ "سارا پروگرام اپ سیٹ ہو گیا۔"

اس واقعے کے بعد کلفٹن تھانہ رابطہ کر کے اس جھگڑے اور وزیر اعلیٰ کے بیٹے اور بھتیجے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو ڈیوٹی پر موجود ایک پولیس اہلکار نے

صرف اتنا کہا کہ جب آپ سب کچھ وہاں کھڑے ہو کر دیکھ چکے ہیں تو ہم سے دریافت کر کے زخموں پر نمک پاشی کرنے سے کیا فائدہ۔ آن دی ریکارڈ تھانہ کے ریکارڈ پر ایسے کسی واقعہ کی اطلاع نہیں ہے۔

○ 27 اپریل 1998ء لڑکیوں کو بے آبرو کرنے اور بلیک میل کرنے والا وی۔ سی۔ آر ہاؤس کا مالک خرم جرال رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا گیا۔ پیپلز پارٹی ضلع میرپور کی صدر انجم نبی جرال کا۔ کا بھائی خرم جرال عرصہ دراز سے بڑے پیمانے پر بلیو فلموں کا کاروبار کر رہا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ انتظامیہ کے اعلیٰ افسران کو بھی فلمیں سپلائی کرتا تھا اس لئے اسے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ گزشتہ روز عوامی شکایات کے پیش نظر ایس۔ ایس۔ پی صابر حسین کی خصوصی ہدایات پر تھانہ تھوتھال کے ایس۔ ایچ۔ او راجہ عرفان سلیم اور اے۔ ایس۔ آئی محمد شبیر نے پولیس نفری کے ہمراہ کامیاب چھاپہ مار کر اسے گرفتار کر لیا اور اس کے قبضہ سے فحش فلمیں برآمد کر لیں۔ یہ فلمیں مختلف شریف گھرانوں سے تعلق رکھنے والی بے راہ روی کا شکار کم عمر لڑکیوں کی بنائی گئیں تھیں۔ ملزم نے دوران تفتیش کئی انکشافات بھی کئے ہیں۔ پولیس نے چند اہم دستاویزات بھی برآمد کر لی ہیں جبکہ گروہ کے دیگر افراد کی گرفتاری کے لئے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ فیصل آباد نرس کیس کے منظر عام پر آنے کے بعد خرم جرال نے غازی الٰہی بخش گورنمنٹ کالج میرپور کی ایک طالبہ کو بلیک میل کیا اس کی عریاں فلم بنا کر اس کے ذریعہ دیگر شریف خاندانوں کی بچیوں کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا مگر لوگ اپنی عزت چھپانے کے لئے اس مکروہ راز پر پردہ ڈالتے رہے اور اس بات کا ناجائز فائدہ اٹھا کر خرم جرال نجی مجلسوں میں یہ کہتا ہوا پایا گیا کہ میں "پرنس" ہوں اور میرپور کی شہزادیاں مجھ پر مرتی ہیں۔ ملزم نے کئی خاندانوں کی عزتوں کے چراغ گل کئے۔ اس نے کچھ عرصہ پہلے میرپور کے ایک انتہائی بااثر' خاندان کی بیٹی کو ورغلا کر اپنے دام محبت میں گرفتار کیا اور اس سے نکاح کا ناٹک رچایا' لڑکی کے گھر والوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے رازداری سے ایدھی ویلفیئر کے میرپور میں موجود ذمہ داروں اور بعض وکلاء سے رابطہ کیا جن کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں طلاق حاصل کی گئی مگر بھیڑیا صفت

خرم اس پر بھی باز نہ آیا اور اس نے شریف خاندان کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ مذکورہ لڑکی نے بتایا کہ میں اس ذلیل شخص کی فریب کاری کو محبت سمجھ کر اس کے جال میں پھنس گئی تھی اور نکاح کر لیا مگر قریب ہونے کے بعد مجھ پر یہ راز کھلا کہ جو شخص اپنی بہنوں تک سے اس قدر "فری" ہے وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے بعد میں دھندہ کرانے کا سوچ رہا تھا اس لئے میں اس کے جال سے نکلنے کا فیصلہ کیا۔ خرم جرال کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ وہ جعلی کیپٹن بن کر بعض شریف لڑکیوں کو فون پر تنگ بھی کرتا رہا ہے اور اس سلسلہ میں گزشتہ دنوں ایک بااثر شخص نے اسے کان پکڑوا کر دوستوں کے ہمراہ چھترول کی تھی۔

○ 25 دسمبر 1995ء کو اسلام آباد میں پولیس نے فحاشی کے ایک اڈے پر چھاپہ مارا تو وہاں سے دو عورتیں دو مرد اور شراب کی دو بوتلیں برآمد ہوئیں۔ اس علاقہ کے لوگوں نے بتایا کہ اڈہ پر اکثر سرکاری افسران، سرکاری محکموں اور ایم۔این۔اے حضرات کی گاڑیاں آیا کرتی تھیں۔ اس لئے لوگوں کو بھی اس اڈہ کی نشاندہی کی جرات نہیں ہوئی۔ اس اڈہ پر چھاپے کے نتیجہ میں جو کردار سامنے آئے ان کی اپنی زندگی کی ایک کہانی ہے۔ ایک کردار سترہ سالہ خوبرو دوشیزہ "نادیہ" ہے جو اس لئے عصمت فروشی کا دھندہ کرتی رہی کہ اس کی معصوم بچی "کائنات" پیدا ہو چکی تھی۔ ہر صاحب اولاد کو نادیہ سے ہمدردی ہونی چاہئے۔ لیکن اسے اپنی بچی کائنات کی خاطر دنیا و آخرت کی کائنات تباہ کرنے کا کوئی حق نہیں دیا جا سکتا۔ تصویر کا دوسرا رخ دیکھا جائے تو اس کے شوہر بابر نے ایک تاریک باب سے پردہ اٹھایا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ "نادیہ" اس کی بیوی بن کر نہیں رہنا چاہتی کیونکہ وہ ایم۔این۔اے ہاسٹل میں ایک "مخدوم صاحب" کے چکر میں گرفتار ہے۔ وہ "مخدوم صاحب" کے بستر تک کیسے پہنچی یہ الگ داستان ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ پولیس نے بااثر افراد کی مداخلت پر فحاشی اور عیاشی کے الزام میں گرفتار تین مردوں اور دو خواتین کو جیل بھیج دیا ہے۔ تاکہ اخبار نویسوں اور اس ملک کے باشندوں کو مزید مخدوموں یا مخدوم زادوں کا پتہ نہ چل سکے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ بابر کے تعلقات خیابان سرسید میں

قائم ایک اڈے پر "آبرو" بیچنے والی ساحرہ سے تعلقات ہیں اور وہ اپنی محبوبہ سمیت غائب ہے۔ اب بابر بھی نادیہ کو اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا لیکن نادیہ اور ساحرہ کو چلانے والیاں اپنے مفادات قربان نہیں کر سکتی ہیں۔ اس لئے وہ دونوں کی راہ میں حائل ہیں۔ دونوں اڈہ چلاتی ہیں۔ بابر بھی دلال ہے اس طرح گزشتہ دنوں لاہور پولیس نے فحاشی کے اڈے پر چھاپہ مار کر کچھ خوبرو لڑکیوں کو گرفتار کیا تھا جو نسیم بالی نامی ایک عورت کے ایک اڈے پر بکی تھیں۔ ان کے بارے میں بھی یہ اطلاع ملی کہ انہیں بااثر لوگوں کی سرپرستی حاصل ہے۔ ان کے گھر پر بھی اراکین اسمبلی اور سرکاری افسران کی آمد و رفت رہتی تھی۔

○ 18 مارچ 1998ء مسلم لیگ ہاؤس میں بلدیاتی ٹکٹوں کی تقسیم کے لئے بلائے گئے اجلاس میں لیگی کارکن ایس۔ایچ۔او ٹی سی سید مستحسن علی شاہ کے تبادلے کا مطالبہ کرتے رہے۔ امیدواروں کے انٹرویو ہو رہے تھے کہ لیگی کارکنوں نے شکایت کی۔ ایس۔ایچ۔او نے بازار حسن میں نہایت سختی کر رکھی ہے۔ گاڑیاں اندر نہیں جانے دی جاتیں۔ کارکنوں نے تھانیدار کے خلاف شکایتوں کے انبار لگا دیئے اور قرارداد بھی پیش کی تاہم قائدین نے انہیں خاموش رہنے کو کہا ایک ایم۔پی۔اے نے کہا "آپ کو وہاں جانے کی کیا ضرورت ہے؟"



آزاد کشمیر

آزاد کشمیر' وادی' لہو لہو' کا وہ حصہ ہے۔ جو آزادی کی نعمت لئے ہوئے ہے۔ جب کہ ان کے بھائی مقبوضہ کشمیر میں اپنی عزتوں اور لہو کی قربانی دے رہے ہیں۔ مگر آزاد کشمیر کے حکمران اپنے بھائیوں کی مدد کرنے کی بجائے مادر پدر آزاد ہوگئے ہیں۔ اسلام آباد میں موجود کشمیر ہاؤس ان کی رنگینیوں اور عیاشیوں کا گواہ ہے۔ جہاں عزتوں کے رکھوالے عزتیں لوٹتے ہیں اور جام و جوانی کے مزے لیتے ہیں۔ 12 اکتوبر 1999ء کو ایک اطلاع کے مطابق اسلام آباد پولیس نے فیض آباد کے پاس ایک گاڑی کو روکا جس میں انہوں نے قیمتی شراب کی 27 بوتلیں پکڑیں' اور ملزمان کو تھانے لے گئے۔ جس پر کشمیر کی ایک بااثر شخصیت نے فون کیا کہ یہ ہمارا مال ہے اس پر ایس۔پی۔ اپنی نگرانی میں شراب مع ملزمان کے باعزت طور پر کشمیر ہاؤس میں چھوڑ آئے۔

سردار عبدالقیوم کے دور حکومت میں ان کے بیٹے اور ان کے سیاسی جانشین سردار عتیق الرحمن کی کشمیر ہاؤس میں رنگ رلیوں کی داستانیں اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔ جس کی وجہ سے بعد ازاں انہیں انتخابات میں شرمناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

یہ صورت حال صرف ان تک محدود نہیں' اسلام آباد کے جریدے ہفت روزہ "حرمت" نے ایک سنسنی خیز رپورٹ آزاد کشمیر کے وزیراعظم سلطان محمود چودھری کے بارے میں شائع کی۔ رپورٹ کا آغاز یوں ہوتا ہے۔

"مجھ سے بڑا کنجر کوئی نہیں ہے اگر کوئی ہے تو میرے مقابلے میں ڈانس کرکے دکھائے۔ تابندہ بھی اس میدان میں نووارد ہے۔ کشمیر ہاؤس' نواز شریف کے باپ کا نہیں۔ میں کشمیر کا وزیراعظم ہوں جو چاہوں کروں کوئی مجھے نہیں روک سکتا جو لوگ میری پشت پر ہیں نواز شریف ان کی ہوا سے بھی بھاگتا ہے۔"

یہ وہ الفاظ ہیں جو سلطان ذی وقار نے اپنی شراب و کباب کی ان محفلوں میں کہے جس کی روداد عصمتوں کی بھینٹ چڑھنے والی لڑکیوں نے جریدے کے دفاتر میں آکر بیان کی۔ معاصر کے مطابق ان لڑکیوں نے بتایا کہ وہ آئی نائن اسلام آباد کی ایک بسکٹ فیکٹری میں کام کرتی تھیں جہاں تقریباً 400 دیگر لڑکیاں بھی ملازم تھیں لڑکیاں جو سپروائزر اور نائٹ شفٹ انچارج تھیں اور اس میں شک نہیں کہ وہ حسن و جمال میں اپنی دیگر ساتھیوں میں یکتا تھیں لیکن انہوں نے ہمیشہ محنت کی عظمت کو ہی مقدم جانا اور اسی اصول کے تابع وہ فیکٹری میں کام کر رہی تھیں۔ اس بسکٹ فیکٹری کا ڈائریکٹر طارق مسعود نامی شخص ہے جس کا بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے بڑا گہرا دوستانہ ہے۔ وہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری کی طرح شراب و شباب اور حسن و شباب کا رسیا ہے اس کی اس قسم کی حرکات نے بسکٹ فیکٹری کا دیوالیہ کردیا۔ کارکن بے روزگار ہوگئے' فیکٹری بند ہوگئی' ہم لوگ گھروں کو چلے گئے۔

ایک دن بیرسٹر سلطان محمود چودھری کا سیکرٹری ایاز اور ڈرائیور ارشد اس کے پاس آیا اور کہا کہ تمہیں آزاد کشمیر گورنمنٹ میں سرکاری نوکری دی جارہی ہے وزیراعظم سے ملنے چلو۔ اس نے کہا کہ ہرچند کہ میں آپ لوگوں کو جانتی ہوں آپ پہلے بھی فیکٹری میں آتے رہتے تھے لیکن اس طرح آپ کے ساتھ چلنے کو تیار نہیں ہوں۔ اگلے دن وہ جمیلہ آنٹی نامی خاتون کو ساتھ لے کر آگئے جو بسکٹ فیکٹری میں ہی کام کرتی تھی اور طارق مسعود کے اعتماد کی عورت تھی اس نے آکر کہا کہ جب روزگار کے دروازے تم پر کھل رہے ہیں اور لکشمی دیوی تمہارے گھر چل کر آئی ہے تو پھر تم کیوں کفران نعمت کر رہی ہو اٹھو اسی وقت چلو اور وزیراعظم سے جاکر ملو پھر میں ان کے ساتھ جمیلہ آنٹی کے ہمراہ اسلام آباد کی کوٹھی نمبر 282 گلی نمبر 3 الیف۔ ٹن 3 میں گئی جہاں وزیراعظم بیرسٹر سلطان محمود چودھری میرے منتظر تھے

انہوں نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ تم عجیب لڑکی ہو تمہیں اپنے مستقبل کی ذرا پروا نہیں۔ مجھے ارشد اور ایاز نے بتایا کہ تم بے روزگاری کے ہاتھوں بری طرح تنگ دستی کا شکار ہو چکی ہو۔ مجھے تمہاری صلاحیتوں کا اعتراف ہے لہٰذا اپنے علاوہ دوسری سہیلی جو نائٹ شفٹ سپروائزر تھی اسے بھی لے آؤ تاکہ تم دونوں کا کیس ایک ساتھ منظور کیا جائے۔ میں حالات کے ہاتھوں تنگ ان کی باتوں میں آگئی میں اسے مسیحا سمجھ بیٹھی۔ میں سمجھ رہی تھی کہ کشمیر کی آزادی اور اس کی تحریک میں لٹنے والی عصمتوں کا بھرم رکھنے والا وزیراعظم کتنا بڑا اور شفیق ہے جس نے مجھ جیسی بے سہارا کو روزگار دینے کے لئے کتنا تردد کیا۔ میں اگلے دن وقت مقررہ پر اپنی دوسری ساتھی کو لے کر ارشد کے ہمراہ اسی جگہ پہنچی جس کا ذکر پہلے کر چکی ہوں تو ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا جہاں وزیراعظم آزاد کشمیر بیرسٹر سلطان محمود کی تصویریں آویزاں تھیں۔ ایک تصویر میں اس کے ہاتھ میں تسبیح پکڑی تھی دوسری تصویر میں وہ جائے نماز پر سجدہ ریز تھا ایک اور تصویر میں بے نظیر کے ساتھ براجمان تھا' چند غیرملکیوں کی تصویریں ڈرائنگ روم میں تھیں ڈرائنگ روم کے کونے پر غلاف میں لپٹا قرآن پاک بھی موجود تھا۔ قرآنی آیات پر مشتمل قالین بھی دیوار پر آویزاں تھے۔ ایسا لگا جیسے ہم بہت بڑے صوفی کی بیٹھک میں آ گئے ہیں۔ ہم دونوں بے روزگار سہیلیاں ابھی ان خیالات میں کھوئی بیرسٹر سلطان محمود چودھری کو دیوتا سمجھ کر ان کے بارے میں ایک تصوراتی خاکہ بنا رہی تھیں کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری کمرے میں داخل ہوئے ہم احتراماً کھڑی ہو گئیں انہوں نے کہا کہ نہیں آپ بیٹھیں آپ دونوں بہادر لڑکیاں ہیں۔ پختون ہونے کے ناطے آپ جراتوں اور ہمتوں کی داستانیں ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈرائیور ارشد 3 گلاس شربت لے کر آ گیا ایک بیرسٹر سلطان محمود چودھری کو' دو ہمیں دے دیئے گئے ہم نے گھونٹ بھرا تو وہ شربت کڑوا تھا ہم نے کہا کہ ہم یہ نہیں پییں گی جس پر انہوں نے کہا دراصل یہ پیپسی ہے جو اونچی محفلوں میں پی جاتی ہے۔ وزیراعظم سے کم تر مرتبے کا آدمی اسے افورڈ نہیں کر سکتا۔ تم خوش قسمت ہو کہ وہی پی رہی ہو جو شاہوں کی محفلوں میں پیا جاتا ہے انکار مت کرو۔ بیرسٹر سلطان محمود چوہدری نے ارشد سے کہا کہ جب یہ پیپسی پی چکیں ان کی فائلیں

کمرے میں لاؤ تاکہ ان کی پریشانیاں دور کریں۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے اٹھ کر چلے جانے کے بعد ڈرائیور ارشد کہنے لگا کہ تم کتنی خوش نصیب ہو کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے تمہارے لئے صرف نوکری کا سامان نہیں کیا بلکہ کتنی چاہت سے تمہیں پیپسی پینے کو کہا' پھر ارشد نے بھی اپنا معذرت خواہانہ انداز اپناتے ہوئے کہا کہ پیو تاکہ تمہارے کیس ان تک پہنچادوں پھر ہم نے کڑوا گھونٹ نگل لیا اس وقت شام کے چھ بجے تھے جب ہماری آنکھ کھلی تو رات کے گیارہ بج چکے تھی پیپسی کی آڑ میں وسکی کے جام ہم انڈیل چکی تھیں جب حواس ہمارے قابو نہ رہے تو بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے کارندوں نے ہمیں بے لباس کر دیا ہماری ویڈیو فلم بنائی گئی' تصویریں کھینچی گئیں اور جب ہم ہوش میں آئیں تو کمرے میں موجود ٹیلی ویژن پر فلم چلا کر دکھائی گئی پھر پولرائیڈ کیمرے سے بنائی گئی تصویریں ہمیں دکھائی گئیں اس کے ساتھ ہی کمرے میں رکھا ہوا قرآن بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے باری باری ہمارے سر پر رکھ کر کہا کہ آج کی ملاقات کا ذکر کسی سے نہ کرنا اسی میں تمہاری بہتری ہے۔

ہم جب برباد ہو چکیں ہماری عصمتوں بھرا آنگن لٹ گیا' ہم بوجھل قدموں سے گھر کی طرف نکلیں تو ارشد ہمارے راستے میں آ کھڑا ہوا اور کہا کہ میں تم لوگوں کو گھر اتار دیتا ہوں۔ ہم نے اس سے کہا کہ ارشد تم پر خدا کی لعنت' ہم محنت کار لوگ تھے ہمیں تو نے بدکار بنا دیا۔ وہ کہنے لگا کہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ تمہارے ساتھ غنودگی کے عالم میں کوئی بے ہودگی نہیں کی گئی صرف تصویریں بنائی گئی ہیں۔ ہم نے اس سے پوچھا کہ اس سارے کھیل کی کیا ضرورت تھی ہم اتنے بااثر لوگ نہیں تھے پھر کس چیز کا انتقام لیا گیا تو گاڑی میں موجود بیرسٹر سلطان محمود چودھری کا سیکرٹری ایاز بول اٹھا کہ تم دونوں جب کسی لڑکی کو بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے فری نہیں ہونے دیتی تھیں تو انہیں اس بات کا رنج پہنچتا تھا انہوں نے وہ بات ذہن نشین کر لی تھی۔ میں بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے کہوں گا وہ تمہیں تمہاری تصویریں اور ویڈیو واپس کر دیں گے۔ وہ جیب کی طرح دل کے بھی غنی ہیں اس طرح چند دنوں بعد اس امید پر ارشد ہمیں ساتھ لے کر چلا گیا کہ ہمیں تصویریں واپس کر دے گا وہ ہمیں

ایف ٹن 3 والی اسی کوٹھی میں لے گیا تو بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے مجھے دیکھتے ہی کہا کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں شکیلہ نامی اس لڑکی نے بیرسٹر سلطان محمود چودھری سے گزارش کی کہ آپ ہوش میں نہیں ہیں میں آپ سے تصویریں لینے آئی ہوں عمر بھر کا نبھاہ کرنے نہیں۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے اپنے ڈرائیور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ جاؤ جاؤ مولوی پکڑ لاؤ اور اسے کشمیر ہاؤس لے جاؤ وہاں ہم نے نکاح کرنا ہے۔ میں نے اس کی منت سماجت کی کہ کل آ جاؤں گی۔ آپ ہوش میں نہیں ہیں۔ یوں میں وہاں سے بھاگ نکلی ایاز نے پیچھا کیا لیکن میں ٹیکسی کار میں بیٹھ کر گھر پہنچ گئی۔ چند دنوں بعد میں دوسری ساتھی شہلا کو ساتھ لے کر بیرسٹر سلطان محمود چودھری کے وعدے کے مطابق تصویریں لینے گئی تو اس نے کہا کہ تصویریں وغیرہ نہیں ملیں گی میرے دوستوں کو خوش رکھو جن سے میں نے کام نکلوانے ہوتے ہیں۔ شہلا اور شکیلہ دونوں نے یک زبان کہا کہ بیرسٹر سلطان محمود چودھری ڈانس تو بہت اچھا کر لیتا ہے مگر اس وقت بڑا بے ہودہ نظر آتا ہے جب بے لباس ہو کر ناچتا ہے۔

ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ایک دفعہ وہ ہمیں کشمیر ہاؤس لے گیا۔ بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ہم دونوں کو دائیں بائیں بٹھا لیا۔ کشمیر ہاؤس میں داخلے کے جواز پر بیرسٹر سلطان محمود چودھری نے ترنگ میں آ کر کہا کہ میں کشمیر کا وزیراعظم ہوں' کشمیر ہاؤس میرا ہے۔ نواز شریف کے باپ کا نہیں۔ یوں تصویروں کے مطالبے کی آڑ میں ہم کئی بار کشمیر ہاؤس گئیں کئی دفعہ گاڑی کی ڈگی میں بٹھا کر لے جایا گیا اور ہمیں وہاں بیرسٹر سلطان کے دوستوں کا دل بہلانے کے دوزخ میں جھونک دیا جاتا۔ اکثر ڈانس کی محفلوں میں فلم ڈانسر تابندہ بھی بیرسٹر سلطان کے ساتھ محو رقص ہوتی جو ٹی۔وی سیریل [illegible] میں کام کرتی رہی ہے۔ ہم اپنے گھر والوں سے بھی ذکر کرنے سے خوف زدہ تھیں۔ معاشرہ اور حالات بھی ہمیں اجازت نہیں دیتے تھے کہ اپنے لٹنے کی داستان سنا سکیں۔ عرصہ تک مختلف اخبارات کے ایڈیٹرز کو ٹیلی فون کئے بعض دفعہ کئی ایک کے پاس گئیں لیکن ہماری شکایت کو کم اور جسموں پر نظریں زیادہ جا ٹھہرتیں۔

وہ دونوں جب یہ داستان سنا چکی تھیں تو ان کے چہرے مارے شرم کے زمین ناپنے میں لگے ہوئے تھے ان دونوں نے بیرسٹر سلطان سے آخری ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ 13 دسمبر 1998ء کی ایک سرد شام تھی جب بیرسٹر سلطان کا سیکرٹری ایاز اور ڈرائیور ارشد ہمارے پاس آئے اور کہا کہ بیرسٹر سلطان نے طلب کیا ہے کہ آپ آئیں اور تصویریں لے جائیں۔ ہم اس کے ساتھ چلی گئیں۔ وہ مکان نمبر A-273 گلی نمبر 40 ایف۔ ٹن 4 میں ہمیں لے گئے وہاں بیرسٹر سلطان کے علاوہ برطانیہ سے آئے ہوئے اس کے دوست چودھری حمید اور ایک اخبار نویس توصیف احمد بھی موجود تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی انہوں نے کہا کہ وہ آ گئیں جن کا انتظار تھا۔ پھر اس کے ساتھ ہی بیرسٹر سلطان نے کہا کہ آپ لوگ گپ شپ لگائیں میں آپ کے لئے مرغا پکاتا ہوں۔ بیرسٹر سلطان اس گھر میں موجود کچن میں مرغا پکانے چلے گئے۔ ایک بار ہاتھ میں چمچہ اٹھائے ڈرائنگ روم تک آیا اور کہا کہ ابھی تک آپ نے باقاعدہ گپ شپ شروع نہیں کی اور پھر اونچی آواز میں ڈیک لگا کر اچھلتا کودتا کچن کی طرف چلا گیا جبکہ شکیلہ' توصیف احمد کے پاس بیٹھی رہی۔ توصیف نے جب شکیلہ سے فرینک ہونے کی کوشش کی تو اس نے جھٹک دیا جس پر توصیف نے کہا کہ میں بیرسٹر سلطان کا دوست بھی ہوں اور مہمان بھی اور اس کے مہمانوں کا خیال نہ رکھنے والے لوگ گھاٹے میں رہتے ہیں تم نے میرا ہاتھ جھٹک کر اچھا نہیں کیا۔ ہم دونوں کے درمیان جب تو تکار بڑھی تو ڈیک کی آواز میں ہماری دیگر آوازیں بھی دب کر رہ گئیں کہ اچانک ارشد کمرے میں داخل ہوا اور بیرسٹر سلطان کو صورت حال سے آگاہ کیا تو اس نے آ کر کہا بے وقوف مت ہو اٹھو اور ناچو اس نے ساتھ والے دروازے پر دستک دی اور شہلا اور حمید کو بھی باہر بلوا لیا سب کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایک زنجیر بنائی اور ڈیک کی تان پر ناچنے لگے وہ کبھی میرا ہاتھ توصیف کے ہاتھ میں دیتا کبھی توصیف کے ہاتھ شکیلہ کی طرف کھینچتا اور کبھی اپنے ہاتھ ہمارے جسموں میں دیتا۔ وہ باؤلا ہوا جاتا تھا کہ ہم اچانک وہاں سے باہر نکل آئیں بیرسٹر سلطان اندر رک گیا ارشد اور ایاز بھاگے ہوئے آئے اور کہا کہ تم لوگوں نے اپنے لئے خود بدنامی کے راستے اختیار کئے ہیں۔ ہم جب یہ تصویریں کل مارکیٹ میں پھینکیں گے تو تم

لوگوں کے ہوش ٹھکانے لگ جائیں گے۔ بس اسی وقت ہم نے تہیہ کر لیا کہ تصویریں چھپیں یا ویڈیو ہم مزید بلیک میل نہیں ہوں گی۔ ہر چیز کی حد ہوتی ہے۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ جن لوگوں سے کام نکلوانا ہو وہاں ان جیسی لڑکیوں کو بطور نمائندہ دل پشوری کرنے بھجوا دیتا ہے۔ تیسری لٹنے والی لڑکی شازیہ نے بھی ان کے ساتھ آفس آنا تھا لیکن اسقاط حمل کے باعث وہ نہیں آسکیں البتہ اس نے اپنا بیان حلفی ٹیلی فونک گفتگو اور چند دیگر شواہد پہنچا دیں "حرمت" نے تینوں لڑکیوں کی روداد کی تصدیق کے لئے جب سلطان ذی وقار کے قریبی حلقوں سے رابطہ قائم کیا تو معلوم ہوا کہ موصوف کی عیاشیوں کی داستان ابھی نامکمل ہے ان کا استدلال ہے کہ وہ چونکہ آزاد خطے کے وزیر اعظم ہیں' اس لئے آزادی ان کا بنیادی حق ہے چاہے وہ مادر پدر آزادی ہو یا کوئی اور اس لئے وہ اپنے بنیادی حق سے دستبردار نہیں ہو سکتے۔ ان حلقوں نے یہ بھی بتایا کہ جب وہ ترنگ میں آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آزاد خطے میں ایک آزاد معاشرہ کا قیام عمل میں لایا جانا چاہئے اگر ہم آزاد معاشرہ قائم نہیں کریں گے تو بین الاقوامی برادری ہمارے آزادی کے نصب العین کو کیسے سمجھے گی۔

☆-----☆--------☆

پیپلز پارٹی کے سابق وزیر اعظم ممتاز راٹھور کی مصروفیات بھی بہت دلچسپ اور رنگ رنگیلی تھیں۔ موصوف نے اسلام آباد میں ایک گیسٹ ہاؤس میں ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ جو کہ انہوں نے آزاد کشمیر میں اپنے عہد اقتدار کے دوران "کشمیر فنڈ" سے بنایا تھا۔ اس گیسٹ ہاؤس میں کشمیر کی آزادی کے نعرے' حسیناؤں کی زلفوں اور شراب کی محفلیں سجا کر لگائے جاتے تھے۔ ممتاز راٹھور کی مصروفیات کچھ بھی ہوں۔ وہ وزیر اعظم آزاد کشمیر تھے تب بھی سر شام اپنے گیسٹ ہاؤس میں محفل سجا کر بیٹھ جاتے تھے۔ سر شام شراب کے جام چلتے تھے اور حسیناؤں سے دل بہلانے والے آزاد کشمیر اور پاکستان کے سیاسی کرداروں کے دل مچلتے تھے۔ آزاد کشمیر کی تقدیر کے مالکوں کے گیسٹ ہاؤس کے ہر کمرے میں مغربی موسیقی چلتی تھی اور اس پر حسیناؤں کی زلفیں بکھرتی اور جسم تھرکتے پائے جاتے تھے۔ یہ شیطانی کھیل رات بھر جاری رہتا تھا۔ صبح ہوتے ہی کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑنے والے اپنے اپنے حصے کے

فنڈز حاصل کرنے کے لئے پاکستان کے حکومتی ایوانوں اور مختلف سفارت خانوں میں پہنچ جاتے تھے۔ اس ضمن میں برطانوی سفارتخانہ کی ایک تقریب خاص طور پر قابل ذکر ہے جہاں پیش آنے والے واقعہ کی تفصیلات یوں ہیں۔

برٹش ہائی کمیشن اسلام آباد میں ڈپٹی ہائی کمشنر کی جانب سے کشمیری راہنماؤں کے اعزاز میں دی جانے والی ایک پر تکلف محفل میں اس وقت عجیب بدمزگی اور مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو گئی جب آزاد کشمیر کے ایک معروف سیاسی لیڈر نہ صرف "ٹلی" پوری طرح دھت ہو گئے بلکہ ایک گوری سفارت کار کا بوسہ لینے کی کوشش میں مذکورہ سفارت کار سے انہیں جھڑک بھی سننا پڑی۔ اس سے قبل کہ معاملہ زیادہ بگڑ جاتا۔ بعض دوسرے سنجیدہ سیاسی راہنماؤں نے صورت حال کو سنبھالا دیا اور معاملہ بگڑنے سے بچا لیا۔ البتہ باقی سارا وقت غیر ملکی سفارت کار ناک منہ چڑھاتے رہے۔ ڈپٹی ہائی کمشنر برطانیہ نے آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر سے آنے والے زعماء کے اعزاز میں جمعہ اور ہفتہ کی درمیانی شب ایک عشائیہ دیا جس میں ان کے علاوہ برطانوی اور امریکی سفارت کار بھی موجود تھے۔ جہاں آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کے ایک معروف رہنما بیرسٹر سلطان محمود انگلش شراب کے جام چڑھاتے ہوئے آؤٹ ہو گئے انہوں نے کم و بیش 8 گلاس اپنے حلق میں انڈیلے اور اسی مدہوشی کے عالم میں ایک امریکی سفارت کار "مسز لیزا" کے پاس جا کر زوردار قہقہ لگایا اور انگریزی میں کہا کہ

"Mrs.Liza I am next Prime Minister of Azad Kashmir"

اس پر بعض دوسرے سیاسی رہنما خصوصاً حریت کانفرنس کے دو لیڈروں نے ان کی اس حالت پر سخت اعتراض کیا اور کہا کہ اس وقت جب کہ انڈیا میں برطانوی ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان میں برطانیہ کے ہائی کمشنر' پولیٹیکل اتاشی' امریکی اتاشی' پریس قونصلر موجود ہیں اور ہمیں خالصتاً کشمیر کے مسئلہ پر ہماری آرا کے لئے دعوت دے دی گئی۔ ایک ذمہ دار اور سیاسی لیڈر کی جانب سے اس قسم کی حرکت غیر ملکی سفارتکاروں پر کیا تاثر چھوڑے گی علاوہ ازیں اس موقع پر آزاد کشمیر قانون ساز

اسمبلی کے سابق سپیکر صاحبزادہ اسحاق ظفر کو بیرسٹر سلطان نے کہا کہ جناب خدا کے لئے آپ مجھے معاف کر دیں اور میرے راستے میں دیوار نہ بنیں جس پر صاحبزادہ اسحاق ظفر نے انہیں باتوں میں لگا لیا۔" بعد ازاں وہ جموں و کشمیر پیپلز پارٹی کے سربراہ سردار خالد ابراہیم کے پاس چلے گئے اور ان سے بھی اس قسم کی باتیں کرنے لگے بعد میں وہ ایک برطانوی سفارت کار کی اہلیہ کے پاس گئے اور ان کے منہ سے منہ لگانے کی کوشش کی تو اس نے انہیں بری طرح جھڑک دیا جس پر وہ جھلا گئے اور زور زور سے قہقہے لگانے شروع کر دیے۔ ایسی صورت حال بن گئی جس نے دوسرے سیاسی زعماء کو پریشان کر دیا اور انہوں نے انہیں سنبھالنے کی کوشش کی البتہ غیر ملکی سفارتکاروں نے ڈپلومیسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ کوئی بات نہیں معزز مہمان تھوڑے "ڈرنک" ہو گئے ہیں اس کا برا نہیں مناتے۔ اس موقع پر صورت حال خاصی مضحکہ خیز بن چکی تھی جو سارا عرصہ جاری رہی۔ ذرائع کے مطابق اس محفل میں سب سے آخر میں جانے والے مہمان بیرسٹر سلطان تھے۔

☆----------☆----------☆

9 مارچ 1993ء کو پولیس پارٹی نے پارک ویو ہوٹل کے سیکنڈ فلور پر چھاپہ مارا جہاں اس وقت کے آزاد کشمیر کے وزیر زراعت بلیک لیبل 'ہیلز' اور بیئر کے جام لئے اپنے ساتھیوں سمیت چار حسیناؤں کے بازوؤں میں جھوم رہے تھے۔

واقعات کے مطابق چھاپہ کے وقت ملزمان شراب گلاسوں میں لے دوشیزاؤں کے ساتھ محو رقص تھے۔ بلیک لیبل اور بیئر کی 16 بوتلیں بھی موجود تھیں۔ ملزمان نے پہلے دھمکیاں دیں اور بعد میں منت سماجت کرنے لگے۔ گرفتار ہونے والوں میں وزیر زراعت شاہد حمید اور عاطف سہیل بھی شامل ہیں۔ جن کا تعلق پاکستان مسلم لیگ سے ہے۔ اور انہوں نے زمین کی خرید و فروخت میں فراڈ کے ذریعے کروڑوں روپے کمائے ہیں اور کئی فلمیں بھی بنائیں۔

گرفتار ہونے والی لڑکیوں میں لاہور کی حنا' بی بی' نورین' ارم بیگ اور شازیہ خان شامل ہیں۔ یہ لڑکیاں فلمی ہیروئن بننا چاہتی تھیں کہ رنگیلے وزیر کے ہتھے چڑھ گئیں۔ پکڑی جانے والی دوشیزہ ارم بیگ نے کہا کہ میرے وزیر شاہد حمید سے

عرصہ سے مراسم ہیں۔ انہوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ مجھے اپنے دفتر میں نوکری دلوائیں گے۔ نشے میں دھت شاہد حمید اور اس کے ساتھیوں کو جب ہسپتال لایا گیا تو انہیں جوں جوں ہوش آتی گئی۔ ان میں سے اکثر نے کہا کہ وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن انہیں بتایا گیا کہ جب تک ڈاکٹری معائنہ نہیں ہو جاتا آپ کو پاک صاف ہونے کی اجازت نہیں ہے۔

آپریشن ٹیم جب جائے وقوعہ پارک ویو ہوٹل ایف ٹین مرکز پہنچی تو سیکنڈ فلور پر شراب و شباب کی محفل اپنے عروج پر تھی۔ آزاد کشمیر کے وزیر زراعت چوہدری شاہد حمید اور اس کے رفقائے کار نشے میں بدمست' لاہور سے عیاشی کے لئے لائی گئی چار لڑکیاں' عیاش طبع افراد کا دل بہلا رہی تھیں۔ اتنے میں پولیس پارٹی سادہ کپڑوں میں ملبوس اندر داخل ہوئی اور اس نے نشے میں بدمست افراد کو جب گرفتار کرنا شروع کیا تو ایک فرد نے کھڑے ہو کر پولیس پارٹی کے سربراہ سے کہا کہ میں آزاد کشمیر کا وزیر زراعت ہوں۔ اس پر پولیس چھاپہ مار پارٹی کے سربراہ نے کہا کہ بادشاہو! اب تو وزیر مشیر کی شناخت تھانے چل کر ہوگی۔ پولیس تمام افراد کو پکڑ کر تھانے لائی تو راستے میں وزیر زراعت' پولیس تھانہ گولڑہ کے عملے کی منت سماجت کرتے رہے کہ مجھے بچاؤ میرا سیاسی کیریئر تباہ ہو جائے گا۔ وزیر زراعت جب آپریشن ٹیم کے فوٹو گرافر کے روبرو ہوئے تو انہوں نے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر پورے کمرے میں دوڑ لگانا شروع کر دی۔ فوٹو گرافر ان کے پیچھے رہا جس پر شاہد حمید نے اسسٹنٹ کمشنر اور ایس۔ ایچ۔ او سے کہا۔ دیکھو یہ کہاں کی شرافت ہے۔ مجھے ان سے بچاؤ۔ چوہدری شاہد حمید سے گزشتہ رات گولڑہ تھانے میں جب "اسسٹنٹ کمشنر سٹی اسلام آباد چوہدری محمد علی نے دریافت کیا کہ کیا واقعہ ہوا ہے' تو اس نے کہا چوہدری صاحب' زندگی کی بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ میں نے تو ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔ آپ آج مہربانی کر دیں اور کبھی زندگی میں اس فقیر کو آواز دے کر دیکھیے گا' یہ فقیر دست بستہ ساری زندگی حاضر رہے گا۔ چوہدری شاہد حمید نے کہا کہ مجھے تو جاوید اختر پیرزادہ کی دوستی نے ڈبو دیا ہے۔ میرا اس محفل میں شریک ہونے کا پروگرام نہ تھا۔ تھانے میں جب فوٹو گرافر آپریشن میں پکڑے جانے والوں کی

تصاویر بنا رہا تھا' اس وقت پکڑے جانے والوں میں سے ایک شخص ظہور احمد نے سینہ تان کر کہا یہ سب مرد نہیں ہیں' میں مرد ہوں' میری تصویر بناؤ۔ پکڑے گئے شراب کے نشے میں بدمست رنگ رلیوں میں مصروف مرد و خواتین گرفتاری کے بعد رنج و غم اور مظلومیت کی تصویر دکھائی دینے لگے۔ ایک وزیر سمیت اس مکروہ محفل میں شامل تمام افراد اس قدر گھگیانے اور گڑگڑانے لگے گویا کہ ان سے بڑا کوئی مظلوم اس دنیا میں موجود نہیں ہے۔ گرفتار ہونے والی اکثر لڑکیوں نے موقع پاکر اپنے چہرے چھپالئے اور خود دوڑ کر پولیس کی گاڑی میں گھس گئیں۔ ایک نے کہا ہمیں ان فوٹوگرافروں سے بچاؤ۔ ایک لڑکی نے کہا خدارا میری تصویر مت بناؤ اگر یہ چھپ گئی تو میری ماں مرجائے گی' جبکہ دیگر لڑکیاں بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ محفل میں شریک تمام لڑکیوں کا تعلق لاہور سے تھا۔ ایک خاتون نے جو پشتو بولتی تھی اور جس کا تعلق درہ آدم خیل سے تھا کہنے لگی مجھے معاف کردیں' میری تصویر نہ بنوائیں۔ میرے گھر والے مجھے گولی ماردیں گے۔ ایک لڑکی نے کہا روزے ہیں۔ مجھے معاف کردو۔ اس پر وہاں موجود پولیس والوں نے کہا تم تو روزے میں بڑا نیک کام کر رہے تھے تمہارا روزوں سے کیا تعلق۔ تم لوگوں کو تو روزوں میں بھی شرم نہیں آئی۔ پولیس نے موقع سے جہاں شراب' گلاس اور دوسری چیزیں برآمد کیں وہاں چودھری شاہد حمید کا پاک ٹیل فون بھی قبضے میں لے لیا جب ان کی گاڑی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو چودھری شاہد حمید نے کہا مجھے تو جاوید ڈراپ کرکے چلی گئی تھی۔ شراب کے نشے میں مدہوش آزاد کشمیر کے وزیر زراعت چودھری شاہد حمید نے وہاں موجود اخبار کے ایک رپورٹر کو کہا کہ مجھ سے چاہے جتنے پیسے لے لو مگر اپنے ایڈیٹر کو کہو کہ میری خبر نہ چھاپے۔ میں ساری زندگی ان کا مشکور رہوں گا اور ساری زندگی "خدمت" کرتا رہوں گا۔

مجاہدوں کی اخلاقی حمایت کرنے والے یہ "حکمران" اخلاقیات سے کس قدر گرے ہوئے ہیں اس کا اندازہ اس واقعہ سے لگالیں۔

آزاد کشمیر کے وزیر صحت سردار اصغر آفندی نے میرپور سے براستہ کوٹلی واپس اپنے آبائی گھر عباس پور جاتے ہوئے۔ تتہ پانی ریسٹ ہاؤس میں قیام کیا اور

یہاں پر محکمہ صحت کوٹلی کے افسران کی میٹنگ رکھی۔ میٹنگ کے بعد وزیر صحت جونہی کمرے سے باہر نکلے تو شراب کے نشے میں مدہوشی کے باعث مختلف کاموں کے سلسلے میں آئے ہوئے لوگوں کو گالیاں دینا شروع کردیں اور پھر سب کے سامنے ریسٹ ہاؤس کے صحن میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا شروع کردیا اور لوگوں سے کہنے لگے کہ دیکھو میں کتنا اچھا زگ زیگ بنا رہا ہوں۔ وزیر صحت کی حواس باختگی کو دیکھتے ہوئے تمام سائل بھاگ گئے۔

آخر میں 17 اگست 1989ء کو پیش آنے والا یہ واقعہ بھی پڑھتے جائیں' واضح رہے کہ اس میں ملوث وزیر بھی اپنے ہم عصروں کی طرح باعزت بری قرار پائے تھے۔ واقعہ کے مطابق

آزاد کشمیر کے وزیر تعمیرات چودھری یاسین اور ان کے دو ساتھیوں کو کسٹمز اور اے۔ ایس۔ ایف کے عملے نے مانچسٹر سے اسلام آباد آنے والی پی۔ آئی۔ اے کی پرواز میں ولایتی شراب پی کر اودھم مچانے' جہاز میں خواتین پر رقیق حملے کرنے اور عملے کو سنگین نتائج کی دھمکیاں دینے کے الزام میں گرفتار کرلیا جبکہ وزیر کے سامان سے بلیک ہارس اور جانی واکر کی 32 بوتلیں برآمد کرلی گئیں۔ بعدازاں انہیں تھانہ ایئرپورٹ پولیس کے حوالے کردیا گیا جنہوں نے ڈسٹرکٹ سول ہسپتال میں وزیر اور ان کے دونوں ساتھیوں کا ڈاکٹری معائنہ کروا کر کارروائی کا آغاز کردیا۔ 16 اگست کی صبح 4 بجکر 40 منٹ پر لندن کے شہر مانچسٹر سے آنے والی پی۔ آئی۔ اے کی پرواز 710 میں آزاد کشمیر کے وزیر تعمیرات چودھری یاسین اور ان کے دو ساتھیوں غلام حسین اور رب نواز نے ٹن ہو کر جہاز میں اونچی آواز سے گانا اور شور کرنا شروع کردیا جس سے سوئے ہوئے مسافر اٹھ گئے۔ اسی دوران انہوں نے جہاز کی ایک ایئرہوسٹس اور دو دیگر خواتین سے بدتمیزی کی۔ جب عملے نے سمجھایا تو بوتل توڑ کر حملہ کردیا تاہم ہوش و حواس میں نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی راہداری میں گر پڑے۔ عملے نے انہیں بمشکل اٹھا کر سیٹ پر بٹھا کر سیٹ بیلٹس باندھ دیں جبکہ جہاز کے کپتان خورشید چیمہ نے اس دوران کنٹرول کو تمام حالات سے آگاہ کردیا۔ جہاز کے رکتے ہی عملے نے تینوں کو اتارا تو خاص طور پر وزیر اپنے ہوش و حواس میں نہ تھے۔ بعد ازاں کسٹمز

سپرنٹنڈنٹ محمد رزاق اور عملے نے ان کے سامان کی تلاشی لی تو چودھری یاسین کے سامان سے شراب کی 32 بوتلیں برآمد ہوئیں۔ مزید کارروائی کے لئے وزیر کو ایئرپورٹ پولیس کے حوالے کر دیا گیا جس نے فوری طور پر ان کا میڈیکل ٹیسٹ کروا کر مقدمہ درج کر لیا۔ ذرائع نے بتایا کہ چودھری یاسین مسلسل پینے سے آؤٹ ہو چکے تھے اور انہوں نے متعدد بار خواتین کو چھیڑا لیکن ان خواتین کے ساتھ موجود مردوں نے ان کی طبیعت درست کی۔ جہاز کا عملہ بار بار ناخوشگوار واقعہ سے بچانے کی کوشش کرتا رہا۔ وزیر کو عملے نے کئی بار بیلٹ سے باندھا لیکن وہ بار بار بیلٹ کھول کر آزادی حاصل کر لیتے تھے جس کے باعث اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر ہنگامی صورت حال کا اعلان کر دیا گیا۔ ایئرپورٹ سیکورٹی فورس اور تمام حساس ادارے الرٹ کر دیئے گئے۔ کمانڈو ایکشن کر کے انہیں گرفتار کیا گیا۔ ایک خبر رساں ایجنسی این این آئی کے مطابق وزیر نے آپے سے باہر ہو کر ناچنا شروع کر دیا۔ کے پی آئی کے مطابق چودھری یاسین کئی دفعہ ہوش میں آئے اور دوبارہ بے ہوش ہو گئے۔ نیم بے ہوشی کے عالم میں انہوں نے شور مچانا شروع کر دیا اور بڑھکیں لگائیں کہ میں آزاد کشمیر کا وزیر ہوں۔ سب کو دیکھ لوں گا۔ ایئرپورٹ پر چودھری یاسین نے کسٹم انسپکٹروں سے ہاتھا پائی شروع کر دی اور ان کے بیج نوچ ڈالے اور [illegible] سے پھاڑنے شروع کر دیئے۔ کسٹم اہلکاروں نے وزیر کو کنٹرول کرنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ آپے سے باہر ہو گئے۔ جس پر اشتعال میں آ کر کسٹم اہلکاروں نے انہیں بازوؤں اور ٹانگوں سے اٹھا کر کشمیر کاؤنٹر کے قریب خالی کمرے میں فرش پر پٹخ دیا اور [illegible] درجن اہلکاروں نے لاتوں اور مکوں سے پٹائی شروع کر دی۔ ان کی [illegible] پیچھے سے جگہ جگہ سے پھٹ گئی جبکہ شرٹ مکمل طور پر پھٹ گئی۔ بعد ازاں ہوش آنے پر ایئرپورٹ حکام نے چودھری یاسین کو تھانہ ایئرپورٹ کے حوالے کر دیا۔

○ آزاد کشمیر حکومت کے دو وزراء کی ایک مقامی ہوٹل میں رنگ رلیوں پر مبنی ویڈیو فلم فوجی حکومت کے حوالے کر دی گئی۔ تفصیلات کے مطابق اس سال ستمبر میں نواز شریف دور حکومت میں آزاد کشمیر کے دو وزراء کی ویڈیو فلم ایک خفیہ ادارے کے اہلکاروں نے اس وقت بنائی جب وہ ایک مقامی ہوٹل میں اسلام آباد

سے منگوائی جانے والی دو لڑکیوں کے ساتھ شراب پی کر رنگ رلیاں منا رہے تھے۔ اس موقع پر شراب کی کئی بوتلیں بھی وہاں پڑی تھیں۔ آزاد کشمیر کی ضلعی انتظامیہ کو بھی اس واقعہ کی خبر دی گئی تھی مگر وزراء کا سن کر انہوں نے کوئی کارروائی نہیں کی۔ البتہ ویڈیو فلم کی تیاری کے دوران ایک وزیر ایک خفیہ اہلکار کے قدموں پر گر گر گڑگڑا کر معافیاں مانگتا رہا۔

(13 دسمبر 1999ء)



چھوٹے کردار' بڑے کارنامے

نگینہ خانم

21 اپریل 1996ء کو نگینہ خانم نامی ایک سیاسی کارکن کو ایس۔پی کینٹ کے سٹاف افسر احمد سلیم نے رستم پارک گلشن راوی میں چھاپہ مار کر (10) مرد و خواتین سمیت برہنہ حالت میں گرفتار کر لیا۔ اور ان کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر کے تھانہ سول لائنز کی حوالات میں بند کر دیا۔ سٹاف آفیسر احمد سلیم نے بتایا کہ اسے اطلاع ملی کہ ارشد امین چودھری کے قتل کیس کا مرکزی ملزم عامر بٹ جو کہ مفرور ہے نگینہ خانم کے ڈیرے پر موجود ہے اس اطلاع پر چھاپہ مارا گیا تو وہاں عامر بٹ تو موجود نہیں تھا تاہم نگینہ خانم' رینا' راحیلہ' نادیہ' کرن مملکت خاتون حاجی سیف الدین' سرور خان' عبدالستار اور ملنگ خان کے ساتھ برہنہ حالت میں موجود تھیں۔ نگینہ خانم کے خلاف بدکاری' فحاشی یا حدود کا یہ پہلا مقدمہ نہیں۔ بلکہ اس سے دو سال قبل ڈی۔ایس۔پی طاہر عالم نے بھی ایسے ہی الزامات کے تحت اسے گرفتار کیا تھا۔ 1980ء میں بھی خانم اور اس کے شوہر کے خلاف مقدمہ درج ہوا تھا اور اس وقت ان کے ڈیرے سے شراب کی بوتلیں اور لڑکیاں برآمد ہوئی تھیں۔

نگینہ خانم...... فلم سٹوڈیوز اور شرافت کی سیاست کا ایک ایسا نام ہے جسے ہر با اثر اور شوق رکھنے والا جانتا ہے۔ ماضی میں اسے کئی بار گرفتار بھی کیا گیا لیکن وہ سزا دینے کا اختیار رکھنے والوں کو شیشے کے اندر اتارنے میں کامیاب رہی۔ لاہور میں یکے بعد دیگرے ماڈل گرلز کے قتل میں اس کا نام سامنے آتا رہا۔ لیکن وہ اپنے قیمتی



سابق صوبائی وزیر افضال شاہ اور نگینہ خانم

"ہیروں" کو پولیس افسروں کی خدمت پر لگا کر صاف بچ جاتی رہی۔ وہ فلموں میں مسلسل جسم فروشی کے بعد ایکسٹرا گرل کے طور پر آئی تھی اور پھر اس نے ایک ایسا اڈہ چلایا کہ لاکھوں میں کھیلنے لگی۔ نگینہ خانم نے ابتداء میں خود جسم کی نمائش کی تھی اور سنگین ترین تجربات سے گزر چکی تھی۔ اس لئے وہ عورت کے جذبات کا راز پا چکی تھی۔ اسے یہ بھی اندازہ تھا کہ فلم کے شوق میں گھروں سے بھاگ کر آنے والی لڑکیوں کو سکرین کی بجائے دوسروں کے بستر کی زینت کیلئے بنایا جا سکتا ہے۔ ایسی ہی لڑکیوں کی مجبوریوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے وہ ایک کار اور کوٹھی کی مالک بن گئی۔ نگینہ خانم سیاست کی آڑ میں اڈہ چلایا کرتی تھی۔ وہ شرافت کی سیاست کرنے والی ایک جماعت کے پرائمری یونٹ کی سربراہ تھی۔ مسلم لیگ کے عہد اقتدار میں وفاقی وزراء تک ان کی رسائی تھی جو ان کے اڈے پر حاضری دینا عین عبادت سمجھتے تھے۔ نگینہ خانم نے سرحد اور بلوچستان کے کئی وفاقی وزراء اور صوبائی سیاست والوں کے ساتھ بھی تعلقات استوار کر رکھے تھے۔ یہ وزراء بھی ان کے گھر کی زیارت کرتے پائے گئے۔ نگینہ خانم کے مکروہ دھندے کے ایک پہلو کا انکشاف اس وقت ہوا جب پولیس نے ایک خوبرو حسینہ کو کار چوروں کے ایک گروہ کے ساتھ رنگ رلیاں مناتے ہوئے گرفتار کر لیا۔ اس خوبرو لڑکی نے پولیس کو بتایا کہ نگینہ نے اس کی قیمت 10 ہزار روپے میری ماں کو ادا کر رکھی ہے۔ میری ماں ایک مجبور عورت تھی۔ نگینہ نے پہلی ہی نظر میں تاڑ لیا کہ وہ ہمارے خاندان کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھا سکتی ہے۔ نگینہ نے میری ماں کو دس ہزار روپے دیئے تاکہ ہم سود پر حاصل کیا گیا قرض ادا کر سکیں۔ میری مقروض ماں نے سود خور پٹھان کا قرض تو ادا کر دیا۔ لیکن نگینہ نے ماں سے جو تحریر لکھوائی اس کے نتیجہ میں اس نے مجھے گروی رکھ لیا۔ اب میں ہر رات کے دس ہزار روپے لیتی ہوں۔ اپنی عزت بیچ کر ایک عرصہ سے مال نگینہ خانم کو تھما دیتی ہوں۔ لیکن دس ہزار روپے کا قرض ابھی تک نہیں اترا۔ اور اب وہ سود ملا کر کئی لاکھ روپے ہو چکا ہے۔ اس لڑکی کی رہائی کے لئے نگینہ نے 15 ہزار روپے پولیس کو دیئے اور اسے رہا کرا کے لے گئی۔ نواں کوٹ پولیس اسٹیشن کے اہلکار بتاتے ہیں کہ ہم نے آج تک ایسی خوبرو حسینہ نہیں دیکھی۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اس حسینہ کی

مجبوریاں کیا ہیں اور نگینہ خانم نے اپنے انتقام کی بھٹی میں اس جیسی کتنی حسیناؤں کو ڈال رکھا ہے۔ نگینہ خانم کے سمگلروں کے ساتھ خصوصی تعلقات ہیں۔ وہ اپنا مال لاہور کے اعلیٰ ہوٹلوں میں بھی سپلائی کرتی ہے۔ اس نے ایک رسالہ بھی شروع کر رکھا ہے۔ اپنے نام کی رسوائی کے باعث وہ اس رسالے پر بیگم رب نواز خان کے حوالے سے اپنا نام بطور چیف ایڈیٹر شائع کرتی ہے۔ نگینہ کے گھر کے بھیدی بتاتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں جن سیاست دانوں کو "شراب' شباب اور کباب" مہیا کرتی ہے۔ اس کی ویڈیو فلم بھی بناتی ہے۔ یہ ویڈیو فلمیں ان سیاست دانوں کو بدنام کرنے کے کام بھی آسکتی ہیں اور بلیک میلنگ کے ہتھیار کے طور پر استعمال ہو سکتی ہیں۔ ایسے بلیو پرنٹ وہ ان لڑکیوں کو بھی دکھاتی رہتی ہے جو اس کے اڈے کی رونق ہوتی ہیں۔ نگینہ خانم نے خوبرو لڑکیوں کو اپنے جال میں گرفتار کرنے کے لئے ایک آرٹ اکیڈمی بھی کھول رکھی ہے۔ عیش و نشاط کے لمحات کو رنگین اور سنگین بنانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ نگینہ خانم نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ خدمت خلق کرتی ہے۔ ایسی لڑکیوں کو جو "نگے نوکری" بنی پھرتی ہیں۔ وہ ہزاروں کا مال بنا دیتی ہیں۔ ان جسم فروش لڑکیوں کو احترام دلواتی ہوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تحفظ بھی۔ ان لڑکیوں اور ان کے جسم سے کھیلنے والوں کو مجھ سے "عقیدت" ہے۔ کئی صحافی بھی مجھ سے اپنی من پسند غذا حاصل کرتے ہیں۔ لیکن بعض صحافی نہ جانے کیوں میرے دشمن بن گئے ہیں اور وہ میرے سماجی کام کی راہ میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ نگینہ خانم کی واردات کے کئی طریقے ہیں۔ اس نے اپنے کاروبار کو چلانے کے لئے ایک پرائیویٹ تعلیمی ادارے کی مالک خاتون کی خدمات بھی حاصل کر رکھی ہیں۔ اس پرائیویٹ تعلیمی ادارے میں صرف ان تعلیم یافتہ حسیناؤں کو ملازمت ملتی ہے جو دن میں تدریس کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ رات کے اندھیروں میں اپنے حسن کی شمع روشن رکھنے کے لئے تیار ہوں۔ صوبائی اسمبلی کے ایک رکن بھی نگینہ خانم کی "مہربانیوں" تلے دبے ہوئے ہیں۔ مسلم لیگ کے ایک گروپ کے عہدیدار شیخ بشیر احمد بھی اس کے مستقل گاہک ہیں اور نگینہ خانم کو ہر قسم کا تحفظ فراہم کرتے ہیں۔ نگینہ خانم نے جو فلم شروع کر رکھی ہے اس میں ابھی تک کوئی قابل ذکر ہیروئن

یا اداکارہ شامل نہیں کی گئی۔ جب کہ بہت سی نامور اداکارائیں اس کے ذریعے اعلیٰ سرکاری افسروں اور سیاست دانوں تک پہنچتی ہیں۔ نگینہ نے پولیس کے کئی افسران کو بھی بیٹا بنا کر رکھا ہوا ہے۔

وہ ہر سال "ایوارڈ" تقسیم کرنے کی ایک تقریب منعقد کرتی رہی ہے جس میں خوبرو کال گرلز کے علاوہ ایسے لوگوں کو بھی ایوارڈ دیئے جاتے ہیں جو جسم فروشی کے دھندہ میں اس کی سرپرستی کرتے ہیں۔ نگینہ خانم کے 1977ء اور پھر 1993ء میں جسم فروشی اور شراب نوشی کے کئی مقدمات میں چالان ہو چکے ہیں لیکن اسے آج تک کبھی سزا نہیں ہوئی۔ کئی مردوں کے علاوہ سیاست دان عورتیں بھی اس کی سرپرست ہیں۔ جن میں تہمینہ دولتانہ' بیگم امینہ فنی گھمن اور بیگم سردار خادم حسین قابل ذکر ہیں۔ اسلام آباد میں "سپلائی" کی جانے والی عام سی لڑکی دس ہزار تک لیتی ہے خوبرو لڑکیوں کی قیمت 50 ہزار روپے ملتے ہیں جبکہ خصوصی شہرت رکھنے والی لڑکیوں کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ نگینہ خانم بابرہ شریف سے لے کر کال گرلز تک کی سرپرست ہے اور اپنے ہر گاہک کی خواہش کی تکمیل میں ثانی نہیں رکھتی۔ اس نے علامہ اقبال ٹاؤن' ماڈل ٹاؤن لاہور میں کئی کوٹھیاں اور وفاقی دارالحکومت میں گیسٹ ہاؤسز کے کئی کمرے مستقل کرائے پر لے رکھے ہیں۔ جہاں وہ اپنے گاہکوں اور لڑکیوں کو مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے۔ اپنے ماہنامہ جریدہ "عنبر" میں وہ اپنی ایک زیر تکمیل فلم میں نئے چہروں کو متعارف کروانے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتی ہے۔ اس فلم کی آڑ میں وہ مجبور لڑکیوں کو کیمرے کے آگے ننگا کر دیتی ہے۔ کیمرے کی آنکھ میں کئی سیاست دانوں کے چہرے بھی محفوظ ہیں۔ ایک مرتبہ پولیس نے اس کے گھر سے "بلیو پرنٹ" برآمد بھی کرلئے تھے جن میں ایک سابق وزیر اور ایک رکن صوبائی اسمبلی کا مکروہ چہرہ بھی تھا۔ پولیس نے بااثر لوگوں کی مداخلت اور ذاتی لالچ کے باعث سیاست دانوں کے "بلیو پرنٹ" تو چھپا لئے لیکن یہ پرنٹ بعض خفیہ ایجنسیوں کے ریکارڈ میں آج تک محفوظ ہیں۔ نگینہ خانم اپنے دھندے کو بچانے کے لئے کئی طریقے اپناتی ہے۔ اس کا طریقہ واردات گھناؤنا ہے لیکن اس معاشرے میں کامیابی سے واردات جاری ہے جس میں سب لوگ حقائق کو سکینڈل کہتے ہیں۔ لاہور میں بہت سی تنظیمیں ایوارڈ

تقسیم کرنے کا "شوق" رکھتی ہیں۔ ایسی تنظیموں کے مرکزی "کردار" دراصل "سپلائر" ہوتے ہیں کہلواتے نہیں۔ نگینہ خانم "ایوارڈ" دینے والوں کی سرپرستی کرتی ہے۔ نگینہ جسم فروشی کا دھندہ کرنے والی لڑکیوں کو ایسی تقاریب میں وزیروں کیہ روں سے ایوارڈ دلواتی ہے۔ تصویریں بنوا کر جسم فروش لڑکیاں ان کے ساتھ اپنے تعلقات ظاہر کرتی ہیں۔ یہ تصویر پولیس سے بچنے کے کام بھی آتی ہیں اور جسم فروش لڑکیوں کی مارکیٹ بھی بڑھاتی ہیں۔ نگینہ نے کسی سیاست دان کو معاف نہیں کیا اور ہر بااثر کردار کے ساتھ کسی نہ کسی لڑکی کی تصویر بنا کر اپنے ریکارڈ میں رکھی ہوئی ہے جسے وہ ضرورت پڑنے پر استعمال کرتی ہے۔ ایوارڈ تقسیم کرنے والی یہ تنظیمیں نگینہ خانم کو بھی ایوارڈ دیتی ہیں اور وزراء کے ساتھ تصویر بنوا کر وہ پولیس والوں کو بھی اپنے وسیع تعلقات کا "چکر" دیتی ہے۔ نگینہ خانم کا یہ سیاسی "ہتھیار" اس قدر کارگر ہے کہ بعض پولیس افسر باقاعدگی کے ساتھ اس کے ہاں حاضری لگواتے اور ترقیاں پاتے ہیں۔

نگینہ خانم کی ایک سہیلی مس ضیاء نے ملتان روڈ پر ایک پرائیویٹ سکول بنا رکھا ہے۔ اس محترمہ نے تعلیم کی روشنی پھیلانے کی آڑ میں جنسی کھلاڑی پیدا کرنے کی ایک اکیڈمی کھول رکھی ہے۔ جس نے کئی گھروں کے چراغ گل کر رکھے ہیں۔ توقیر نام کی ایک عورت خوبرو لڑکیوں کو معلمات کے روپ میں لاتی ہے بعد میں انہیں ایسی خواتین سے ملوایا جاتا ہے۔ جو انہیں نفسیاتی گناہ کی جانب راغب کرتی ہیں۔ گناہ کی زندگی میں "لذت" اور "راحت" کے سبب یہ بدنصیب لڑکیاں ایسی دلدل میں پھنس جاتی ہیں جہاں توقیر اور نگینہ "سانپ" بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان لڑکیوں کو جو نوکری کے حصول کے لئے گھر سے باہر قدم رکھتی ہیں ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا ہوتا۔ جب وہ اس ماحول میں ڈھل جاتی ہیں تو سکول کے رجسٹر سے ان کا نام کٹ جاتا ہے اور تھانے کے رجسٹر پر چڑھنے کا خدشہ ان کے اردگرد منڈلاتا رہتا ہے۔ نگینہ کے پاس 1970ء سے لے کر آج تک اپنی "سیاسی" خدمات کا ریکارڈ موجود ہے۔ وہ پیپلز پارٹی کی بھی باقاعدہ عہدیدار رہی۔ صوبائی اور وفاقی سطح پر اہم لوگوں کے ساتھ اس کے روابط تھے۔ جنرل

ضیا برسراقتدار آئے تو نگینہ نے سرحد کے ایک سیاست دان کی خدمات حاصل کیں۔ اسے دعوت عیش ونشاط دی اور پھر پانچوں انگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں ڈال لیا۔ اس نے پیپلز پارٹی چھوڑ دی اور ایک تنظیم ضیا حمایت تحریک کی سرپرستی شروع کر دی۔ جنرل ضیا کے دور کی ابتدا میں نگینہ خانم کو کچھ مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس کی چند لڑکیاں بھی گرفتار ہوگئیں۔ 1977ء میں خود اس کے خلاف بھی مقدمات بنے لیکن جلد ہی نگینہ نے عیش ونشاط کے راستے ڈھونڈ نکالے اور یوں "کلیئر" ہوگئی بلکہ شراب وشباب کے رسیاؤں کی اس کے گھر لائن لگ گئی۔ ضیا کے دور حکومت میں ایک وفاقی وزیر اکثر ان کے گھر آیا جایا کرتے تھے اور اس کے اثر ورسوخ کا یہ عالم تھا کہ بعض فلم سازوں کو اپنی فلمیں سنسر سے پاس کروانے کے لئے نگینہ خانم کی خدمات حاصل کرنا پڑتی تھیں۔ جنرل ضیاء کا دور ختم ہوا تو نگینہ مسلم لیگ میں شامل ہوگئی۔ وہ اپنے گاہکوں کی طرح جماعتیں تبدیل کرنا بھی کاروبار سمجھتی ہے۔ وہ پرائمری یونٹ کی صدر بن گئی۔ بظاہر تو وہ پرائمری یونٹ کی صدر تھی۔ مگر اس کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ کئی پرانی مسلم لیگ خواتین اس کے گھر کا طواف کیا کرتی تھیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لاہور کا کوئی سیاسی یا سماجی کردار نگینہ خانم کے دھندے کو بظاہر پسند نہیں کرتا اور سب اس کے کرتوتوں سے آگاہ ہیں لیکن پھر بھی وہ سیاسی اہمیت حاصل کرتی ہے۔ یہ صرف مسلم لیگ کا المیہ نہیں بلکہ پیپلز پارٹی اور بعض دیگر جماعتوں کا "پرابلم" بھی ہے۔ سیاست کا صحافت کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس بنا پر نگینہ خانم نے اپنے مکروہ دھندے کو مزید وسیع کرنے اور اس کے تحفظ کے لئے صحافت کے میدان میں اپنا بھاری بھرکم پاؤں رکھا۔ ملک کے عام صحافیوں کی زندگی بیت جاتی ہے۔ لیکن وہ محکمہ اطلاعات کی جانب سے جاری ہونے والے "خصوصی شناختی کارڈ" حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ نگینہ خانم نے اپنے جریدہ "خبر" کا اجراء کیا۔ ادھر اجراء ہوا ادھر اس کا "خصوصی شناختی کارڈ" بن گیا جس کے باعث اسے سفری اور دیگر سہولتیں ملنے کے علاوہ ایک معزز مقام بھی مل گیا جو اکثر حقدار صحافیوں کو بھی نہیں ملتا۔ یہ عورت اپنی فنکاری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بعض ایسے لوگوں سے تعلقات بنانے میں بھی کامیاب رہی جس کا کوئی پرائمری یونٹ کا

عہدیدار تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے سیاسی سرپرستوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔

نگینہ خانم کی آرٹ اکیڈمی کا ذکر اوپر آ گیا ہے۔ اس اڈہ سے بعض کارچور ایک حسین و جمیل لڑکی کو ایک رات کے لئے دس ہزار روپے میں بک کر کے لے گئے تھے' اس لڑکی کی بدقسمتی تھی کہ پولیس نے اس رات ان کارچوروں کے گھر چھاپہ مارا جس میں وہ لڑکی بھی پولیس کے ہتھے چڑھ گئی۔ اس کے حسن و جمال نے پولیس والوں کی نگاہیں خیرہ کر دیں۔ اور تھانے کے قریب قریب سبھی افراد نے اس سے زیادتی کی۔ اس پر تشدد بھی کیا جاتا رہا۔ دو دن بعد اس لڑکی نے بتایا کہ کارچوروں سے اس کا براہ راست کوئی تعلق نہیں وہ تو خانم کے اڈہ سے بک ہو کر وہاں آئی اور پکڑی گئی تھی۔ اس پر پولیس نے خانم سے رابطہ قائم کیا اور اس سے 25 ہزار روپے وصول کر کے لڑکی خانم کے حوالے کر دی۔ خانم نے اس لڑکی اور اس کی والدہ سے اسٹام پر یہ لکھوایا کہ اس ماں بیٹی نے خانم سے پچاس ہزار روپے قرض لئے ہیں جب تک یہ رقم خانم کو واپس نہیں کی جائے گی۔ اس وقت تک رقم پر [illegible] فیصد خانم کو بطور سود ادا کیا جاتا رہے گا۔

فاخرہ بیگم

سماج کو سماجی اور سیاسی خدمت کی آڑ میں بے وقوف بنانے والوں میں ایک کردار بیگم فاخرہ صدیق ہیں۔ جو اب خود کو فاخرہ بیگم کہلواتی ہیں۔ فاخرہ کا اصل نام کچھ اور تھا چودھری صدیق سے ان کی پہلی ملاقات راولپنڈی کے اندر قائم ایک فلمی دفتر میں ہوئی۔ نام بالعموم مصلحت کے تحت تبدیل کئے جاتے ہیں۔ اس نام کی تبدیلی میں کوئی اور مصلحت ہو نہ ہو یقیناً چودھری صدیق کی بیوی بننے کی مصلحت ضرور تھی۔

بہرحال یہ حادثہ ہو گیا۔ فاخرہ چودھری صدیق کی منکوحہ بن گئیں اور ان کی دوسری بیوی بن کر فاخرہ نے گھریلو زندگی شروع کر دی۔ اس گھریلو زندگی میں چودھری صدیق نے اسے دنیا جہان کی تمام راحتیں فراہم کیں۔ ایک حادثہ نے اس پورے خاندان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔ حادثہ میں فاخرہ کے بچے جاں بحق

ہو گئے تو اس نے ایک پریس کانفرنس میں یہ اعلان کیا کہ وہ آئندہ دوسروں کے بچوں کے لئے مخلوق خدا کی خدمت کرے گی۔ اس پریس کانفرنس میں یا اس کے بعد فاخرہ کی ملاقات ایک صحافی سے ہو جاتی ہے۔ ملاقات کا آغاز تو تقدس کے رشتہ کی آڑ میں ہوا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی نوعیت بدلتی گئی۔ یہ صحافی فاخرہ صدیق کی اور فاخرہ اس صحافی کی کمزوری بنتی چلی گئی۔ ایسے ہی حالات میں فاخرہ کا گھر مخلوق خدا کی خدمت کی بجائے ایک ایسے اڈے میں تبدیل ہو گیا جہاں اعلیٰ سرکاری افسران اور سیاست دانوں کا تانتا بندھا رہتا۔ فاخرہ اور صحافی نے مل کر مراعات یافتہ طبقہ کی خدمات سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ سیاسی کردار ہونے کی بنا پر فاخرہ صدیق کے اندر موجود دو نمبر عورت پھر باہر آ گئی۔ ایک قومی بلکہ بین الاقوامی اخبار انہیں سیاسی لیڈر یا کردار کے طور پر ابھارتا رہا لیکن اس کے گھر یا اڈے پر دو نمبر کی خوبرو حسینائیں آنے جانے لگیں۔ یہاں پر ہی وزیراعلیٰ کے کزن کی آمد و رفت بھی رہتی ہے۔ فاخرہ نے وزیراعلیٰ کے کزن کے ساتھ تعلقات کو بہت بہتر انداز میں کیش کرایا۔

گھر کے بھیدی بتاتے ہیں۔ صحافی اور فاخرہ کے تعلقات چودھری صدیق کے نزدیک ہمیشہ قابل اعتراض رہے لیکن یہ تعلقات نہیں ٹوٹ سکے۔ دونوں کے اس عمل نے دو خاندانوں کو برباد کر کے رکھ دیا اور کئی گھرانوں کو تباہی کی طرف مائل کیا۔

ایسے ہی حالات میں میاں حماد نام کا ایک کردار فاخرہ کی زندگی میں داخل ہوتا ہے۔

دونوں نے مل کر بالآخر چودھری صدیق سے نجات حاصل کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ وزیراعلیٰ کے بھائی احمد سے مل کر چودھری صدیق کو مقدمات میں الجھانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ جائیداد حاصل کرنے کے لئے غنڈوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ اب وہی گھر چودھری صدیق کو کاٹ کھانے کو دوڑتا تھا۔ جسے جنت نظیر بنانے کی خواہش دفن ہو چکی تھی۔ جسے عام حلقوں میں ایک "شریف اڈہ" کہا جا سکتا ہے۔

میاں حماد' صحافی اور فاخرہ کے ٹرائیکا نے بالآخر چودھری صدیق کو تھانے بھجوا دیا اور اس واقعہ کے بعد بند کمروں کی خفیہ کہانیاں باہر آ گئیں۔

فاخرہ صدیق کے خاوند چودھری محمد صدیق نے ایک ملاقات میں بتایا کہ ہماری زندگی بہت پر سکون انداز میں گزر رہی تھی۔ گوجرانوالہ کے نزدیک پیش آنے

والے حادثہ نے ہماری زندگی کو گہرے صدمے سے دوچار کر دیا۔ اس کے [illegible] فاخرہ کی یہ حالت تھی کہ وہ رات بھر سو نہیں پاتی تھی۔ خواب آور گولیوں کا استعمال کرتی۔ بچیوں کی موت نے اسے اس قدر دیوانہ کر دیا تھا کہ وہ رات کے وقت سڑکوں پر نکل آتی۔ میں اسے پکڑ کر لایا کرتا۔ وقت گزرتا گیا اور بالآخر وقت نے اس کے زخموں پر مرہم رکھ دیا۔ کچھ عرصہ قبل اس نے سماجی خدمت کا بیڑہ اٹھایا تو میں نے اس کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔ میں بلڈنگ کا ٹھیکیدار ہوں۔ میں فلمیں بناتا ہوں۔ لاہور کے ثقافتی' سیاسی' سماجی اور سرکاری حلقے مجھے شناخت بھی کرتے ہیں اور میرا احترام بھی۔ میری زندگی ایک کھلی کتاب ہے۔ فاخرہ بھی آج سے دو سال پہلے تک میری زندگی میں خوشیوں اور راحتوں کا اعلان تھی۔ دو سال قبل اس کی ملاقات کالے رنگ کے ایک "بلیک میلر" سے ہوتی ہے۔ مجھے اس شخص کے ساتھ اس کی ملاقاتوں پر اعتراض تھا۔ اس کے بارے میں' میں صرف یہ جانتا ہوں کہ بہت جعل ساز اور فراڈیہ ہے۔ میں نے مردوں کے ساتھ فاخرہ کی ملاقاتوں پر کبھی اعتراض نہیں کیا۔ اس لئے کہ یہ سیاست کا حصہ ہے۔ فاخرہ نے میرے لاکھوں روپے سماج کی خدمت پر صرف کئے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اسے سیاست میں اعلیٰ مقام بھی میرے نام کی مناسبت سے ملا تھا۔ اب اس نے خود اپنے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ دو سال قبل جب میں نے فاخرہ سے کہا کہ وہ کالے رنگ کے فراڈیے سے نہ ملا کرے تو اس نے ابتدا میں احتجاج کیا اور کہا کہ میں سیاست دان ہوں۔ مجھے یہ اعتراض بھی تھا کہ اس کے پاس کئی بری عورتوں کا آنا جانا رہتا ہے۔ غلط کردار کے حامل مرد اور عورت دور سے نظر آ جاتے ہیں۔ ایک خاوند کا یہ حق ہے کہ وہ اپنی بیوی کو غلط کاموں سے روکے۔ میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ کالے رنگ کا بلیک میلر ہمارے درمیان دیوار بن گیا۔ ایک بار فاخرہ صدیق اس کے ذکر پر رونے لگی میں نے پوچھا تو کہا کہ وہ کہتا ہے کہ میرے پاس تمہاری ایسی کمزوریاں ہیں کہ تمہاری اولاد تمہیں جوتے مارے گی۔ میں نے فاخرہ سے اصرار کیا کہ وہ حقیقت بتا دے میں ہر بلیک میلر سے نمٹ سکتا ہوں اور تمہیں کچھ نہیں ہو گا۔ ان دنوں فاخرہ بہت پریشان رہی۔ بالآخر یہی شخص اپنی چال میں کامیاب رہا اور میری 20 لاکھ کی جائیداد حاصل

کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں اپنی بچیوں کے مستقبل کی خاطر فاخرہ کے مسئلے میں مزید اس وقت تک کچھ نہیں کہوں گا جب تک وہ پہل نہیں کرتی۔ لیکن میں یہ واضح کر دوں کہ میرے خاندان کو تباہ کرنے والے کا حشر زمانہ دیکھے گا۔ میں نے اپنا مقدمہ خدا کی عدالت میں دائر کر دیا۔ اگر میں سچا ہوں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مجھے شکست نہیں دے سکتی اور میرا یہ بھی ایمان ہے کہ فاخرہ اور اس کا دوست بھی خدا کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ جب چودھری صدیق سے پوچھا گیا کہ فاخرہ کی کونسی کمزوری اسے اس کے آشنا کے اشاروں پر چلنے کو مجبور کرتی ہے تو انہوں نے خدشہ ظاہر کیا کہ وہ چونکہ بلیک میلر ہے اس لئے مجھے خدشہ ہے اس نے فاخرہ کے بلیو پرنٹ تیار کر رکھے ہیں۔ مجھے علم ہے کہ بلیو پرنٹ جعلی بھی ہو سکتے ہیں لیکن فاخرہ نے مجھے اعتماد میں لینے کی بجائے ایک بلیک میلر کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری' میرے خاندان اور میری جوان بچیوں کی بدنصیبی ہے۔

فاخرہ صدیق گجرات سے تعلق رکھتی ہیں۔ ابتدا میں نوخیزی کے عالم میں اس کی شادی اس کے ایک رشتہ دار کے ساتھ ہو گئی لیکن وہ اپنے خاوند کے ساتھ خوش نہ رہ سکی۔ خاوند سادہ آدمی تھا جبکہ فاخرہ فیشن ایبل حسینہ کا روپ دھارے رکھتی۔ دونوں کے درمیان والدین کی مداخلت سے ٹھن گئی ہو گی۔ پھر اس کی شادی محمد حسین بٹ نام کے ایک شخص کے ساتھ ہو گئی۔ محمد حسین بٹ کے ہاں اس نے دو بچوں کو جنم دیا۔ اس کا ایک جوان بیٹا اس وقت قانون کا طالب علم ہے۔ اس نے بتایا کہ میری ماں بچپن سے آوارگی کی طرف مائل تھی اور اس کا موجودہ خاوند چودھری صدیق اس کا چوتھا خاوند ہے۔ اس سے پہلے تین خاوندوں نے بھی آوارہ گردی کی وجہ سے طلاق دی تھی۔ نوجوان نے بتایا کہ چودھری صدیق سے پہلے فاخرہ اس کے باپ کی بیوی تھی لیکن میرے باپ نے اس کی عیاشیوں سے تنگ آ کر طلاق دے دی۔ فاخرہ کے قریبی حلقوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہ محمد حسین بٹ کے گھر میں تنگی میں تھی۔ اس نے گھر سے راہ فرار اختیار کی اور لاہور آ گئی۔ لاہور کے لاری اڈہ میں اس کی ملاقات ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ ہوئی۔ اسے فاخرہ نے بتایا کہ وہ اپنے خاوند کو چھوڑ کر بھاگ کے لاہور آئی ہے۔ ٹیکسی ڈرائیور نے اس شوقین مزاج

عورت کو چند راتیں اپنے پاس رکھ کر اور پھر فحاشی کا اڈہ چلانے والے ایک دلال یوسف کے پاس فروخت کر دیا۔ یوسف کے اڈے پر وہ کئی ماہ تک سرمایہ دار لوگوں کے بستر کی زینت بنتی رہی۔ اس زمانہ میں یوسف نے چودھری صدیق کو بتایا کہ اس کے پاس گجرات کی ایک "خوبرو جنی" آئی ہے۔ چودھری صدیق اس وقت فلمی دنیا کا مانا ہوا تماش بین تھا۔ انہوں نے یوسف سے کہا کہ وہ اس "جنی" کے ساتھ رات بسر کرنے کی منہ بولی قیمت دے سکتے ہیں۔ چودھری صدیق تماش بینی کی غرض سے فاخرہ کو لے آیا۔ فاخرہ نے اسے اپنی زندگی کے حالات بتائے اور کہا کہ وہ پیدائشی طور پر گناہ کی زندگی بسر نہیں کر رہی بلکہ گناہ کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دی گئی ہے۔ چودھری صدیق نے اسے شادی کرنے کا جھانسہ دیا جس کے نتیجہ میں فاخرہ نے عورتوں کے دلال یوسف سے نجات حاصل کر لی۔ اسی اثنا میں فاخرہ کے خاوند محمد حسین بٹ کو علم ہو گیا کہ فاخرہ لاہور کے ایک فلم ساز چودھری صدیق کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ محمد حسین بٹ نے چودھری صدیق کے ساتھ ملاقات کی اور اسے فاخرہ واپس کرنے کا مشورہ دیا۔ اس دوران فاخرہ اپنی کشش کے باعث چودھری صدیق کے اعصاب پر سوار ہو چکی تھی اور وہ اس کے حسن کی پرستش میں اس قدر جذباتی تھا کہ اپنی پہلی بیوی کو بھی چھوڑنے پر تیار ہو گیا۔ محمد حسین بٹ کے ساتھ فاخرہ کی ملاقات ہوئی۔ تو فاخرہ نے اسے خاوند تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور چودھری صدیق کے ساتھ شادی کی خواہش ظاہر کی۔ محمد حسین بٹ نے فاخرہ کی خودسری دیکھ کر چودھری صدیق کے ایما پر اسے طلاق دے دی۔ یوں فاخرہ صدیق کچھ عرصہ تک غیر قانونی بیوی رہنے کے بعد باقاعدہ بیوی بن گئی۔ چودھری صدیق نے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے محمد حسین بٹ کو کچھ رقم بھی دی جس وقت یہ شادی ہوئی اس وقت محمد حسین بٹ کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی تھے۔ فاخرہ نے بیٹی تو خاوند سے حاصل کر لی مگر بیٹا باپ کے پاس چھوڑ دیا۔ کچھ عرصہ قبل جب فاخرہ کی تصویر ایک اخبار میں شائع ہوئی تو محمد حسین بٹ نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ "فاخرہ اس کی اصل ماں ہے" فاخرہ کا بیٹا اپنی ماں کا علم ہونے پر بہت خوش ہوا اور انسانیت کی ٹھیکیدار فاخرہ سے ملنے کے لئے شادمان چلا آیا۔ شادمان میں فاخرہ کے گھر

پہنچا تو ماں نے اپنے لخت جگر کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ بیٹے کو غلیظ گالیاں دیں اور دھکے دے کر گھر سے نکال دیا۔ فاخرہ کا بیٹا اپنی ماں کا توہین آمیز سلوک دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ آج اس کا کہنا ہے کہ میری ماں کو اپنی بدکاری کی سزا مل رہی ہے۔ چودھری صدیق ایک اچھا انسان ہے مگر فاخرہ اب چوتھے خاوند سے بھی نجات حاصل کر کے رہے گی۔ محمد حسین بٹ کے بیٹے نے بتایا کہ اس کی سگی بہن تو کار کے حادثہ میں جاں بحق ہو گئی تھی مگر اب اس کی سوتیلی بہنیں اور بھائی ماں کی بدکاری کے باعث جیتے جی مر جائیں گے۔ فاخرہ صدیق کے بلیو پرنٹس کے بارے میں بعض لوگوں نے سنسنی خیز انکشافات کئے ہیں۔

شاہین منور سابق ایم۔پی۔اے

بھٹو کے دور میں ایک عورت "شاہین" نے خصوصی شہرت حاصل کی۔ شاہین مظفر گڑھ کے جاگیردار کی سرمستیوں کے باعث حکمرانوں کے دلوں کی دھڑکن بن گئی۔ اس خوبرو دوشیزہ نے پنجاب کے کرتا دھرتا کو اپنی زلفوں کے جال میں گرفتار کرنے کے بعد اپنی پیاس بجھانے کے لئے ادھر ادھر منہ مارنا شروع کر دیا۔ اس وقت پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے ایک ایڈوائزر "قادیانی" اور شاہین کے شکار کے سبب بڑی شہرت رکھتے تھے۔ شاہین کو دولت کی بہت ہوس تھی اس قدر کہ اس نے ایک ایڈوائزر "احمد" کی موجودگی میں ایک صوبائی وزیر کو پھنسا لیا۔ یہ صوبائی وزیر ملتان کا ایک جاگیردار تھا۔ محمد خان جسے "ایم کے" کہا جاتا رہا۔ شاہین کے لئے کئی حوالوں سے یہ جاگیردار پسندیدہ آدمی تھا۔ اس کے پاس مال و دولت بھی تھا۔ اور اس دولت کے علاوہ اسے جاگیردار کے گھر میں کھلی چھٹی بھی مل سکتی تھی۔ یہ عورت جاگیردار کی باقاعدہ بیوی بن گئی۔ لیکن دوسرے کرداروں کو بھی جنسی ملاپ کا موقع فراہم کرتی رہی۔ انہی عاشقوں میں سندھ کا ایک وڈیرہ "پیر" بھی تھا جو آج کل بھی شاہین کا عاشق ہے۔ اس عورت نے بعد میں جاگیردار سے طلاق لے لی۔ جس کے باعث جاگیردار کو اتنا صدمہ ہوا کہ وہ پاگل ہو گیا۔ وہ پاگل پن میں ایک بار مجھے مل گیا اور اپنے گھر لے جا کر شاہین کی آواز کے ٹیپ سنوانے لگا۔ اس آواز میں شاہین انتہائی

بدتر انداز میں "ایم کے" کو گالیاں دیتے ہوئے سنی گئی۔ شاہین نے بعد میں جہلم کے اس کردار سے شادی کرلی جو "قادیانی" ہونے کے حوالے سے مشہور تھا۔ یہ خاوند آج کل بھی ایک صوبے میں اہم سیاسی پوزیشن کا حامل ہے۔ اسے یہ پوزیشن صرف شاہین کی بدولت ملی ہے کیونکہ کئی بڈھے سیاست دان آج بھی شاہین سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور وہ اس کے خاوند کو اقتدار کے قریب تر رکھنے پر مجبور ہیں۔ میانوالی کا ایک بڈھا جاگیردار بھی شاہین کی حسین آنکھوں کا شکار ہے۔ شاہین کی ایک بچی کی شادی بھی ہو چکی ہے لیکن آج بھی اس کے قربت حاصل کرنے والے جنسی درندوں کا کہنا ہے کہ "آتش ابھی جوان ہے" اس دور کا ایک ایک کردار نرالہ ہے۔ جیسا کہ (ملک صاحب) جن کی بہن ملتان میں فحاشی کا اڈہ چلاتی تھی۔ اس فحاشی کے اڈہ کی بدولت ممتاز کئی بار جیل گئی۔ تماش بینوں کے پاس جاتے جاتے وہ تجربہ کار ہو گئی۔ ممتاز نے ملتان کے کئی جاگیرداروں کو اپنا شکار بنایا اور اپنے بھائی کو صوبائی اسمبلی اور بعد میں صوبائی کابینہ کا رکن بنوالیا۔ صوبائی کابینہ میں ملک صاحب نے عیاشی کے تمام ریکارڈ توڑ ڈالے موصوف نے جس پر ڈالی بری نظر ڈالی۔ ایک دفعہ ان کی نظر ایک خاتون صحافی پر پڑ گئی اور بس پھر وہ ہاتھ دھو اور پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ گئے۔ بالآخر اس خوبرو دوشیزہ نے ملک کو اپنا خاوند بنا لیا۔ لیکن وہ آج تک اسے انسان نہیں بنا سکی۔ ملک کو کئی بار خوفناک مظالم کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے جیل میں توبہ بھی کی اور جیل سے آتے ہی ملتان کے ایک جدید ہوٹل میں توبہ توڑ دی۔ ان کی جنسی درندگی کا یہ عالم بھی "خلق خدا" نے دیکھا کہ ملتان کی نگری میں ذاتی مکان ہوتے ہوئے وہ بیوی سمیت ہوٹل میں رہائش پذیر رہتے اور اپنی بیوی کی موجودگی میں ایک ہی کمرے میں پڑے ہوئے دوسرے بیڈ پر عصمتوں سے کھیلتا رہا۔ ان کی بیوی ان سے ایسی پارٹی ورکرز کو دور رکھتی ہے جنہیں خوبصورت کہا جا سکتا ہے۔ اب ان کی بیوی کو سیاسی کام بھی کرنا پڑتا ہے اور اپنے خاوند پر نظر بھی رکھنا پڑتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل انہیں لاہور میں سرکاری افسروں اور جاگیرداروں کے ساتھ فیصل ٹاؤن کی ایک کوٹھی میں پولیس نے گرفتار کرلیا تھا۔ ان کے ساتھ موجود مرد اور عورتیں ننگی تھیں۔ رہائی کے بعد ملک نے پولیس کارروائی کو سیاسی انتقام بنایا۔ اس عوامی حکومت کا ایک کردار

اپنی جنسی عیاشی کے باعث بہت شہرت رکھتا تھا۔ اس نے بھی اپنی کابینہ میں کسی ایک بھی ایسے وزیر کو نہیں رکھا جو شراب و شباب کا رسیا نہ ہو۔ ان کی صوبائی کابینہ کے ایک رکن میاں صاحب جیل سے رہائی کے بعد ایک انٹرویو میں بتاتے ہیں کہ شملہ پہاڑی کے نزدیک ایک بار ان کی نظر ایک خوبرو دوشیزہ پر پڑ گئی یہ خوبرو دوشیزہ خواتین کے کسی کالج میں لیکچرار تھی۔ اس نے اپنے چمچوں کو حکم دیا کہ کسی طرح اس خوبرو دوشیزہ کو قابو کریں۔ کارندوں نے مختلف حیلوں اور بہانوں سے اس دوشیزہ کو یہ لالچ دیا کہ وہ جس سیاسی کردار کو بہت انسانیت پسند کہتی ہے وہ شخصیت اس سے ملنا چاہتی ہے۔ کارندے اہم شخصیت سے ملوانے کے لئے اس دوشیزہ کو گورنر ہاؤس تک لے آئے۔ سابق صوبائی وزیر کے بقول جب یہ دوشیزہ گورنر ہاؤس سے نکلی تو وہ پاگل ہو چکی تھی۔ اس کے ساتھ ان کی آخری ملاقات ایک قبرستان میں ہوئی تھی جہاں وہ اپنی والدہ کی قبر پر بیٹھی اپنی عصمت کے لٹنے پر فریاد کناں تھی۔ اس صوبائی وزیر کا کہنا ہے کہ "جب میں جیل میں تھا تو میرا ضمیر ملامت کرتا کہ میں خود اس لڑکی کو بے آبرو کرنے کے گناہ میں شریک تھا۔ آج میں اس عورت کو ڈھونڈ رہا ہوں تاکہ اس کے پاگل پن کا علاج کروا کر اپنی بہن سمجھ کر اپنے گھر میں رکھوں۔ اور اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کروں لیکن وہ مجھے کبھی نہیں ملتی۔ اور ضمیر کی خلش مجھے بے چین رکھتی ہے۔ آج بھی مجھے اس دوشیزہ کی معصومیت اور مقتدر لوگوں کی جنسی درندگی کا واقعہ یاد آتا ہے تو میری آنکھوں کے ساتھ ساتھ میرا دل بھی روتا ہے۔ لیکن اب پچھتاوے سے کیا ہو سکتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ پچھتاوا میرا مقدر بن گیا ہے۔

پنجاب اسمبلی میں

پنجاب اسمبلی میں ایک رکن اسمبلی نے یہ انکشاف کر کے حیرت زدہ نہیں کیا کہ ایم۔پی۔اے ہاسٹل میں اراکین اسمبلی شراب پیتے ہیں۔ طوائفیں ان کے بستر گرم کرنے کے لئے آتی جاتی ہیں۔ کئی اراکین اسمبلی نے نشے کی حالت میں ان کو بھی پریشان کیا۔ اس ضمن میں حافظ اقبال خاکوانی ایم۔پی۔اے نے کہا کہ

"ایم۔پی۔اے ہوسٹل میں ارکان شراب نوشی کرتے اور رات کو طوائفیں ہوسٹل میں آتی ہیں۔ اس سے پہلے کہ امن وامان کا مسئلہ بنے۔ سپیکر کو ایکشن لینا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کہ کئی مرتبہ شراب کے نشہ میں وحشت ارکان نے میرے دروازے پر دستک دی۔ مجھے یہ بتاتے ہوئے شرم آرہی ہے۔ اس موقعہ پر اس وقت کے سپیکر جناب محمد حنیف رامے موجود نہیں تھے۔ اس لئے ان کے فرائض ادا کرتے ہوئے قائم مقام سپیکر میاں افضل حیات نے کہا کہ آپ یہ مسئلہ سپیکر چیمبر میں اٹھائیں۔ ممبران اسمبلی کے مکروہ کردار کی یہ ایک معمولی سی جھلک ہے۔ جو ایک رکن اسمبلی نے دکھائی ہے۔ طوائفیں کوئی آسمانی مخلوق نہیں۔ اس سلسلے میں ایک بار نہیں ہزار ہا بار یہ بات منظر عام پر آچکی ہے کہ وہ سرمایہ داروں' جاگیرداروں اور سیاسی کرداروں کی ہی اولاد ہیں۔ ہیرامنڈی کے ایک ترجمان کا کہنا ہے کہ "طوائفیں ایم۔پی۔اے ہاسٹل نہیں جائیں گی تو اور کہاں جائیں گی۔" اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اراکین اسمبلی کی اکثریت اور طوائفوں کی اکثریت کی رگوں میں ایک ہی طبقے کا خون گردش کر رہا ہے۔ اسی لئے تو کہا جاتا ہے۔

کند ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر بہ کبوتر باز بہ باز

شراب نوشی اور شباب لازم و ملزوم ہیں۔ شراب پر ملک بھر میں پابندی ہے لیکن مراعات یافتہ طبقے کے لوگ اسے سرعام پیتے ہیں۔ اراکین اسمبلی ایم۔پی۔اے ہوسٹل میں بھی باز نہیں آئے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے قومی اسمبلی کے اراکین اور "معزز ترین" وفاقی و صوبائی وزراء کے بارے میں یہ حقائق منظر عام پر آچکے ہیں کہ وہ شراب و شباب کے رسیا ہیں۔ ممبران اسمبلی جب ووٹ لینے کے لئے عوام کے پاس جاتے ہیں تو اپنی نیک نامی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ انہیں باکردار' بااصول' دیانتدار اور جرات مند کہا جاتا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں میں ایسی کوئی خوبی موجود نہیں ہوتی۔ عوام سادگی کے ساتھ نسل در نسل ایسے لوگوں کو اقتدار میں لاتے ہیں۔ جن کا کردار قابل نفرت ہوتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ صوبائی اسمبلی کے ایوان میں ایک شخص تو پیدا ہوا جو کہ حق کی آواز بلند کر سکتا ہے۔ ہم سپیکر کے

کردار پر اعتراض اس لئے نہیں کر سکتے۔ کہ اس طرح "معزز ایوان" کا استحقاق مجروح ہو جائے گا۔ یہ کیسا استحقاق ہے کہ جب عوام کی بے حرمتی ہوتی ہے تو سپیکر کہتا ہے کہ اسمبلی میں بات کرو۔

جب اراکین اسمبلی کے زانی اور شرابی ہونے کی بات ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ سپیکر کے بند کمرے میں بات کرو۔ کون نہیں جانتا کہ ہمارے سیاست دانوں اور اراکین اسمبلی حتیٰ کہ وزراء کی ایک بڑی تعداد شراب و شباب کی رسیا ہے۔ ان کے ذرائع آمدن مکروہ ہیں۔ ان کی بدعنوانیاں ننگی ہیں۔ یہ عوام کا خون نکالتے ہیں اور شراب پی کر رنڈیوں کو نچواتے ہیں۔ صوبائی اسمبلی کے اسی ایوان میں جب ایک رکن اسمبلی نے ایک پچیس سالہ خاتون کی آبروریزی کی بات کی تو سپیکر نے یہ نہیں کہا کہ یہ بات سپیکر چیمبر میں کی جائے۔ جب اراکین اسمبلی کی شراب نوشی اور ایم۔پی۔اے ہاسٹل میں رات کے وقت طوائفوں کے آنے کا ذکر ہوا تو سپیکر کے "استحقاق اور معززین" نے جوش مارا اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ بات سپیکر چیمبر میں کریں۔ پنجاب ہاؤس' پیپلز ہاؤس' ایم۔پی۔اے ہاسٹل اور اسلام آباد کے ایم۔این۔اے ہوسٹل سے لے کر سرکاری مہمان خانوں تک تمام جگہوں پر اسمبلیوں کے اجلاس کے دوران طوائفوں اور کال گرلز کا راج رہتا ہے۔ اس مقصد کے لئے کراچی اور لاہور میں خصوصی ادارے قائم ہیں۔ جہاں سے صحت مند اور خوبرو لڑکیاں سیاسی عیاشیوں کے لئے مہیا کی جاتی ہے۔ جونہی اسلام آباد یا لاہور اسمبلیوں کے اجلاس شروع ہوتے ہیں۔ خوبرو لڑکیوں کے سوداگر کہتے ہیں کہ ہمارا "دھندہ" شروع ہو گیا ہے۔ اکثر اوقات مال کی کمی بھی پیش آجاتی ہے۔ کئی ایسی دوشیزائیں بھی ہوتی ہیں جن کے جسم کے خریدار بیک وقت کئی کئی ایم۔پی۔اے اور ایم۔این۔اے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں مال سپلائی کرنے والے کئی بہانے بناتے ہیں اور ایسے لوگوں کو مطلوبہ "کلی" دی جاتی ہے۔ جو زیادہ دولت مند یا بااثر ہو۔ اسلام آباد میں میڈم طاہرہ یہ دھندہ کرتی ہے جبکہ لاہور میں ایک نیا کردار "نورین" کے نام سے سامنے آیا ہے۔ نورین اس وقت لاہور میں تین کوٹھیوں کی مالک ہے۔ اس نے کئی گاڑیاں اور پاک ٹیل سیٹ رکھے ہوئے ہیں وہ عمر کے اعتبار سے ادھیڑ عمر کہلواتی

ہے۔ لیکن "برے کام کے لئے بری" نہیں سمجھی جاتی۔ اس کی اداکاری دیکھ کر لوگ اسے کوئی بہت بڑی "بزنس مین" خیال کرتے ہیں۔ جبکہ وہ ایک ایسی ماڈرن عورت ہے کہ اراکین اسمبلی' سیاست دانوں اور سرکاری افسروں کو خوبصورت لڑکیاں فراہم کرنا اس کا اصل دھندہ ہے۔ ہمارے علم میں اس کا ایک پاک ٹیل اور تین کوٹھیوں کے نمبر ہیں۔ یہ ٹیلی فون نمبر ایک خفیہ ایجنسی کے ریکارڈ سے ملے ہیں۔ "نورین" کی فائل میں بھی لکھا ہوا ہے کہ وہ کن کن سیاست دانوں اور اراکین اسمبلی کو مال مہیا کرتی ہے۔ اس کی تین کوٹھیاں ماڈل ٹاؤن' گلبرگ اور ڈیفنس کی جدید آبادیوں میں واقع ہیں۔ وہ ماڈلنگ کے حوالے سے لڑکیاں ڈھونڈتی اور پھر انہیں بڑے لوگوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کا عادی بنا دیتی ہے۔ اس وقت لاہور میں اس کی فراہم کردہ دوشیزاؤں کا ریٹ دس ہزار روپے رات تک ہے۔ نورین جب بھی اپنے کام کی غرض سے اپنے گاہک ایم۔پی۔اے یا وزیر کے دفتر میں جاتی ہے۔ تو اس کا استقبال کرتے ہوئے مذکورہ کردار کے من مندر کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔ اس نورین خالد کو کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ وہ مجبوریاں خریدتی اور حسین دوشیزاؤں کو فروخت کرکے اہل اقتدار طبقوں کے دلوں پر حکمرانی کرتی ہے۔ اراکین اسمبلی عام طور پر ہیرا منڈی میں نہیں جاتے۔ کیونکہ یہاں اکثر لڑکیاں شہرت یافتہ ہوتی ہیں۔ طوائفوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانے کے لئے وہ کوٹھیوں کا رخ کرتے ہیں۔ اور ایسے عشرت کدے لاہور کی تمام جدید آبادیوں یا ماڈرن علاقوں میں قائم ہیں۔ اراکین اسمبلی کو ان کے چمچے بھی خوش رکھنے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے ایسی لڑکیوں کی مجبوریوں سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے جو خوبصورت ہوتے ہوئے سرکاری ملازمت اختیار کرنے کی غلطی کرتی ہیں۔ ایسی خوبرو دوشیزاؤں کو اراکین اسمبلی کے "ایجنٹ" معطل یا دور دراز علاقوں میں تبدیل کروا دیتے ہیں۔ یہ دوشیزائیں مختلف جگہوں سے ہوتی ہوئی بالآخر رکن اسمبلی کے "ایجنٹ" کی خدمات حاصل کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اب ممبران اسمبلی اس لڑکی کا مسئلہ حل کرنے کے لئے اس کے جسم سے کھیلنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ایسی کئی لڑکیاں سیکرٹریٹ' اسمبلی ہال اور

اراکین اسمبلی کی رہائش گاہوں کے ارد گرد دھکے کھاتی پھرتی ہیں۔ ان دوشیزاؤں میں اکثریت محکمہ تعلیم اور محکمہ صحت سے تعلق رکھتی ہے۔ سیاست دانوں کی عیاشی کی بھینٹ چڑھ جانے والی بعض لڑکیاں تو اپنا مطلب نکال کر جان چھڑا لیتی ہیں۔ لیکن کئی حالات کی چکی میں پس کر ہر روز ایک نئے بستر کی زینت اور اک نئے گاہک کی پیاس بجھانے کی عادی ہو جاتی ہیں۔ ایسی لڑکیوں اور ایسے اراکین اسمبلی کی ایک لمبی فہرست ہے۔

یہ ہے ایم۔این۔اے ہاسٹل

11 ستمبر 1990ء کو ایم۔این۔اے ہاسٹل اسلام آباد میں لڑکیوں کے معاملہ پر ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ گالیوں کے تبادلہ کے بعد چھرے نکل آئے۔ ایک شخص شدید زخمی ہو گیا۔ ہاسٹل انتظامیہ کی اطلاع پر پولیس نے چھاپہ مار کر ایک عورت اور تین مرد گرفتار کر لئے اور مقدمہ درج کر لیا۔ شدید زخمی کو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ ڈائریکٹر ہاسٹل نے تمام کمرے سیل کر دیئے۔ تفصیلات کے مطابق جمعہ کی رات ایم۔این۔اے ہاسٹل کے کمرہ نمبر 112 میں شراب و شباب کی محفل عروج پر تھی' اس مقصد کے لئے راولپنڈی کی حنا اور عشرت کو لایا گیا تھا۔ محفل میں ایک سیکشن افسر افضل' امتیاز احمد اور مقصود شامل تھے۔ رات گئے تینوں افراد میں لڑکی کے معاملے پر جھگڑا ہو گیا۔ شراب کے نشے میں دھت افراد نے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ بعد ازاں بوتلیں توڑ کر حملے کئے اور چھرے نکل آئے۔ چھرے کے حملے سے امتیاز احمد شدید زخمی ہو گیا۔ ہنگامہ پورے ایم۔این۔اے ہاسٹل میں پھیل گیا' جس کے بعد ہاسٹل کی انتظامیہ نے تھانہ سیکرٹریٹ کو اطلاع دی۔ پولیس نے رات تین بجے چھاپہ مار کر تین مردوں اور حنا کو گرفتار کر لیا' جبکہ اس سے قبل عشرت پچھلے راستے سے فرار ہو گئی تھی۔ پولیس نے چاروں ملزموں کو پولی کلینک ہسپتال میں پہنچا دیا' جہاں طبی امداد کے علاوہ میڈیکل بھی ہوا۔ اس موقع پر روزنامہ "خبریں" کی ٹیم نے حنا سے پوچھا تو اس نے کہا میں اپنے خاوند کے ساتھ کمرہ نمبر 113 میں تھی' میرے سینے میں تکلیف ہوئی تو میں باہر نکلی اور مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ میں بے گناہ ہوں' تاہم معلوم ہوا کہ حنا بھی شراب کے

نشے میں دھت تھی۔ پولیس نے تمام ملزموں کو گرفتار کر کے تھانہ سیکرٹریٹ پہنچا دیا۔ بعد ازاں ڈائریکٹر ہاسٹل نے کارروائی کرتے ہوئے ملزموں کے زیر استعمال کمرہ نمبر 95,112,52 اور 113 کو سیل کر دیا۔ دریں اثناء جوڈیشل مجسٹریٹ میاں جاوید نے ایم۔این۔اے ہاسٹل میں رنگین محفل سجانے والی دوشیزہ سمیت 14 افسروں کو 14 روز کے ریمانڈ پر اڈیالہ جیل بھیج دیا۔ معلوم ہوا کہ شراب کی محفل کو سرکاری افسر فہیم خان نے سجایا تھا۔ چھاپے کے دوران فہیم خان عشرت کے ہمراہ فرار ہو گیا۔

طاہر سلطان ایم۔این۔اے

سول جج آغا انعام الرحیم نے جھنگ سے رکن قومی اسمبلی محمد طاہر سلطان کو 13 اکتوبر کو عدالت میں طلب کیا ہے۔ یہ طلبی ان کی اہلیہ شیلا جیلانی کی جانب سے گھریلو اخراجات کی ادائیگی کے لئے دائر کئے گئے ایک دعویٰ پر کی گئی ہے۔ دعویٰ میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ شیلا جیلانی کی شادی 30 مئی 1989ء کو تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ کے محمد سلطان سے ہوئی۔ جس سے ایک بیٹی شرمین سلطان اور ایک بیٹا حیدر سلطان پیدا ہوا۔ شادی کے چند ماہ بعد تک طاہر سلطان کا رویہ خوشگوار رہا۔ بعد ازاں خرچ نہ دینا اور اکثر گھر سے باہر رہنا طاہر سلطان کا معمول بن گیا۔ درخواست گزار نے جب بھی احتجاج کیا تو طاہر سلطان نے اس اعتماد میں لے کر کہا کہ مجھے باہر لوگوں کے کام کرنے کے لئے رہنا پڑتا ہے۔ درخواست گزار کو معلوم ہوا ہے کہ اس کے شوہر محمد طاہر سلطان کے غیر عورتوں سے تعلقات ہیں اور وہ اپنی تمام آمدنی شراب نوشی اور عیاشی میں خرچ کر رہا ہے۔ درخواست گزار نے طاہر سلطان کو بری عادات ترک کرنے کے لئے کہا تو 2 سال قبل اسے دونوں بچوں سمیت گھر سے نکال دیا۔ اس وقت سے درخواست گزار اپنے والدین کے گھر رہائش پذیر ہے۔ کچھ عرصہ قبل معلوم ہوا ہے کہ اس کے شوہر محمد طاہر سلطان (ایم۔این۔اے) نے بدکردار عورت شمائلہ سے شادی کر لی ہے۔ شمائلہ مالدار مردوں کی جائیداد ہڑپ کرنے کے لئے شادی کا ڈرامہ رچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شمائلہ نے محمد طاہر سلطان سے دو کروڑ روپے کی زرعی اراضی اپنے نام منتقل کرا لی ہے۔ درخواست گزار کی بیٹی

شرمین سلطان ایسٹ فاؤنڈیشن مین گلبرگ لاہور میں زیر تعلیم ہے۔ جبکہ حیدر سلطان لاہور گرامر سکول ایم ایم عالم روڈ لاہور میں زیر تعلیم ہے۔ طاہر سلطان کی 4 کنال پر ایک کوٹھی گلبرگ اور 7 مربع اراضی سلطان باہو ضلع جھنگ میں ہے جس کی مالیت کروڑوں روپے ہے۔ درخواست گزار نے کئی بار خرچ ادا کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا اس نے تنگ آ کر 1 لاکھ روپے ماہانہ اور 24 لاکھ روپے سابقہ خرچ کی وصولی کے لئے سول جج کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔

بوسہ لیگ

مرکزی رہنما سینیٹر حافظ فضل محمد نے 13 اکتوبر 1997ء کو ایک بیان میں کہا کہ نواز شریف کی مسلم لیگ اب "بوسہ لیگ" بن چکی ہے۔ شیخ رشید کے بعد اب سپیکر قومی اسمبلی الٰہی بخش سومرو بھی اس میدان میں اتر آئے ہیں۔ حافظ فضل محمد نے کہا کہ نواز شریف کو بدھ اور جمعرات کے اخبارات میں قومی اسمبلی کے سپیکر الٰہی بخش سومرو کی مصورہ افشاں شعیب کے ساتھ تصویر دیکھ کر اپنے انتخاب پر ضرور فخر ہوا ہوگا۔ الٰہی بخش سومرو کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ آرٹسٹوں سے گلے مل کر بوس و کنار کے لئے سسکیاں بھریں۔ انہوں نے کہا کہ نواز شریف کو چاہئے کہ وہ الٰہی بخش سومرو کے خلاف نہ صرف کارروائی کریں بلکہ ایسے شخص جس کو اپنی اسلامی روایات کا بھی پاس نہ ہو اس طرح کے عہدے پر رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ پوری قوم نے الٰہی بخش سومرو کی حرکات و سکنات دیکھی ہوں گی لیکن بتایا جائے کہ جب ان کے گھر والوں نے یہ تصویر دیکھی ہوگی تو ان پر کیا گزری ہوگی۔ حافظ فضل محمد نے کہا کہ اگر الٰہی بخش سومرو کی مصورہ افشاں شعیب سے گلے ملتے ہوئے تصویر کھینچنے والے فوٹو گرافر نہ صرف مبارکباد کے مستحق ہیں بلکہ انہیں اس طریقے سے ایسے رہنماؤں کے اصلی چہرے قوم کے سامنے لانے پر خصوصی ایوارڈ بھی دینے چاہئیں۔ جمعیت کے رہنما نے کہا کہ دوسری جماعتوں کو "فاشسٹ" کہنے والے نواز شریف اس تصویر کے شائع ہونے کے بعد اپنی جماعت کے رہنماؤں کو کیا خطاب دیں گے۔ ابھی تو یہ سورج کی روشنی میں الٰہی بخش سومرو کی ایک جھلک

نشے میں دھت تھی۔ پولیس نے تمام ملزموں کو گرفتار کر کے تھانہ سیکرٹریٹ پہنچا دیا۔ بعد ازاں ڈائریکٹر ہاسٹل نے کارروائی کرتے ہوئے ملزموں کے زیر استعمال کمرہ نمبر 95,112,52 اور 113 کو سیل کر دیا۔ دریں اثناء جوڈیشل مجسٹریٹ میاں جاوید نے ایم۔این۔اے ہاسٹل میں رنگین محفل سجانے والی دوشیزہ سمیت 14 افسروں کو 14 روز کے ریمانڈ پر اڈیالہ جیل بھیج دیا۔ معلوم ہوا کہ شراب کی محفل کو سرکاری افسر فہیم خان نے سجایا تھا۔ چھاپے کے دوران فہیم خان عشرت کے ہمراہ فرار ہو گیا۔

طاہر سلطان ایم۔این۔اے

سول جج آغا انعام الرحیم نے جھنگ سے رکن قومی اسمبلی محمد طاہر سلطان کو 13 اکتوبر کو عدالت میں طلب کیا ہے۔ یہ طلبی ان کی اہلیہ شیلا جیلانی کی جانب سے گھریلو اخراجات کی ادائیگی کے لئے دائر کئے گئے ایک دعوئ پر کی گئی ہے۔ دعویٰ میں موقف اختیار کیا گیا ہے کہ شیلا جیلانی کی شادی 30 مئی 1989ء کو تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ کے محمد سلطان سے ہوئی۔ جس سے ایک بیٹی شرمین سلطان اور ایک بیٹا حیدر سلطان پیدا ہوا۔ شادی کے چند ماہ بعد تک طاہر سلطان کا رویہ خوشگوار رہا۔ بعد ازاں خرچ نہ دینا اور اکثر گھر سے باہر رہنا طاہر سلطان کا معمول بن گیا۔ درخواست گزار نے جب بھی احتجاج کیا تو طاہر سلطان نے اس اعتماد میں لے کر کہا کہ مجھے باہر لوگوں کے کام کرنے کے لئے رہنا پڑتا ہے۔ درخواست گزار کو معلوم ہوا ہے کہ اس کے شوہر محمد طاہر سلطان کے غیر عورتوں سے تعلقات ہیں اور وہ اپنی تمام آمدنی شراب نوشی اور عیاشی میں خرچ کر رہا ہے۔ درخواست گزار نے طاہر سلطان کو بری عادات ترک کرنے کے لئے کہا تو 2 سال قبل اسے دونوں بچوں سمیت گھر سے نکال دیا۔ اس وقت سے درخواست گزار اپنے والدین کے گھر رہائش پذیر ہے۔ کچھ عرصہ قبل معلوم ہوا ہے کہ اس کے شوہر محمد طاہر سلطان (ایم۔این۔اے) نے بدکردار عورت شمائلہ سے شادی کر لی ہے۔ شمائلہ مالدار مردوں کی جائیداد ہڑپ کرنے کے لئے شادی کا ڈرامہ رچاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شمائلہ نے محمد طاہر سلطان سے دو کروڑ روپے کی زرعی اراضی اپنے نام منتقل کرا لی ہے۔ درخواست گزار کی بیٹی

شرمین سلطان ایسٹ فاؤنڈیشن مین گلبرگ لاہور میں زیر تعلیم ہے۔ جبکہ حیدر سلطان لاہور گرائمر سکول ایم ایم عالم روڈ لاہور میں زیر تعلیم ہے۔ طاہر سلطان کی 4 کنال پر ایک کوٹھی گلبرگ اور 7 مربع اراضی سلطان باہو ضلع جھنگ میں ہے جس کی مالیت کروڑوں روپے ہے۔ درخواست گزار نے کئی بار خرچ ادا کرنے سے انکار کر دیا لہٰذا اس نے تنگ آ کر 1 لاکھ روپے ماہانہ اور 24 لاکھ روپے سابقہ خرچ کی وصولی کے لئے سول جج کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔

بوسہ لیگ

مرکزی رہنما سینیٹر حافظ فضل محمد نے 13 اکتوبر 1997ء کو ایک بیان میں کہا کہ نواز شریف کی مسلم لیگ اب "بوسہ لیگ" بن چکی ہے۔ شیخ رشید کے بعد اب سپیکر قومی اسمبلی الٰہی بخش سومرو بھی اس میدان میں اتر آئے ہیں۔ حافظ فضل محمد نے کہا کہ نواز شریف کو بدھ اور جمعرات کے اخبارات میں قومی اسمبلی کے سپیکر الٰہی بخش سومرو کی مصورہ افشاں شعیب کے ساتھ تصویر دیکھ کر اپنے انتخاب پر ضرور فخر ہوا ہو گا۔ الٰہی بخش سومرو کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ آرٹسٹوں سے گلے مل کر بوس و کنار کے لئے سسکیاں بھریں۔ انہوں نے کہا کہ نواز شریف کو چاہئے کہ وہ الٰہی بخش سومرو کے خلاف نہ صرف کارروائی کریں بلکہ ایسے شخص جس کو اپنی اسلامی روایات کا بھی پاس نہ ہو اس طرح کے عہدے پر رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ پوری قوم نے الٰہی بخش سومرو کی حرکات و سکنات دیکھی ہوں گی لیکن بتایا جائے کہ جب ان کے گھر والوں نے یہ تصویر دیکھی ہو گی تو ان پر کیا گزری ہو گی۔ حافظ فضل محمد نے کہا کہ اگر الٰہی بخش سومرو کی مصورہ افشاں شعیب سے گلے ملتے ہوئے تصویر کھینچنے والے فوٹو گرافر نہ صرف مبارکباد کے مستحق ہیں بلکہ انہیں اس طریقے سے اپنے رہنماؤں کے اصلی چہرے قوم کے سامنے لانے پر خصوصی ایوارڈ بھی دینے چاہئیں۔ جمعیت کے رہنما نے کہا کہ دوسری جماعتوں کو "فاشسٹ" کہنے والے نواز شریف اس تصویر کے شائع ہونے کے بعد اپنی جماعت کے رہنماؤں کو کیا خطاب دیں گے۔ ابھی تو یہ سورج کی روشنی میں الٰہی بخش سومرو کی ایک جھلک

اخبارات میں شائع ہوئی ہے نیم تاریک کمروں میں کیا ہوتا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ وہ نہ صرف یہ مسئلہ دونوں معزز ایوانوں میں اٹھائیں گے بلکہ ان کی جماعت اس کے خلاف بھرپور احتجاج بھی کرے گی اور اس طرح کی نجی محفلوں کو بند کرانے کے لئے تمام دوسری دینی جماعتوں سے بھی رابطہ کرے گی تاکہ اس فحش کلچر کو بند کرانے کے لئے ٹھوس حکمت عملی تیار کی جاسکے۔

مسلم لیگی ایم پی اے اور اسکے بھائی پر شرمناک الزامات

ایک اعلیٰ سطحی تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق: "لیاقت عباس نے اپنے بھائی مہدی حسن بھٹی سابق ایم۔پی۔اے کے منصب کا بھرپور ناجائز فائدہ اٹھایا اور سرکاری اہل کار محض اس کے گماشتے بن کر رہ گئے۔ لیاقت عباس کو حافظ آباد کا راسپوٹین کا خطاب دینے میں کوئی تعجب محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ مذکورہ نے زناکاری اور حرام کاری کے ایک نئے باب کو جنم دیا۔ اپنی شیطانی خواہشات کی تکمیل کے لئے مذکورہ نے شعبہ تعلیم سے وابستہ تدریسی زنانہ سٹاف کو اپنا ہدف بنایا۔ دو خاتون افسران (ہم ان کے نام شائع نہیں کر رہے ہیں) کے توسط سے خوبصورت استانیوں کی فہرست تیار ہوتی' پھر ایک ایک کرکے ان استانیوں کا تبادلہ دور دراز علاقوں میں کر دیا جاتا۔ یہ دونوں افسران' استانیوں کے رابطہ کرنے پر' انہیں لیاقت عباس سے رجوع کرنے کی تلقین کرتیں اور بالآخر جب لیاقت عباس اپنے مکروہ عزائم میں کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا تو اس کے کہنے پر تبادلہ منسوخ کر دیا جاتا۔ لیاقت عباس کی سفارش پر متعدد غیر سند یافتہ استانیوں کو تدریس کے شعبے میں ملازمت دی گئی اور جعلی اسناد پر بھی ملازمتیں دلوائی گئیں۔"

رپورٹ میں ان آٹھ خواتین کا تذکرہ بھی ہے' جنہیں ناجائز مراسم کی بنا پر جعلی اسناد پر ملازمت دلوائی گئی' آؤٹ آف ٹرن پروموشن دی گئی اور دیگر خصوصی مراعات اور نوازشات کی گئیں۔ رپورٹ کے مطابق---- "پھر بھی لیاقت عباس کی حرص نفسانی کی تشفی نہ ہو سکی۔ مذکورہ نے اپنے معتمد خاص آفتاب میانہ اور بہادر شاہ عرف بہادری کے ہمراہ زنا بالجبر کی ایک الگ داستان رقم کی۔"

★ "سول ہسپتال حافظ آباد میں متعین ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر (جو میاں بیوی ہیں) ڈیڑھ سال قبل شام کو تفریح کے لئے اپنی کار پر نکلے۔ وہ پٹرول پمپ پر پٹرول لے رہے تھے کہ لیاقت عباس' آفتاب میانہ اور بہادر شاہ عرف بہادری' انہیں اغوا کرکے ریسٹ ہاؤس لے گئے اور خاوند کی موجودگی میں بیوی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ دونوں میاں بیوی اگلے روز ڈی۔ایس۔پی کے پاس فریاد لے کر گئے' تو ڈی۔ایس۔پی نے لیاقت عباس کو شریف شہری قرار دیا' دونوں ڈاکٹر مستعفی ہو کر غالباً ملک ہی چھوڑ گئے۔"

★ لیاقت عباس نے اپنے غنڈوں کی مدد سے طالبہ کو کالج جاتے ہوئے اغوا کر لیا اور 21 روز تک اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ حافظ آباد میں احتجاجی جلوس نکلے' ہڑتال ہوئی اور 21 روز بعد لیاقت عباس نے مظلوم طالبہ کو واپس کر دیا۔

★ پنڈی بھٹیاں دربار روڈ کی لڑکی---- کو ویگن سے زبردستی اتار کر پٹرول پمپ کے تہہ خانے میں ہوس کا نشانہ بنایا۔

★ یہ داستان بھی عام ہے کہ لیاقت عباس' پٹرول پمپ پر پٹرول حاصل کرنے والی ایک بارات سے دلہن کو زبردستی اغوا کرکے تہہ خانے میں لے گیا اور----!

رپورٹ میں ان عورتوں کی تفصیل بھی درج ہے' جن سے لیاقت عباس کے ناجائز مراسم ہیں یا وہ اس کے لئے خواتین کی فراہمی کے فرائض انجام دیتی ہیں---- رپورٹ میں اس روح فرسا واقعے کی تفصیل بھی درج ہے' جو ان دنوں اخبارات کی سرخیوں میں نمایاں ہے----

"مورخہ 7-9-89 کو لیاقت عباس نے ہمراہ شیخ پرویز' بہادر خاں عرف بہادری (مشہور ہیروئن فروش) ایک لڑکی راشدہ کو اس کے گھر سے اغوا کیا۔ اس کا والد احمد علی ماچھی' لیاقت عباس کے پٹرول پمپ پر منشی ہے۔ لڑکی کے والدین اس روز موضع امرا گئے ہوئے تھے۔ لڑکی کے ہمراہ اس کی ایک سہیلی---- بھی تھی۔ تمام رات لڑکیوں کو شراب پلا کر ان سے بدکاری کرتے رہے' کثرت زنا اور شراب نوشی

سے راشدہ کی حالت غیر ہو گئی تو اسے ہسپتال لے گئے' اور ظاہر کیا کہ امرود کھانے سے اسے ہیضہ ہو گیا ہے۔ وہ اس حالت میں مر گئی اور اس کے والد کو خوف زدہ کر کے اس کی لاش کرم اللہ چوک کے نزدیک قبرستان میں دفن کر دی گئی۔ ہسپتال کے ریکارڈ کے مطابق

Medical Examination No.1753

Dated : 7.9.1989

Cause of death : Coma Shock

Admitted at 01.45 P.M.

Died at 2.40 P.M.

رپورٹ میں مہدی حسن بھٹی کی ایک واردات کا بھی ذکر ہے ------ داشتہ تھی۔ وہ ناجائز تعلقات کے شاخسانہ میں حاملہ ہو گئی۔ مذکوریہ اپنی والدہ کے ہمراہ چیپل باؤس گئی۔ ایم۔پی۔اے صاحب اسے لیڈی ولنگڈن ہسپتال لاہور لے گئے۔ ہسپتال کے عملے کے انکار پر انہیں اپنی عزت کا واسطہ دے کر پیمار پاکستان کی دہلیز پر رات بسر کرنے کے لئے چھوڑ گئے اور وعدہ کے مطابق لوٹ کر نہ آئے ------ کو اس کی والدہ فیصل آباد لے گئی' مذکوریہ کی اسقاط حمل کے دوران موت واقع ہو گئی۔"

رپورٹ میں مزید کہا گیا کہ ------ مہدی حسن بھٹی اور اس کے حواریوں نے نہر لوئر چناب اور رکھ برانچ سے محکمہ انہار و جنگلات کی معاونت سے کروڑوں روپے مالیت کے درخت چوری کروا لئے۔ یہ درخت چوہدری اختر ------ جو چوہدری الطاف حسین ایم۔این۔اے کا خاص آدمی ہے' کے توسط سے راولپنڈی اور ٹیکسلا میں فروخت ہوئے۔ مورخہ 91-3-7 کو مہدی حسن بھٹی کے معتمد خاص بختاور کے قبضے سے مسروقہ درخت شیشم ٹرالی پر لوڈ شدہ پکڑے گئے۔ جن پر مقدمہ 55/91 جرم 379/411 ت پ تھانہ صدر حافظ آباد رجسٹر ہوا۔

لیاقت عباس کی گرفتاری کے بعد مبینہ طور پر مہدی حسن بھٹی ایم۔پی۔اے نے اپنا تمام ناجائز اسلحہ بختاور کے برادر نسبتی لیاقت ولد بہاول کے گھر منتقل کر دیا۔ ایس۔ایچ۔او سکھیکی نے مخبری پر ڈیرہ سلطان پر ریڈ کیا اور مندرجہ ذیل

ناجائز اسلحہ کھیت میں دفن' برآمد کیا۔

1. ایک ضرب رائفل۔ 7 ایم ایم' مع 37 ضرب گولیاں۔
2. پستول بغیر میگزین ---- 24 ضرب گولیاں۔
3. مین پسٹل مع 8 ضرب گولیاں۔

ایک مصدقہ اطلاع کے مطابق ریڈ مکمل طور پر کامیاب نہ ہوا اور پولیس کے چلے جانے کے بعد 6 کلاشنکوف' 3 ماؤزر اور 1400 گولیاں (کلاشنکوف) کی لیاقت مذکور نے مہدی حسن بھٹی کے کسی اور معتمد کے گھر منتقل کر دیں ----

مختلف تفتیشی ایجنسیوں کی رپورٹس کے مطابق' مہدی حسن بھٹی پر الزامات کی نوعیت یوں ہے:

1. حافظ آباد میں ایک کارخانے سے 80 بوری چاول' چوکیدار کو باندھ کر سرقہ کئے گئے۔ پولیس نے ملزمان گرفتار کر لئے تو ایم۔پی۔اے مذکورہ نے مدعی کو ڈرا دھمکا کر صلح نامہ پولیس کو پیش کر دیا۔
2. تھانہ صدر حافظ آباد کے علاقے میں' مہدی حسن بھٹی کے پٹرول پمپ کے نزدیکی گاؤں ٹھٹھہ کرال میں کچھ لوگ ڈکیتی کی نیت سے داخل ہوئے ------ لوگوں نے پیچھا کیا اور ایک آدمی کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ جس کو اسی وقت ایم۔پی۔اے کا بھائی لیاقت عباس چھڑوا کر لے گیا ---- دوسرا آدمی مہدی حسن بھٹی کا گن مین نکلا جس کو ایم۔پی۔اے نے بدنامی سے بچنے کے لئے پولیس کو پیش کر دیا ------
3. اشتہاری مجرم' سیف الرحمن عرف سیفو کو ایم۔پی۔اے نے پناہ دی۔ رات کو اس سے ڈاکے ڈلوائے جاتے اور صبح اس سے گن مین کا کام لیا جاتا۔ اس نے پنڈی بھٹیاں حافظ آباد روڈ پر متعدد ڈاکے ڈالے۔
4. کلاشنکوفوں سے مسلح چار پانچ آدمی ہر وقت ایم۔پی۔اے کی جیپ میں سفر کرتے ہیں' اور اسلحہ کی نمائش کرتے رہتے ہیں۔
5. جہانگیری انسپکٹر تھانہ صدر حافظ آباد ہوتے تھے' انہیں دھمکیاں دیں' بے عزتی کی۔ جس کی رپورٹ افسران بالا کو کی گئی' ایم۔پی۔اے نے آئندہ بستر

طرز عمل کا وعدہ کیا۔

6. بجلی چوری کا دھندہ کرتا ہے' اپنے ٹیوب ویل کو ڈائریکٹ کنکشن دے رکھا ہے۔ واپڈا کے تقریباً 10 لاکھ روپے اس کے ذمے واجب الاداء ہیں۔ واپڈا کے اہل کار بجلی کاٹنے جائیں' تو انہیں زدوکوب کیا جاتا ہے۔

7. سرکاری "معاملہ" کے تقریباً اڑھائی لاکھ روپے اس سے واجب الوصول ہیں۔ محکمہ مال کا کوئی افسر یا اہل کار وصولی کا تقاضا کرے' تو اس کی بے عزتی کی جاتی ہے' یا تبادلہ کرا دیا جاتا ہے۔

8. اپنی مرضی سے خاتون افسروں کو مختلف محکموں میں تعینات کراتا ہے' کوئی خوبصورت لڑکی نظر آجائے تو اس کا تبادلہ کرا دیتا ہے اور پھر پیغام بھجواتا ہے کہ اس سے ملو' کام ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔۔ یہ کام زیادہ تر محکمہ تعلیم کی ایک خاتون افسر اور اس کے شوہر کے ذریعے کراتا ہے' جس کے ساتھ ان دنوں اس کے تعلقات بظاہر ٹھیک نہیں۔ اس کا کہنا ہے۔ "ایم۔پی۔اے کی خواہشات کہاں تک پوری کروں۔"

9. ایک وکیل۔۔۔۔ کو اپنا ٹاؤٹ بنایا ہوا ہے' جو لوگوں سے اس کے نام پر پیسے بٹورتا ہے۔ رقم دونوں آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔

10. یہ بات بھی عام ہے کہ ایم۔پی۔اے مذکورہ ایس۔ایچ۔او تھانہ سکھیکی کے ذریعے رشوت حاصل کرتا ہے' ملزمان کو حوالات سے نکال کر تشدد کیا جاتا ہے اور پھر ان سے بھاری رقم وصول کی جاتی ہے۔

11. یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے سکھیکی میں اللہ دتہ ولد کالو کو ٹاؤٹ بنایا ہوا ہے۔ وہ کھلے بندوں سرکاری ملازمین کو ڈرا دھمکا کر کام لیتا ہے' رشوت حاصل کرتا ہے' بگا ٹیکس وصول کرتا ہے۔ ٹول ٹیکس ٹاؤن کمیٹی وصول کرکے خود ہضم کر جاتا ہے اور کہتا ہے "یہ ہمارا حق ہے۔"

12. حافظ آباد میں تمام محکموں کے ٹھیکہ جات اپنے بھائیوں' کارکنوں اور خفیہ ناموں پر کم ریٹ پر حاصل کرتا ہے' کسی دوسرے ٹھیکیدار کو جرات نہیں کہ ٹینڈر داخل کرسکے۔ نیز ناقص میٹریل استعمال کرکے ملکی دولت کو لوٹ

رہا ہے' دوسرے ٹھیکیداروں سے بگا ٹیکس وصول کرتا ہے۔

13. یہ مشہور ہے کہ اس نے ایک شوگر مل کا این۔او۔سی دلانے کے لئے 25 لاکھ روپے رشوت کے طور پر حاصل کئے۔

14. یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے میونسپل کمیٹی حافظ آباد کی سرکاری ملکیت جائیداد' دکانیں وغیرہ (واقع ستارہ مارکیٹ' فیصل مارکیٹ) کم نرخوں پر دلوانے کے لئے دکانداروں سے دس لاکھ روپے رشوت لی۔

15. گزشتہ دنوں میونسپل کمیٹی کے کونسلر یاسین کو الیکشن جتانے کے لئے دھاندلی کی اور محکمہ تعلیم کی خاتون افسر۔۔۔۔ کے ذریعے جعلی ووٹ ڈلوا کر یاسین کو کامیاب کرایا اور اس کے عوض بھاری رقم وصول کی۔

16. جھوٹے مقدمات درج کرائے' انہیں خارج کرانے کے عوض بھاری معاوضہ وصول کرتا ہے۔

17. موضع بلو تحصیل حافظ آباد میں سردار نامی شخص کی دس مربع اراضی پر ناجائز قبضہ کرانے کی کوشش کی' جو ناکام رہی۔

18. گزشتہ دنوں راجہ اشفاق (ایم۔پی۔اے جہلم) کے ایک عزیز کو گرفتار کرایا اور اس کی رہائی کے عوض بھاری رقم حاصل کی۔

19. اس کے گن مین سے دو کلو ہیروئن برآمد ہوئی' وہ جیل میں ہے۔

20. سرکاری بنکوں سے حاصل کردہ قرضہ جات واپس نہیں کرتا۔ بینکوں سے حاصل کردہ قرضوں سے کمبائنڈ ہارویسٹر خریدے' سپیشل جج بنکنگ کی طرف سے قرقی کی کارروائی پر عمل درآمد نہیں ہونے دیتا۔

سرکاری رپورٹوں میں' علاقے میں ہیروئن کے گیارہ اڈوں کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔ جو مبینہ طور پر مہدی حسن بھٹی کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔ ہونڈا' سوک (سیاہ کلر) اور سوزوکی (سرخ کلر) میں "مال" آتا ہے اور فروخت کے لئے کسی کو 10 فیصد' کسی کو 50 فیصد اور کسی کو 80 فیصد پر سپلائی کر دیا جاتا ہے۔

خواتین کونسلرز

بلدیہ عظمیٰ لاہور کی 22 خواتین کونسلروں سمیت 93 رکنی وفد کی سیر سپاٹے پر مشتمل فائل بھی کھل گئی اور ایڈمنسٹریٹر نے سرکاری خزانے کی بے دردی سے لوٹ کھسوٹ کی تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔ خواتین کونسلرز کی "مری یاترا" کے دوران بچوں کی آڑ میں ان کے قریبی رشتہ دار اور سیاسی دوست بھی ساتھ تھے' جس کے باعث ٹرانسپورٹ کم پڑ گئی اور بہت سے لوگ کھڑے ہو کر مری پہنچے۔ خواتین کونسلرز کے دورے کے دوران انتہائی شرمناک واقعات بھی رونما ہوئے' جس سے نہ صرف بلدیاتی اداروں کی ساکھ متاثر ہوئی بلکہ کونسلروں کی نیک نامی پر بھی حرف آیا۔ سب سے بڑھ کر قومی خزانے کا غیر قانونی استعمال کیا گیا۔ عسکری قیادت کی ہدایت پر اس دورے پر اٹھنے والے اخراجات کی تفصیلی رپورٹ طلب کر لی گئی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ خواتین کونسلرز کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے خاوند اور پانچ سال سے کم عمر بچوں کو ساتھ لے جا سکتی ہیں۔ مگر خواتین کونسلرز نے نہ صرف اپنے والدین' بھائیوں اور بچوں کو ساتھ لیا بلکہ ایک خاتون کونسلر نادرہ سعید نے مسلم لیگی رہنما مصباح رانی اور فیصل آباد سے آئی کزن کو بھی ساتھ لے لیا' اس طرح بعض کونسلروں نے اپنے محلے داروں کو فیملی شو کر کے مری کی سیر کی۔ 93 رکنی وفد جب مری پہنچا تو آدھی رات ہو چکی تھی اور میزبان انتظار کر کے جا چکے تھے۔ جس پر وفد میں افراتفری پھیل گئی اور سرکاری میزبان لارڈ میئر کی سیکرٹری مس ثمینہ اور چیف کارپوریشن افسر کی سیکرٹری عبداللہ نے لاہور رابطہ کیا' جس پر انتظامات کروائے گئے۔ مری ہوٹل میں 21 کمرے بک کروائے گئے۔ قیام کے دوران ایک شرمناک واقعہ بھی ہوا' دو شرابی ایک خاتون کونسلر کے کمرے میں گھس گئے اور غل غپاڑہ مچانا شروع کر دیا۔ معلوم ہوا کہ دونوں شرابیوں کا تعلق بھی متعلقہ کونسلر کے محلے سے تھا اور ان کی بیٹیوں کے جاننے والے تھے' اس دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ ایک خاتون کونسلر اکثر رات کو غائب ہو جاتی اور بلدیہ مری کے چیف افسر کے ساتھ دیکھی جاتی۔

مری ہوٹل نے بلدیہ لاہور کو 33 ہزار روپے کا بل بھجوا دیا جس پر افسران بپھر گئے تھے کیونکہ دورے سے قبل کہا گیا تھا کہ بلدیہ مری تمام خرچہ اٹھائے گی۔ بعد ازاں بلدیہ افسران نے بھی ٹی۔اے۔ڈی۔اے مانگ لیا تھا۔ کمشنر لاہور نے بلدیہ حکام سے وضاحت طلب کی ہے کہ اس دورے کی منظوری کس نے دی تھی اور اخراجات کس مد میں کئے گئے۔

امیر عبداللہ روکڑی (نامور مسلم لیگی)

سینیٹر امیر عبداللہ روکڑی نے گزشتہ روز ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں اسلامیہ کالج کا نالائق ترین طالب علم تھا۔ میری کوئی قابلیت نہیں۔ دوست میرے پرچے کرتے تھے۔ میرے کمرے میں دوست شراب پیتے تھے۔ یہ میرے پڑھنے کا طریقہ تھا۔

(4 دسمبر 1992 روزنامہ جنگ لاہور)

ملک سلیم اقبال صوبائی وزیر اطلاعات و ٹرانسپورٹ

حسن میری کمزوری ہے۔

(روزنامہ جنگ لاہور میگزین انٹرویو 22 تا 28 نومبر 1991ء)

سپلائر

آصف علی زرداری کے قریبی ساتھی شون گروپ کے رکن ڈاکٹر اعظم بیگ نے تحریری طور پر بیان دیا کہ وہ ناصر حسین کے ذریعے سابق وزیر اعظم محترمہ بے نظیر بھٹو کے شوہر آصف علی زرداری کو لڑکیاں سپلائی کرتا تھا۔ جن میں ملک کی مشہور فلمی اداکارائیں ریما' نیلی' مدیحہ شاہ' ریشم' میرا' زما' عندلیب' صائمہ' بجنی' حیا' لیلیٰ' ماروی' نتاشا اور لاشانہ شامل ہیں۔ اس نے اعترافی بیان میں کہا ہے کہ پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل چودھری احمد مختار' وزیر اعظم سیکرٹریٹ کے سابق ایڈیشنل سیکرٹری ظفر ہلالی' ایم بی عباسی کو بھی لڑکیاں سپلائی کی جاتی تھیں۔ احتساب سیل کے ترجمان نے بتایا کہ شون گروپ کے جن 17 افراد کو ہم نے پکڑ رکھا ہے ان میں سے ایک ڈاکٹر

عظیم بیگ ہے جس کے پاس سفارتی پاسپورٹ ہے جبکہ اس کا سالا گلوکارہ نازیہ حسن کا شوہر اشتیاق بیگ ہے جس کے پاس مراکش کا سفارتی پاسپورٹ ہے۔ ترجمان نے کہا کہ ڈاکٹر عظیم بیگ نے دس صفحات کا اقبالی بیان دیا ہے۔ جو اس نے رضاکارانہ طور پر دیا۔ جس میں اس نے اعتراف کیا ہے کہ وہ شوبز گروپ کے ناصر حسین کے ذریعے آصف علی زرداری کو لڑکیاں سپلائی کرتا تھا اور جو اداکارائیں اس نے سپلائی کیں ان میں ریما' مدیحہ شاہ' ریشم' میرا' نیلی' عندلیب' صائمہ' بھٹی' حنا' لیلیٰ' ماروی' نتاشا' نرما اور لاشانہ شامل ہیں۔ ترجمان نے کہا کہ ڈاکٹر اعظم نے اپنے اعترافی بیان میں کہا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر بہت سی لڑکیاں سپلائی کی گئی تھیں۔ اس نے کہا کہ وہ یہ لڑکیاں لاہور کی نائکہ شمیم مرزا' ثریا خانم اسلام آباد' مسز سیما لاہور' مسز اقبال یوسف (پارو) کراچی' عدنان (اسلام آباد)' کاشف راجہ (لاہور) اور بشیراں (لاہور) سے لیتا تھا اور یہ عورتیں اس کے پے رول پر تھیں۔ ڈاکٹر اعظم نے بیان میں کہا ہے کہ جب سابق وزیراعظم بے نظیر بھٹو اور آصف زرداری استنبول' لندن' امریکہ جاتے تھے تو ہم پروگرام بنا کر ان لڑکیوں کو لے کر دو روز قبل چلے جاتے تھے اور انہیں مختلف اپارٹمنٹس میں رکھتے تھے" جہاں آصف زرداری آجاتے تھے۔ اعظم نے بتایا کہ اسلام آباد میں میرا کوڈ نام شاہد خان تھا اور میں وہاں میریٹ ہوٹل میں 6 ایگزیکٹو روم بک کراتا تھا اور آصف زرداری چائنیز ریسٹورنٹ میں دوستوں کے ساتھ آتا اور وہاں سے سوئمنگ پول جانے کے بہانے ایگزیکٹو رومز میں جا کر پسند کی لڑکی کے ساتھ وقت گزارتا تھا۔ اعظم بیگ نے بتایا کہ آصف زرداری کے علاوہ اس سے لڑکیاں حاصل کرنے والوں میں سابق ایڈیشنل سیکرٹری پی ایم سیکرٹریٹ ظفر بلالی' امداد شیخ صدر پروونشل بینک' ایم پی عباسی سابق صدر پروونشل بینک' منیر باری سابق ڈی جی ٹیکنیکل کوڈ مینجمنٹ' پیپلزپارٹی کے سیکرٹری جنرل چودھری احمد مختار اور ایس ایم عبید شامل ہیں۔ ڈاکٹر اعظم بیگ نے بیان میں کہا ہے کہ ناصر حسین کے 500 سے زائد لڑکیوں سے تعلقات تھے اور ان میں طالبات بھی شامل ہیں۔ احتساب سیل کے ترجمان نے اخبار نویسوں کو ناصر حسین کی ریما' بھارتی اداکارہ مادھوری ڈکشٹ اور دیگر اداکاراؤں کے ساتھ تصاویر بھی دکھائیں اور ان اداکاراؤں کے پاسپورٹ کی

کاپیاں دکھائیں اور کہا کہ ان پر ان ہی تاریخوں کے ویزے ہیں جن میں آصف زرداری باہر کے اسی ملک میں ہوتے تھے۔

(روزنامہ خبریں لاہور 16 مئی 1999ء)

ریما اور پنجاب اسمبلی کے مسلم لیگی لوٹے

"باوجودیکہ ملک سیاسی بحران' شدید عدم استحکام اور پریشانی کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا۔ پنجاب مسلم لیگ کے صدر چوہدری پرویز الٰہی کی قیادت میں اسلام آباد میریٹ ہوٹل میں سیاسی پناہ لینے والے مسلم لیگی لوٹوں نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ وہ ریما کا ڈانس دیکھنا چاہتے ہیں۔

ان لوگوں کی ان حرکات پر بے حد تنقید ہوئی مگر انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ باوجودیکہ ہرچند مختلف اوقات میں تفریح مہیا کرنے کے لئے قوالی اور دیگر آئٹم وغیرہ پیش کئے گئے تھے مگر ان کا اصرار تھا کہ وہ ہر حال میں ریما کا ڈانس دیکھیں گے۔ لوٹوں کو بتایا گیا کہ اس ہوٹل میں اور مجرا کسی صورت میں بھی منعقد نہیں ہو سکتا۔ صحافی آپ کی حرکات پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اجتناب کریں۔ مگر ان کی ایک ہی ضد تھی کہ ہم ریما کا مجرا دیکھیں گے۔ ورنہ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں گے۔ پھر فوری طور پر اسلام آباد کے F/8 میں مجرا سیشن کا اہتمام کیا گیا۔ اور تمام لوگوں کو وہاں لے جایا گیا۔ جناب شہباز شریف کے خصوصی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ریما سپیشل لاہور سے بڑے اہتمام کے ساتھ آئی۔ اور ان لوگوں کے سامنے ڈانس کر کے اپنے بھرپور فن کا مظاہرہ کیا۔

(ہفت روزہ' پلس اسلام آباد 8 جولائی 1999ء)

اداکارہ ریما اور سفارش

سکندر مرزا کے زمانے میں ناہید مرزا کا حکم چلتا تھا۔ یحییٰ کے زمانے میں یحییٰ کی داشتہ "رانی" کا حکم چلتا تھا اور مسلم لیگی دور میں حکومتی حلقوں میں اداکارہ ریما کا طوطی بولتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی کلیدی عہدے پر فائز کسی بڑے افسر

اسیکرٹری' ایس۔ پی' ڈی۔ آئی۔ جی' کمشنر' ڈسٹرکٹ کلکٹر' انکم ٹیکس آفیسر' ایم۔ ایس' ڈاکٹر' ڈائریکٹرز وغیرہ کا ٹرانسفر یا معطلی وغیرہ ہوتی ہے تو وہ فوراً کسی جیولری کی دکان سے نایاب اور قیمتی ہار وغیرہ خرید کر اداکارہ ریما کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ بیان کرتا ہے۔ اداکارہ ریما فوراً فون پر اس متعلقہ افسر کی سفارش کرتی ہے اور متعلقہ افسر کے ٹرانسفر یا معطلی کے آرڈر رک جاتے ہیں۔ اور متعلقہ آفیسر اداکارہ ریما کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔

اداکارہ میرا کی والدہ اور سیاست

اداکارہ میرا کی والدہ شفقت زہرہ بخاری نے ایک انٹرویو میں کہا کہ میں آئندہ الیکشن میں بھرپور حصہ لوں گی اور مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر عوام کی خدمت کروں گی۔ میری بیٹی میرا نے فلمی دنیا میں نام پیدا کیا اور میں سیاست دان بن کر چار چاند لگا دوں گی۔ اداکارہ میرا نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میری والدہ سماجی اور قومی مسائل حل کرنے میں سیاست میں آئے اور بے نظیر بھٹو کی طرح مقبولیت حاصل کرے۔

بیگم تسنیم طفیل

مسلم لیگی رہنما بیگم تسنیم طفیل کا سینما مرکزی فلم سنسر بورڈ کے انسپکٹر نے ٹوٹے چلانے کے الزام میں سیل کر دیا جبکہ ایک سابق ایم۔ این۔ اے کے رشتہ داروں اور ایک ایم۔ پی۔ اے' کا ملکیتی سینما انگریزی اور پشتو فلموں کی آڑ میں فحش فلمیں چلانے کے باوجود چیک کے کرشمہ سے بچا ہوا ہے۔ تفصیلات کے مطابق سمندری روڈ کے علاقہ کے دو سینما اور تھانہ غلام محمد آباد کے علاقہ کا ایک سینما ٹوٹے چلانے میں بدنام ہیں' جہاں ڈیڑھ گھنٹہ کی فحش فلم کا ٹکٹ بلیک میں ایک سو روپے تک فروخت ہوتا ہے۔ مرکزی فلم سنسر بورڈ کے انسپکٹر ایک سینما پکڑنے کے بعد نامعلوم وجوہات کی بنا پر دیگر دو سینماؤں کی انسپکشن نہیں کر سکے۔ جس کے باعث تماشائیوں کا سارا ہجوم ان سینماؤں کی طرف امڈ آیا ہے۔

میاں یوسف صلاح الدین

بازار حسن کی رقاصائیں ضلعی انتظامیہ کی پابندیوں کی زنجیریں توڑ کر بند کمروں سے نکل آئیں۔ سربازار ناچتی رہیں۔ طبلے کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار میں "لال پری" سربازار چلتی رہی۔ رقص و موسیقی کا یہ سلسلہ پولیس کی باقاعدہ نگرانی میں ہفتہ و اتوار کی درمیانی شب شروع ہوا اور صبح تک جاری رہا۔ بدنظمی کا تدارک کرنے والے پولیس اہلکار خود نوٹ لوٹتے رہے۔ بازار حسن میں ہونے والی دو بڑی تقریبات میں علاقے کی سیاسی و سماجی شخصیات نے حصہ لیا۔ پہلی تقریب کوچہ حیدری میں باقاعدہ سٹیج لگا کر منعقد کی گئی۔ اس تقریب کی صدارت جاوید اشرف نے کی جن پر طوائفیں نوٹ نچھاور کرتی رہیں "ان" تماش بینوں نے سٹیج پر "مجرا" کرنے والیوں کو گھیرے میں لے لیا اور نوٹوں کی ایسی برسات ہوئی کہ مقامی افراد بھی نوٹ لوٹنے میں شامل ہو گئے۔ اس موقع پر پولیس نے ڈنڈے مار مار کر لوگوں کو کرسیوں پر بٹھایا۔ لال پری کا استعمال اس قدر آزادنہ ہوا کہ شوقین لوگ برتن خالی کر کے نالیوں میں پھینک دیتے۔ احاطہ مائی سیداں میں منعقدہ ایک دوسری تقریب میں صرف موسیقی کا پروگرام ہوا جس میں البیلا سمیت متعدد فنکاروں نے آئٹمز پیش کئے۔ اس تقریب میں اداکارہ عروج نے مہمان خصوصی میاں یوسف صلاح الدین کو ہار پہنایا۔

(روزنامہ جنگ لاہور 31 اگست 1993ء)

پیر اللہ یار سابق رکن صوبائی اسمبلی

صوبائی اسمبلی کے حلقہ پی پی 189 پاک پتن سے سابق رکن صوبائی اسمبلی پیر اللہ یار کے خلاف ان کے مدمقابل امیدوار رانا محمد احسن نے آئین پاکستان کی دفعہ 63،62 کے تحت عدالت عالیہ میں رٹ دائر کر دی ہے۔ رٹ درخواست میں استدعا کی گئی ہے کہ پیر اللہ یار کو لوگوں نے 15 اپریل 1987ء کو زیادتی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا تھا جبکہ وہ اس وقت ایم۔ پی۔ اے تھے اور پورے شہر میں ان کے خلاف ہڑتال کی گئی۔ ان کے خلاف مقدمہ ابھی تک زیر سماعت ہے' اس کے باوجود پیر اللہ یار دوبارہ انتخابات میں حصہ لے رہے ہیں اور اعتراضات کے باوجود ان کے

کاغذات نامزدگی منظور کر لیے گئے ہیں۔ درخواست میں مزید کہا گیا ہے کہ پیر اللہ یار کو جب پولیس تھانے لے کر آئی تو اس وقت انہوں نے صرف دھوتی پہن رکھی تھی۔ انہوں نے شہر کے باہر بہت سے کمرے بنوا رکھے ہیں وہ غلط مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ عدالت عالیہ کے انتخابی ٹریبونل نے درخواست سماعت کے لیے منظور کرتے ہوئے مزید سماعت 5 جنوری تک ملتوی کر دی ہے اور سابق رکن اسمبلی کو نوٹس بھی دے دیا ہے۔

(روزنامہ خبریں لاہور 3 جنوری 1997ء)

ارشد میتلا (ایم۔پی۔اے)

"پنجاب کے ایک سابق ایم۔پی۔اے ارشد میتلا نے دو سال پہلے میری سات سالہ بچی کو جو اس کے گھر میں ملازم تھی' غائب کرا دیا۔ جس دن میری بچی غائب ہوئی' اسی صبح ارشد میتلا کا ایک پالتو ہرن مکان کی چھت سے گر کر زخمی ہو گیا۔ ارشد میتلا نے میرے پانچ سالہ بچے کو اس واقعہ کا ذمہ دار ٹھہرایا اور اس کے لیے سزا تجویز کی کہ جتنی بلندی اور جس چھت سے اس کا پیارا ہرن گرا ہے' وہیں سے اس "ملزم" بچے کو بھی گرایا جائے۔ بچہ جو صبح سے ارشد میتلا کی حویلی میں قید تھا' اس کو شام کے وقت چھت پر لے جا کر بے دردی کے ساتھ نیچے گرا دیا گیا۔ بچے کی ٹانگ اور بازو ٹوٹ گیا۔ اسی حالت میں میرے معصوم بچے کو ارشد میتلا کے ملازم میرے سامنے صحن میں پھینک گئے۔ رات گزرنے لگی لیکن میری بچی گھر واپس نہ پہنچی تو مجھے فکر لاحق ہوئی۔ میں ارشد میتلا کی حویلی گئی تو مجھے بتایا گیا کہ بچی تو آج آئی ہی نہیں۔ اگلے روز میرے شوہر کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ درج کرایا گیا اور ارشد میتلا کے آدمیوں نے ہمیں گاؤں سے نکال دیا۔ وہ دن اور آج کا دن ہے ہمیں ہماری معصوم بچی نہیں ملی۔ مجھے مکمل یقین ہے کہ اسے زیادتی کے بعد قتل کر دیا گیا ہے۔"

یہ ہولناک انکشاف رواں سال پی۔ٹی۔وی کے ایک پروگرام "حوا کے نام" میں اس معصوم لڑکی کی والدہ نے کیا۔ واضح رہے کہ ارشد میتلا کئی بار اعلیٰ عدالتوں میں یہ وعدہ کر چکا ہے کہ اس کو اگر کچھ مہلت دی جائے تو وہ لڑکی کو واپس کر دے گا

لیکن یہ وعدہ بھی پورا نہیں ہو سکا۔ کوئی بھی عدالت اور پولیس اس سے لڑکی کو برآمد نہیں کر سکی۔ وجہ یہ ہے کہ ارشد میتلا ایک بااثر سیاست دان اور بہت بڑا زمیندار ہے اور ماضی کے واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ آسانی کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے اثر و رسوخ کے سامنے عدالتیں اور دیگر انتظامی ادارے بے بس ہیں۔

راجہ بشارت سابق صوبائی وزیر

باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ سابق صوبائی وزیر اطلاعات و نشریات راجہ بشارت نے ٹی وی آرٹسٹ کنول سے خفیہ شادی رچائی ہوئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ راجہ بشارت نے اسلام آباد میں انہیں کروڑوں روپے مالیت کی کوٹھی گفٹ کر دی ہے۔ "چینان" کی رپورٹ کے مطابق لاہور سے اسلام آباد کے ٹکٹ بھی وہی ادا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ایک نئی لگژری گاڑی اور مہنگا ترین موبائل سیٹ بھی انہیں تحفے میں دے رکھا ہے۔

یوسف رضا گیلانی

یوسف رضا گیلانی بطور سپیکر قومی اسمبلی میں کیا کرتے رہے' اس کی مختصر تفصیل اس طرح ہے۔

ایک خاتون جو کہ پی ٹی میں گریڈ 17 کی ملازم تھی' سلیمان فاروقی صاحب اسے گریڈ 19 میں مرکزی سیکرٹریٹ میں لائے اور پھر اس خاتون نے جب قومی اسمبلی میں بطور ڈپٹی سیکرٹری ٹرانسفر کروائی تو سپیکر نے تین چار دن میں ہی خوش ہو کر اسے گریڈ 20 دے دیا۔ سپیکر قومی اسمبلی نے کچھ عرصہ پہلے کنیئرڈ کالج کی ایک تقریب میں شرکت کی اور بی اے کی طالبہ بیگم رمضان جو مقابلوں میں اول آئی تھی کو آفر کی کہ آپ قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں کام کریں' وہاں آپ کی صلاحیتوں کی بڑی ضرورت ہے۔ سپیکر نے واپس آ کر اسلام آباد سے بیگم رمضان کو اس کے گھر گریڈ 17 کا تقرر نامہ بھیج دیا۔ بیگم رمضان کچھ دنوں بعد اپنے والدین کے ہمراہ اسلام آباد آئی اور اپنے والدین کی موجودگی میں جوائن کر کے اسی دن ایک سال کی چھٹی لے کر واپس

لاہور چلی گئی اور یونیورسٹی میں ایم۔اے انگلش میں داخلہ لے لیا۔ سپیکر نے کمال مہربانی یہ کی کہ نوکری کے پہلے ہی دن اس خاتون کو ایک سال کی چھٹی منظور کر دی' جبکہ رولز کے مطابق چار ماہ سے زیادہ کی بیک وقت چھٹی دو سال سے کم سروس پر دی ہی نہیں جا سکتی اور سروس کے پہلے دن میں چھٹی دینے کی مثال تو شاید پاکستان میں پہلی تھی۔ معروف شاعرہ شبنم شکیل کی صاحبزادی قومی اسمبلی میں گریڈ 16 میں ریسرچ آفیسر بھرتی ہوئیں۔ انہوں نے کچھ دن کے بعد سپیکر قومی اسمبلی سے کہا کہ میری منگنی چونکہ گریڈ 17 کے ایک آفیسر سے ہو رہی ہے' اس لئے مہربانی کریں اور مجھے میرے منگیتر کے ہم پلہ گریڈ عنایت کریں اور سپیکر نے کمال مہربانی کرتے ہوئے ملاحت احمد کو گریڈ 17 دے دیا اور اس کے ساتھ ہی لمبی چھٹی سے بھی نوازا۔

(روزنامہ خبریں لاہور 8 نومبر 1996ء)

جناب یوسف رضا گیلانی کو مہمان نوازی کا بہت شوق ہے۔ ان کی ایک مہمان مس تسکین فرحت "ہلی ڈے ان" میں ٹھہرائی گئیں۔ لیکن اس شان کے

202264

Arrival Date
Departure Date
Mr/Mrs/Miss TASKEEN FARHAT
Surname / Middle Name / First Name
Company Name
Home Address
Passport No
Date/Place of Issue
Nationality
Profession
Visa/MM. Reg. No
Coming From
Next Destination
Safe Deposit boxes are available with the Front Office Cashier.
The Management regrets it cannot accept any liability for valuables left in your Room.
CHARGE
MODE OF PAYMENT
1 Cash
2 Credit Card
3 Company Accounts
4 Travel Agent
5 Airline Account
Rawalpindi
Islamabad
Guest's Signature
CHECKOUT TIME :- 12 NOON

ROOM NO	PERSONS	RATE	MARKET SEGMENT	RESERVATION BY
1411	02		Local / Crew / Foreign / Group / Corp / Misc	

ساتھ کہ ہاؤس کیپر کو رپورٹ کرنی پڑی کہ کمرہ خالی ہے۔ مہمان صاحبہ اطلاع کے بغیر غائب ہیں۔ اس پراسرار مہمان کا بل 2187 روپے بنا۔ وہ محکمہ ہاؤسنگ کو ارسال کر دیا گیا۔ یاد رہے ہوٹل کے کارڈ پر مہمان کے دستخطوں کی جگہ وزیر محترم نے خود دستخط فرمائے تھے۔ بل وصول پا کر جناب وزیر صاحب کے پرائیویٹ سیکرٹری کو ان کے (شاید) پرسنل اسسٹنٹ نے یہ درخواست لکھی کہ وزیر صاحب چاہتے ہیں کہ اس طرح کے سارے بل اکٹھے کر کے انہیں پیش کئے جائیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب وزیر کے اس طرح کے مہمان آتے رہتے ہیں' اور وہ ان سے ملاقات کا شوق بھی فرماتے رہتے ہیں۔

(ہفت روزہ حرمت اسلام آباد وائٹ پیپر' ستمبر 1990ء)

بچے دانی ٹیڑھی ہوگئی

بہاولنگر سے تعلق رکھنے والے سابق وفاقی وزیر نواز شریف کے پہلے دور میں اپنی بیگم کے ہمراہ سیر و تفریح کے لئے لندن گئے۔ اس سیر و تفریح کے اخراجات کے لئے انہوں نے ظاہر یہ کیا کہ میری بیگم بیمار ہے۔ اور حکومت اپنے خرچہ پر اس

کا علاج کروائے۔ اور خود کو انھوں نے تیمار دار کے طور پر ساتھ جانا ظاہر کیا۔ اسی طرح حکومتی خزانے سے بھاری تعداد میں زرمبادلہ حاصل کیا اور بیماری کے بہانے لاکھوں روپے سیرو تفریح پر خرچ کر ڈالے۔ کہتے ہیں قدرت جب کسی سے انتقام لینا چاہتی ہے تو انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اس واقعہ کی دلچسپ بات یہ ہے کہ وزیر موصوف نے کاغذات میں اپنی بیوی کو لاحق جس بیماری کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ "میری بیوی کی بچے دانی ٹیڑھی ہو گئی ہے۔"

چودھری شیر علی سابق میئر فیصل آباد کارپوریشن و ایم۔این۔اے

چودھری شیر علی سابق میئر فیصل آباد کارپوریشن میاں محمد نواز شریف کے قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں۔ اپنی عیاشیوں بدعنوانیوں اور بدمعاشیوں میں فیصل آباد کے تمام مسلم لیگیوں میں نمبرون ہیں۔ ان کی داستانیں سنی ہوں تو فیصل آباد کے کسی بھی رہنے والے سے سن لیں تو آپ کی عقل دنگ رہ جائے گی۔ شیر علی نے اپنے دور میئر میں اپنے بڑے بیٹے کی شادی بڑی دھوم دھام سے کی۔ اس موقع پر خاص خاص لوگوں کے لئے ایک بھرپور پروگرام ترتیب دیا گیا۔ میاں نواز شریف صوبہ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے۔ اس طرح سے میاں شہباز شریف کا پورے صوبہ میں طوطی بولتا تھا۔ میئر چودھری شیر علی نے میاں شہباز شریف کی وساطت سے اداکارہ ریما کو اس خاص فنکشن میں بلایا۔ جہاں اداکارہ ریما نے میزبان کی خواہش اور شدید اصرار پر شراب سے وحشت میزبانوں کے سامنے بالکل ننگا ڈانس کیا۔ اور ایک عدد پلاٹ کے علاوہ لاکھوں روپے کی ویلیں وصول کیں۔

چودھری شیر علی نے امیر بننے کے بعد دوسری شادی بھی کی جو اس قسم کے کیسوں میں ہمارے ہاں بہت عام ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ چودھری شیر علی ابتداء ہی سے



چوہدری شیر علی کی اہلیہ عشرت چوہدری

چوہدری شیر علی



عامر شیر علی نشے کی حالت میں ڈانس میں شریک ہیں۔

انتہائی شوقین مزاج شخصیت کے حامل تھے۔ ان دنوں جب امین پور بازار اور چنیوٹ بازار کے مابین ہیرامنڈی واقع تھی تو شیر علی کو ان گلیوں میں جاتے بہت سے لوگوں نے دیکھا۔ ان دنوں الماس بائی نامی طوائف کے کوٹھے کی 'فیصل آباد کی ہیرامنڈی میں بڑی دھوم تھی۔ اس کی تین بیٹیاں نسیم امتیاز' زرینہ اور عشرت نہ صرف اپنے فن میں طاق تھیں بلکہ حسن خوب کا بھی خوب تر نمونہ تھیں۔ تینوں الماس بائی کی ناجائز اولاد شمار ہوتی ہیں اور شہر کے بڑے بڑے بانکوں اور تماش بینوں کے دل ان بہنوں کے لئے تڑپتے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شیر علی جو ان دنوں نوجوان تھے' عشرت عرف اچھو بائی کے مداح بن گئے۔ بعض اندرونی ذرائع کے مطابق شیر علی کی شادی سابق وزیراعظم کی کزن سے ہوئی تھی جس کے والدین ان دنوں شیر علی سے بہتر مالی حالت میں تھے اور شیر علی کے بارے میں کچھ زیادہ اچھے ریمارکس نہیں رکھتے تھے۔ قریبی حلقوں کے مطابق گھر میں جو سکون نہ مل سکا' وہ شیر علی کو اچھو بائی کے کوٹھے پر مل گیا۔ اچھو بائی خود بھی شیر علی کی والہانہ محبت اور وارفتگی کی قدر کرتی تھی۔ پھر اس نے شیر علی پر شادی کی شرط عائد کر دی جسے اس نے خلوص دل سے نبھایا اور اپنی زندگی کی شاید سب سے بڑی اور اکلوتی نیکی کرتے ہوئے عشرت بائی سے شادی کرلی اور پہلے شوہر سے اس کی اولاد کو بھی اپنا لیا لیکن اس بازار سے آنے والی سوتن کو شریف خاندان کی کزن نے برداشت نہیں کیا لہٰذا شیر علی نے اپنی نئی بیگم عشرت عرف اچھو کو گلستان کالونی میں الگ مکان لے دیا جہاں وہ آج بھی مقیم ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ شیر علی اس کے تمام حقوق پورے کرتے ہیں۔ تاہم بعض واقفان حال کا کہنا ہے کہ عشرت بائی کو گھریلو خاتون بنانے کے بعد شیر علی کی دلچسپیاں ختم نہیں ہوئیں اور انہوں نے نئی دوستیاں بنائیں۔

چودھری شیر علی صاحب نواز شریف کے قریبی عزیز شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ میاں نواز شریف اور میاں شہباز شریف کے چچازاد بھائی طارق شفیع کے بہنوئی ہیں۔ یعنی طارق شفیع کی بہن چودھری شیر علی کی بیگم ہے جبکہ طارق شفیع میاں نواز اور شہباز شریف کے کزن ہونے کے ساتھ ساتھ میاں شہباز شریف کے ہم زلف بھی ہیں' یعنی میاں شہباز شریف اور طارق شفیع کی بیگمات آپس میں سگی بہنیں ہیں۔ اس

حوالے سے نواز شریف کے ہر دور میں چودھری شیر علی نے خوب چھکے لگائے اور ایک بار جب نواز شریف کے آخری وزارت عظمیٰ میں شیر علی کے خلاف ایک ریفرنس سیف الرحمٰن والے احتساب بیورو کو بھیجا گیا تو شیر علی نے قومی اسمبلی کے ایوان میں یہ دھمکی دے کر ساری کارروائی رکوا دی کہ مجھ پر الزامات لگانے والے خود شیشے کے گھر میں بیٹھے ہیں۔ ان کا اشارہ خود شریف فیملی کی مالی بے قاعدگیوں کی طرف تھا۔ اس دھمکی کے بعد خاموشی چھا گئی۔ بقول شاعر

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

گزشتہ دنوں جماعت اسلامی فیصل آباد کے بعض افراد نے لاہور پریس کلب میں شیر علی کے بیٹے عامر علی کو مجرے میں چند طوائفوں پر نوٹ نچھاور کرتے کی ویڈیو فلم دکھائی تو یہ فیصل آباد کے لوگوں کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اور اکثر واقفان حال نے اس ویڈیو کو دیکھ کر کہا یہ کونسی نئی بات ہے جیسا باپ ویسا بیٹا۔

چودھری شیر علی اور ان کے سابق میئر بیٹے عامر علی کی کرپشن کے بارے میں یوں تو فیصل آباد میں بہت لطیفے مشہور ہیں' تاہم معروف شاعر اور اردو کے پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید کا ایک شعر سب لطائف پر بازی لے گیا۔

امیر شہر بہت تھک چکا ہے اب کی بار
امیر شہر کی اولاد شہر لوٹے گی

وفاقی وزیر کا بیٹا ہوں

اداکارہ علیشا ورک کا اغوا' شور مچانے پر بااثر شخصیت کا بیٹا فرار ہوگیا۔

تفصیلات کے مطابق ٹی۔وی سٹیج اور فلم کی فن کارہ علیشا گزشتہ رات جب ایورنیو سٹوڈیو سے فلم "میں تیری عاشق ہوں" کا خصوصی شو دیکھنے کے بعد رات 3 بجے سٹوڈیو سے ایک فلمی ہدایت کار اور اپنے سیکرٹری کے ہمراہ نکلی تو ان کا پیچھا کالے رنگ کی وی۔ٹی۔آئی' آئی۔ڈی۔ایچ 8102 نے کیا اور بسطامی روڈ پر پہنچ کر تیز رفتاری سے آگے گزر کر علیشا کی گاڑی کے آگے اپنی گاڑی روک دی اور ایک نوجوان نیچے اترتے ہی علیشا کی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا اور اسے

ہوٹل جانے کا حکم دیا اور کہا کہ انکار کیا تو گولی ماروں گا۔ علیشا نے بتایا کہ انہوں نے کچھ آگے جا کر پولیس کی سکواڈ دیکھ کر اس کے پاس گاڑی روک دی مگر اس نوجوان نے فوری طور پر تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں وفاقی وزیر کا بیٹا مخدوم بابر ہوں پولیس نے تعارف کروانے پر ملزم کو چھوڑ دیا۔

(روزنامہ دن لاہور 12 مارچ 1999ء)

شاہد خاقان عباسی اور اداکارہ ریشم

اداکارہ ریشم نے اپنے بیرون ملک کے دورے کے بعد نہ صرف نئی ہنڈا



اداکارہ ریشم

سوک گاڑی خریدی بلکہ لندن سے فرش میں استعمال ہونے والا قیمتی پتھر اور دیگر گھریلو سامان بھی پاکستان منگوایا۔ یہ سامان لانے میں ریشم کے دوست اور پی۔ آئی۔ اے کے سابق چیئرمین خاقان عباسی نے مدد کی۔ ریشم کے قریبی ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ریشم نے کچھ عرصہ قبل گارڈن ٹاؤن میں اپنی رہائش کے ساتھ خالی پلاٹ باغ بنانے کے لئے خریدا ہے جس میں انہوں نے ایک آبشار اور بیرون ملک سے آنے والا قیمتی پتھر بھی لگایا ہے۔ دریں اثناء یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ شاہد خاقان عباسی کی طرح کئی بڑے لوگوں کی ملاقات شمیم مرزا کے گھر پر ہوتی رہی ہے۔ ریشم کے قریبی ذرائع نے بتایا کہ ریشم فلم انڈسٹری میں آنے سے قبل اپنی بڑی بہن کے ہمراہ گارڈن ٹاؤن میں شمیم مرزا کی رہائش گاہ پر مخصوص محفلوں میں شرکت کیا کرتی تھی۔ جہاں ریشم کی بیوروکریٹس اور پیسے والے لوگوں سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ اب وہ تعلقات ریشم کے اداکارہ بننے کے بعد کام آ رہے ہیں۔

اداکارہ ریشم پی۔ آئی۔ اے کے سابق چیئرمین شاہد خاقان عباسی کے ساتھ برطانیہ میں ملاقاتیں کرتی رہی ہیں۔ مسلم لیگی ذرائع کے مطابق کچھ ماہ قبل اداکارہ ریشم اپنے نجی دورے کا دعویٰ کر کے اپنے "دوستوں" کو ملنے بیرون ملک بھی گئی تھی جہاں ریشم نے دیگر لوگوں سے ملنے کے علاوہ شاہد خاقان سے بھی ملاقات کی تھی اور لندن کے اہم مقامات کی سیر و تفریح بھی کی۔ ریشم بیرون ملک اکیلی ہی گئی تھی جبکہ یہاں وہ اپنی بہن شمیم کے بغیر فلم کی شوٹنگ کے لئے بھی نہیں جاتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ریشم نے لندن یاترا کے بعد نئی ہنڈا سوک گاڑی بھی خریدی ہے جو اب بھی اس کے زیر استعمال ہے۔

پیر بنیامین رضوی کے کارنامے

پنجاب کے عاشق مزاج سابق وزیر پیر بنیامین رضوی کے تشدد اور شکی ہونے کی بنا پر ان کی بیوی غزالہ نے چھٹکارا حاصل کر کے انہی کے چپڑاسی سے محبت کی شادی رچالی اور پیر بنیامین منہ دیکھتے رہ گئے۔ تفصیلات کے مطابق پیر بنیامین رضوی پھالیہ ضلع منڈی بہاؤ الدین کے رہائشی ہیں۔ ان کے والد پیر محمد یعقوب بہت

نیک اور بزرگ تھے اور اہل علاقہ ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ انہوں نے پیر بنیامین رضوی کی شادی ان کی ماموں زاد زہرہ بی بی سے کردی۔ جن سے ایک لڑکا فاروق یعقوب پیدا ہوا۔ فاروق کی پیدائش کے بعد پیر بنیامین رضوی لاہور منتقل ہوگئے اور سکندر بلاک علامہ اقبال ٹاؤن میں رہائش اختیار کرلی اور وہیں پر کتابوں کی چھوٹی سی دکان کھولی۔ پیر صاحب کی وہیں پر سکندر بلاک کی رہائشی لاہور کالج برائے خواتین کی ایک طالبہ غزالہ سے ملاقات ہوئی اور غزالہ کے بقول پیر نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اس کا دل موہ لیا۔ یوں یہ رومانس شروع ہوگیا۔ غزالہ کے عشق میں مبتلا ہوکر پیر نے اپنی خاندانی بیوی اور شریف عورت زہرہ بی بی کو طلاق دے دی اور غزالہ کے گھر پیغام بھیجا۔ غزالہ کے گھر والوں نے شروع میں تو پیغام مسترد کردیا لیکن آخرکار غزالہ کے اصرار اور بغاوت کی دھمکی نے گھر والوں کو پیغام منظور کرنے پر مجبور کردیا۔ غزالہ سے شادی کے بعد پیر بنیامین رضوی کے گھر میں دو بیٹیاں شہربانو اور اقصیٰ پیدا ہوئیں۔ غزالہ کے بقول دونوں بچیوں کی پیدائش کے بعد پیر نے اس پر ناجائز سختی شروع کردی۔ بات بات پر تشدد کرنا اس کا معمول بن گیا اور غلیظ گالیاں دینا اور کردار پر انگلی اٹھانا ان کا معمول بن گئے۔ غزالہ کا کہنا ہے کہ وزیر بننے کے بعد پیر نے راتوں کو گھر سے باہر رہنا شروع کردیا۔ پیر کے حلقہ میں لوگ اس کو استانی شاہ کے نام سے پکارنے لگے۔ غزالہ کا کہنا ہے کہ سہیل ضیا بٹ اور اشرف باوا پیر کے ذاتی دوست ہیں جن کے ساتھ پیر کی محفلیں سجنے لگیں۔ پیر نے اپنی بیوی کو قید تنہائی میں ڈال دیا۔ وہ اسے کسی تقریب میں ہمراہ نہ لیکر جاتے۔ حتیٰ کہ ٹیلی فون آپریٹر کو ہدایت کی گئی کہ وہ ٹیلی فون پر بھی غزالہ کو نہ بلوایا کریں۔ وزیر بننے کے بعد پیر نے محکمہ سوشل ویلفیئر کے ملازمین کو اپنا ذاتی ملازم بنالیا۔ وہ جس کو چاہتے گھر میں ڈیوٹی کے لئے بلوا لیتے۔ میڈیکل سوشل ویلفیئر آفیسر مینٹل ہسپتال کے دفتر میں تعینات چپڑاسی جمیل احمد کو بھی پیر نے اپنے گھر ڈیوٹی پر بلوایا تھا مگر جمیل احمد نے پیر کے گھر آکر خدمات انجام دینی شروع کیں تو اس نے دیکھا کہ پیر کا رویہ اپنی بیوی غزالہ سے بہت خراب ہے چنانچہ جمیل احمد کو پیر کی بیوی سے ہمدردی ہوگئی اور وہ اس کی دلجوئی کرنے لگا۔ پیر کے مظالم سے تنگ اور تنہائی کی ماری ہوئی غزالہ کو اور کوئی ہمدرد ملا تو

وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور بچوں کی ماں ہونے کے باوجود جمیل کے عشق میں گرفتار ہوگئی۔ رفتہ رفتہ یہ عشق پروان چڑھ گیا اور غزالہ کے دل میں پیر سے نفرت بڑھتی گئی۔ ایک روز پیر نے کسی معمولی بات پر غزالہ پر بہت تشدد کیا اور گھر سے نکال دیا۔ غزالہ پیر کے گھر سے اپنے بھائی کے گھر چلی گئی اور پیر سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ پیر نے عزت کے خوف سے طلاق دینے سے انکار کردیا اور ٹال مٹول سے کام لیا لیکن غزالہ اصرار کرتی رہی۔ اس مسئلے کو حل ہونے میں ایک سال گزر گیا۔ آخرکار پیر نے اسٹام پر لکھ کر طلاق دے دی اور بذریعہ عدالت طلاق دینے سے انکار کردیا کہ اس طرح بات پھیل جائے گی اور ایک وزیر ہونے کی حیثیت سے اس کی بدنامی ہوگی۔ پیر نے غزالہ کو دھمکی دی کہ اگر اس نے کسی جگہ پیر کے بارے میں کچھ بتایا تو وہ ان کو قتل کروا دے گا۔ غزالہ نے طلاق حاصل کرنے کے بعد سبزہ زار جمیل ٹاؤن میں نکاح خواں جان محمد کے پاس جاکر جمیل احمد سے نکاح کرلیا۔ غزالہ کو گھر سے نکالتے وقت پیر نے بچیاں چھین لی تھیں۔ اس وقت غزالہ چھ ماہ کی حاملہ تھی۔ بعد ازاں اس نے پیر کے بیٹے حسین یعقوب کو جنم دیا جو آج کل جمیل اور غزالہ کے پاس ہے۔ غزالہ ہفتہ میں ایک مرتبہ بڑی مشکل سے منت سماجت کرکے اپنی بچیوں سے ملاقات کرتی ہے اور اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو پھر سے حاصل کرنا چاہتی ہے۔ آج کل جمیل لاہور کی ایک آبادی جمیل ٹاؤن میں رہائش پذیر ہے جو سبزہ زار میں واقع ہے۔ مکان کرائے کا ہے جس کا کرایہ سولہ سو روپے ماہوار ہے۔

پیر بنیامین کی سابقہ بیوی غزالہ نے بتایا کہ اس کو اپنے کیے پر کوئی شرمندگی نہیں' کیونکہ اسے پیر کے ساتھ گزارے ہوئے دن ایک بھیانک خواب لگتے ہیں۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر صاحب شروع میں پولی ٹیکنیک کالج میں کلرک تھے اور پارٹ ٹائم کتابوں کی چھوٹی سی دوکان بنائی تھی' میں نے خاندان کی مخالفت کے باوجود پیر صاحب کو اپنایا' مگر اس نے امیر ہوتے ہی آنکھیں بدل لیں اور مجھ پر شک کرنا شروع کردیا۔ بات بات پر بہانہ بنا کر مارنا پیٹنا اس نے معمول بنالیا۔ وہ بچوں کی بھی پروا نہیں کرتا تھا۔ غزالہ نے بتایا کہ اس نے ساری زندگی پیر کو نماز ادا کرتے یا قرآن پڑھتے نہیں دیکھا اور وہ بہت بڑا بہروپیا ہے۔ وزیر تو سوشل ویلفیئر اور ومن

ڈویلپمنٹ کا تھا لیکن خواتین سے بات کرنے کی اسے بالکل تمیز نہیں تھی۔ غزالہ نے بتایا کہ اکثر دو نمبر خواتین سے پیر کے مراسم تھے اور بڑے ہوٹلوں میں راتیں گزارنا اس کا معمول بن چکا تھا۔ ایک سوشل ویلفیئر افسر رحمت علی جو رینکر ہے اس کا کار خاص تھا اور بطور سٹاف افسر ساتھ رہتا تھا اور ہر قسم کی برائی میں شریک تھا۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر نے اس سے اپنی پچھلی شادی چھپائی تھی' ورنہ وہ کبھی پیر سے شادی نہ کرتی۔ غزالہ نے بتایا کہ پیر کے والدین بہت نیک اور باعزت لوگ ہیں اور پیر کی کوئی بات بھی اپنی فیملی کے ساتھ نہیں ملتی۔ غزالہ کے نئے شوہر جمیل نے بتایا کہ وہ ایک چپڑاسی ضرور ہے لیکن دل بھی رکھتا ہے' وہ جانتا ہے کہ پیر اس کو مروا بھی سکتا ہے لیکن پیر کے غزالہ پر مظالم دیکھ کر وہ برداشت نہیں کر سکا اور اس سے عشق کر بیٹھا۔ جمیل نے بتایا کہ اس کے ذرائع آمدن محدود ہیں لیکن وہ کوشش کرے گا کہ غزالہ کو خوش رکھے۔ اس نے بتایا کہ وہ نوکری کے علاوہ پارٹ ٹائم رکشہ بھی چلاتا ہے۔

حامد ناصر چٹھہ

چیف سیکرٹری پنجاب پرویز مسعود کی ہدایت پر اینٹی کرپشن نے سابق دور حکومت میں مسلم لیگ (ج) کے رہنما چودھری حامد ناصر چٹھہ کی سفارش پر ایک شخص کو دس کنال زمین قواعد و ضوابط کے خلاف الاٹ کرنے پر انکوائری کا حکم دیا ہے۔ تفصیلات کے مطابق پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں مسلم لیگ (ج) کے سربراہ حامد ناصر چٹھہ کی سفارش پر ڈپٹی کمشنر گوجرانوالہ محمد جاوید سرور نے گارڈن ٹاؤن لاہور کے رہائشی محمد بلال شاہین کو ضلع گوجرانوالہ کی تحصیل کاموکی کے علاقے باڑہ کوٹ میں محکمہ ہائی ویز کی دس کنال اراضی قواعد و ضوابط کے خلاف الاٹ کر دی۔ حامد ناصر چٹھہ کا یہ حکم ایک خاص ایجنسی کے ذریعے بھجوایا گیا۔ محمد بلال شاہین اقلیم اختر رانی (جنرل رانی) کا بیٹا ہے اور اسے یہ پلاٹ جنرل رانی کی بیٹی عروسہ عالم کی حامد ناصر چٹھہ سے دوستی کی بنا پر الاٹ کیا گیا ہے۔ محکمہ ہائی ویز کی یہ زمین ننانوے سال کی لیز پر دی گئی ہے جہاں وہ ایک پٹرول پمپ کی تعمیر کرے گا۔ یہ زمین اسے

واجبی قیمت پر چھ ہزار دو سو پچاس روپے کنال کے عوض دی گئی ہے جبکہ اس زمین کی قیمت 15 لاکھ روپے کنال ہے۔

(13 اپریل 1997ء)

چوہدری محمد اشفاق ایم-این-اے

مقامی سینما میں چلنے والا فحش ڈرامہ "نچے گھنگرو" انتظامیہ کی مداخلت سے بند کرنا پڑا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ناز سینما ٹوبہ ٹیک سنگھ میں ایک ڈرامہ گزشتہ شب شروع ہوا جس کا رات افتتاحی شو تھا جس کے مہمان خصوصی سابق ایم-این-اے چودھری محمد اشفاق تھے۔ لاہور سے آنے والی رقاصائیں ڈھول کی تھاپ پر رقص کر رہی تھیں۔ ایک فحش قسم کا انڈین گانا چل رہا تھا۔ نوٹوں کی بارش جاری تھی جس میں سابق ایم-این-اے چودھری اشفاق احمد پیش پیش تھے۔ مقامی انتظامیہ کو اس پروگرام کی اطلاع ملنے پر اسسٹنٹ کمشنر کی سربراہی میں چھاپہ مارا گیا اور تمام اداکاروں اور اداکاراؤں کو حراست میں لے لیا۔ اس واقعہ کی خبر پھیلتے ہی شہر میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ علمائے کرام کی طرف سے اس بے حیائی کے پروگرام کی پرزور الفاظ میں مذمت کی گئی۔

(15 اکتوبر 1997)

وزیراعلیٰ میر افضل خان

سول جج اسلام آباد چودھری عبدالحمید نے میر افضل خان مرحوم کی اہلیہ نسیم جان کی طرف سے دائر کئے جانے والے دعویٰ استقرار حق قبضہ پر بیگم زری سرفراز' عزیز سرفراز اور دوسرے اہل خانہ کو 25 جولائی کو عدالت میں طلب کر لیا ہے۔ خاتون نے استدعا کی ہے کہ انہیں مرحوم کی جائیداد میں سے ان کا حصہ دلایا جائے۔ مسمات نسیم جان نے اپنے دعویٰ میں جو ناہیدہ محبوب الٰہی ایڈووکیٹ کے ذریعے دائر کیا گیا ہے' موقف اختیار کیا کہ وہ سولہ سترہ سال کی عمر میں 1967ء میں ریڈیو پاکستان پشاور میں گانا گاتی تھیں۔ میر افضل خان نے ان کا گانا سنا اور انہیں پرمیئر شوگر ملز

میں گھومنے کے لئے بلایا۔ بعد میں میر افضل خان نے ان کے والد سے رابطہ کرکے شادی کا پیغام دیا جس پر نکاح ہو گیا۔ میر افضل خان نے انہیں مردان' لاہور اور دیگر جگہوں پر رکھا۔ تاہم شادی کو ڈیکلیئر نہ کیا گیا کیونکہ ان کے خیال میں اس سے سیاسی کیریئر کے تباہ ہونے کا خطرہ تھا۔ 1980ء میں میر افضل خان نے انہیں طلاق دے دی جس پر انہوں نے آغا ناہی مخص کے ساتھ شادی کرلی۔ میر افضل خان میری دوسری شادی پر خوش نہ تھے جس پر تنسیخ نکاح کا دعویٰ کیا اور طلاق ہو گئی۔ مارچ 1988ء میں مولانا کوثر نیازی مرحوم کے گھر واقع ایف سکس میں میر افضل خان کے ساتھ ان کا دوبارہ نکاح ہوا۔ یہ نکاح مولانا کوثر نیازی نے پڑھایا۔ میر افضل خان کا دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا جبکہ انہیں اب جائیداد میں سے حصہ دینے سے انکار کر دیا گیا۔

مرحوم کی بیوہ نسیم جان نے اپنے اولین انٹرویو میں کہا ہے کہ میر افضل خان مرحوم کی وفات کے بعد ان کے اہل خاندان نے ان کے گھر کے دروازے بند کر دیئے۔ اب انہیں دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔ میں نے اپنے لب سی لئے ہیں لیکن اس سوچ کے بعد میں زبان کھولنے پر مجبور ہو گئی ہوں کہ میری جیسی نہ جانے کتنی مظلوم عورتیں ہوں گی جو محض اپنی بے کسی اور خوف کے باعث ظلم کی چکی میں پس رہی ہیں۔ مجھے قتل کی دھمکیاں دی گئی ہیں۔ میر افضل خان مرحوم کی بہن اور دیگر رشتہ دار مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ مجھے کچھ ہو گیا تو میری اپنے وکیل کو ہدایت ہے کہ وہ معاملہ کو ختم نہ ہونے دے۔ نسیم جان نے کہا کہ میر افضل خان ایک زندہ دل اور شریف النفس انسان تھے۔ انہوں نے اپنی روایتی شرم اور سیاست کے باعث شادی کو عوام کی نظروں سے پوشیدہ رکھا۔ میں ایک کم پڑھی لکھی لڑکی تھی۔ میں افضل خان کے ہمراہ لندن' امریکہ' اور ہانگ کانگ گئی۔ میر افضل خان نے اپنی زندگی کے آخری دو سال لندن میں گزارے تھے اور اس عرصہ میں ان کے ساتھ رہی۔

آخری عمر میں میر افضل خان نے میرے ساتھ شادی چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ میر افضل خان مرحوم کی زندگی کی آخری رات کا ذکر کرتے ہوئے

نسیم جان نے کہا کہ جب ان کے شوہر کو اے۔ ایف۔ آئی۔ سی داخل کرایا گیا تو زری سرفراز بھی وہاں آتی رہیں۔ حفیظ پیرزادہ کا ٹیلی فون بھی آیا جنہوں نے مجھ سے میر افضل خان کی صحت کے بارے میں دریافت کیا۔ اسی رات کا ذکر ہے کہ جنرل ضیاء الحق کی بیٹی زین ضیاء الحق کو بھی ہسپتال میں داخل کیا گیا تھا۔ اسی رات محمد اعجاز الحق بھی افضل خان کی خیریت معلوم کرنے کے لئے کمرے میں آئے۔ میں کمرے میں موجود تھی۔ میر افضل خان نے ان کا اٹھ کر استقبال کرنے کی کوشش کی جس پر اعجاز الحق نے انہیں آرام کا مشورہ دیا۔ اعجاز الحق اور ان کی اہلیہ بھی اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں کہ آخری رات میں افضل خان کے ہمراہ کون خاتون کمرے میں تھی۔ نسیم جان نے کہا کہ صبح پونے سات بجے کے قریب خان صاحب نے مجھے کہا کہ میرے سر کو اونچا کر دو۔ اس کے کچھ دیر بعد میر افضل خان نے دم توڑ دیا۔ مجھے باہر کمرے میں آکر میر افضل کے ڈرائیور حاجی بہروز خان نے اطلاع دی۔ نسیم جان نے کہا کہ اب مجھے دھمکیاں مل رہی ہیں لیکن اب میں نے اپنے حق میں اور دیگر مظلوم عورتوں کے حق میں لڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

(8 جولائی 1997ء)

بازار حسن اور سیاست

○ نواب شاہ کے بازار حسن میں طوائفوں اور دلالوں میں نواز شریف اور غلام اسحاق کے حمایتوں کے درمیان نعرہ بازی پر لڑائی ہو گئی طوائفوں اور دلالوں نے ایک دوسرے پر لاٹھیوں سے حملے کئے جس کے نتیجے میں ایک طوائف کنواری رخسانہ پٹھان شدید زخمی ہو گئی۔ 8 سیکشن پولیس نے مقدمہ درج کرکے طوائف پروین اور روزینہ جبکہ ایک دلال قربان کو گرفتار کرلیا۔

(روزنامہ پاکستان لاہور 26 جولائی 1993ء)

○ طوائفوں نے آئندہ انتخابات میں حلقہ 96 سے مسلم لیگ (نواز شریف گروپ) کی حمایت کا اعلان کیا ہے۔ روزنامہ خبریں کے انتخابات کے سلسلے میں ایک سروے کے مطابق ان طوائفوں کا کہنا ہے کہ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں انہیں

اپنا کاروبار کرنے کی آزادی نہیں تھی لیکن اس حکومت کے بدلنے کے بعد انہیں کاروبار کرنے کی آزادی ملی۔ اس بازار کی ایک طوائف عینی کے مطابق گزشتہ الیکشن میں جیتنے کے بعد مسلم لیگ کے ممبر قومی اسمبلی شہباز شریف نے اس علاقے میں زبردست ترقیاتی کام کروائے اور یہاں کی سڑکیں بنوائیں اور ایک طوائف شہزادی نے بتایا کہ مسلم لیگ کی حکومت نے ہمیں یہ کاروبار کا تحفظ دیا ہے۔ اس سے قبل اسی علاقہ میں غنڈہ گردی ہوتی تھی اور پولیس انہیں بڑا تنگ کرتی تھی لیکن اب پولیس انہیں تنگ نہیں کرتی۔ بازار حسن کی ایک رقاصہ اور مسلم لیگ لیڈر ونگ حیدری سٹریٹ کی نائب صدر فردوس نے بتایا کہ مسلم لیگ کی حکومت نے اس علاقے میں بہت ترقیاتی کام کروائے ہیں اور پانی کی قلت ختم ہو گئی اور یہاں کے ہر گھر میں گیس اور ٹیلیفون کی سہولتیں فراہم کر دی گئیں ہیں۔ جبکہ انجمن اتحاد فنکاراں کے صدر میاں محمود احمد، نائب صدر سکندر حیدری اور سیکرٹری جنرل زمرد بیگم نے کہا کہ مسلم لیگ کے ممبر قومی اسمبلی نے اس حلقہ میں لوگوں کے مسائل حل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے اور آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کا امیدوار ہی اس حلقہ میں کامیابی حاصل کرے گا۔

(روزنامہ خبریں لاہور 26 مئی 93ء)

○ مسلم لیگ (ن) کے رہنما شہباز شریف نے حلقہ این اے 96 میں انتخابی مہم تیز کر دی ہے وہ روزانہ حلقہ کے مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہیں۔ بازار حسن میں دورے کا وقت انہوں نے رات 2 بجے کے بعد مقرر کر رکھا ہے۔ گزشتہ روز بھی وہ معمول کے مطابق رات 2 بجے کے بعد بازار حسن پہنچے جہاں طوائفوں نے ان کا بھرپور استقبال کیا۔ اس موقع پر طوائفوں نے نہ صرف شہباز شریف سے ہاتھ ملایا، بوسے لئے بلکہ ان پر نوٹ اور پھولوں کی پتیاں بھی نچھاور کیں۔ شہباز شریف نے طوائفوں کو یقین دلایا کہ مسلم لیگ برسراقتدار آ کر بازار حسن کے مکینوں کے حقوق کا تحفظ اور مسائل حل کرے گی۔ انہوں نے اپنے استقبال پر طوائفوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ انہیں امید ہے کہ اس علاقہ کے لوگ اس مرتبہ بھی انہیں کامیاب کرانے میں اہم کردار ادا کریں گے جبکہ وہ یہاں کی رہائشی خواتین کے

تعاون کے بغیر این اے 96 کی نشست نہیں جیت سکتے۔ قبل ازیں جب شہباز شریف علاقے کے معززین حاجی حنیف، ملک امجد اور چودھری ستار وغیرہ کے ہمراہ بازار حسن پہنچے تو طوائفوں نے گھروں کے دروازوں پر ان کا استقبال کیا ان سے لپٹ گئیں اور بوسے لئے۔ اس تمام منظر کو مقامی اخبار کے فوٹو گرافر نے کیمرے کی آنکھ سے محفوظ کرنے کی کوشش کی تو مسلم لیگ کے چند متوالے مشتعل ہو گئے اور فوٹو گرافر سے کیمرہ چھین کر فلم ضائع کر دی۔

(روزنامہ صحافت لاہور 23 جنوری 1997ء)

پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

خبروں کے مطابق کل میاں شہباز شریف انتخابی مہم کے سلسلے میں اس بازار پہنچے تو ان کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے شادی یا میلے کا سماں ہو۔ ان کا استقبال کرنے کے لئے اس بازار کے حسین و جمیل چہرے کھڑکیوں سے جھانک رہے تھے اور کچھ ظالم حسینائیں سڑک پر ڈانس کر رہی تھیں۔ ایک طرف لڑکیاں ڈانس کر رہی تھیں تو دوسری طرف خوبصورت گھوڑے قطار اندر قطار ڈانس کر رہے تھے۔

رپورٹر کی اطلاع کے مطابق جب میاں صاحب شرافت کی جھنڈی لہراتے بازار حسن کے علاقے میں داخل ہوئے تو بازار حسن کے خوبصورت "مال" نے نعرے لگا کر ان کی حمایت کا اعلان کیا اور گھروں کی کھڑکیوں سے میاں صاحب پر روپوں کی بارش کی۔

اس ضمن میں اس اخبار نے ایک تصویر بھی شائع کی ہے جس میں دو تین حسینائیں کھڑکی میں کھڑی میاں شہباز شریف پر دولت کی بارش کر رہی ہیں۔ اخباری خبروں سے لگتا ہے کہ میاں صاحب کے طوائفوں کے علاقے میں تشریف لاتے ہی ہر طرف طوائف الملوکی چھا گئی۔ ان کی کھلی گاڑی میں انکل مشاہد حسین بھی نظر آ رہے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے وہ شرما رہے ہیں کیونکہ اخباری تصویر میں ان کی نظریں جھکی ہوئی ہیں جب کہ میاں شہباز شریف سینہ تانے کسی فاتح جرنیل کی مانند کھڑے ہیں۔

نہ جانے انکل مشاہد حسین کیوں شرما رہے ہیں کیونکہ اول تو میڈیا منیجر شرماتا نہیں، مخالفین کو ڈراتا ہے اور دھمکاتا ہے۔ دوم یہ وہی محلہ ہے جس کا ذکر کل

سیتا وائٹ نے اپنے بیان میں بھی کیا تھا اور کہا تھا کہ جب عمران خان اسے سیر کے لیے مری لے کر گئے تو ان کے ساتھ ان کے جگری دوست یوسف صلاح الدین بھی تھے جو اپنے ساتھ ہیرا منڈی سے "گڈی" نامی کال گرل کو لائے تھے۔ مشاہد حسین کے گھبرانے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں شاید گڈی نظر آ گئی ہو۔ ویسے ان کی تصویر سے یوں تاثر ملتا ہے جیسے وہ کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بہرحال میرا خیال ہے کہ میاں شہباز صاحب نے مشاہد حسین کو ساتھ لے جا کر غلطی کی کہ وہ شرماتے ہی رہے۔ اگر وہ انکل نذیر ناجی کو ساتھ لے جاتے تو میاں



بازارِ حسن کے دورے کے دوران شہباز شریف پر طوائفیں نوٹ نچھاور کر رہی ہیں

صاحب کی ہیرا منڈی کی خوبصورت وزیر نامی صاحب کو دیکھ کر شرماتیں کہ یہ کہاں کھڑے ہیں۔ بچی بات تو یہ ہے کہ ہم ہیرا منڈی میں میاں نواز شریف کے پرجوش اور بند ہوش استقبال کی خبریں پڑھ کر بیک وقت حسد اور رشک کی آگ میں جل رہے ہیں۔ ہمیشہ سے سنتے آئے تھے کہ امراء اس بازار میں جاتے ہیں اور جیبیں خالی کر کے آتے ہیں لیکن میاں صاحب کتنے خوش قسمت ہیں کہ وہ اس بازار میں گئے اور ان کی کماؤ وزیروں نے انہیں دیکھ کر اپنی جیبیں الٹ دیں اور ان پر اس طرح روپوں کی بارش کر دی جس طرح ان کا کانسن کر یا ان کا ڈانس دیکھ کر تماش بین "روسا" ان پر روپوں کی بارش کرتے ہیں۔ بعض تو خیر زندگی بھر کی دولت لٹا بیٹھتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ میاں شہباز شریف خوش قسمت انسان ہیں اور دولت ان پر عاشق ہے۔ کہتے ہیں کہ جب بھاگ اچھے ہوں تو انسان مٹی کو بھی ہاتھ لگائے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ مٹی تو سونا بن جاتی ہے لیکن اس بازار کی حسینہ اپنی کمائی کسی پر نچھاور نہیں کرتی۔ میاں صاحب نے اس اصول کو بھی غلط ثابت کر دیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر اپوزیشن میں یہ حال ہے کہ دولت ان پر عاشق ہے اگر وہ اقتدار میں ہوں تو کیا حال ہو گا۔ یقیناً دولت ان کے پیچھے پیچھے اور وہ آگے آگے ہوں گے لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ دولت واحد شے ہے جس سے انسان کی بھوک نہیں مٹتی۔

بہرحال سیاست اور اقتدار بھی عجیب شے ہے کہ انسان جس طرف جاتا ہے دولت استقبال کرتی ہے اور ایک طرف جیبیں خالی تو دوسری طرف جیبیں بھر جاتی ہیں۔

میں روا روی میں یہاں تک لکھ گیا ہوں اور اب سوچ رہا ہوں کہ آخر میاں شہباز شریف اس بازار سے منتخب ہو کر ان کے کون سے مسائل حل کریں گے اور ان کے کون سے مطالبات پورے کریں گے خیر یہ تو بعد کی بات ہے۔ اس وقت سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہیرا منڈی کے علاقے میں خاص طور پر میاں شہباز شریف جیسے شریف "نمازی" پرہیزگار اور نیک انسان کا اس قدر پرجوش استقبال کیوں ہوا اس کی ایک ہی وجہ میری سمجھ میں آتی ہے کہ شاید برسوں بعد کسی شریف انسان کا

اس بازار سے گزر ہوا تھا اور لوگ یہ دیکھنے کے لئے امڈ پڑے تھے کہ دیکھیں بھلا شریف لوگ کیسے ہوتے ہیں جس طرح انگریز کسی گاؤں میں چلا جائے تو سارا گاؤں اکٹھا ہو جاتا ہے کہ دیکھیں بھلا انگریز کیسے ہوتے ہیں"

وہ آئے بزم میں اتنا تو سب نے دیکھا میر
پھر اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

(عدنان شاہد کا کالم' روزنامہ خبریں لاہور 18 جنوری 1997ء)

پڑھتا جا' شرماتا جا....

سیاسی مخالفین پر الزامات لگانے اور ان کی کردار کشی کرنے والے حکمرانوں کی خود اخلاقی حالت یہ ہے کہ وہ برائیوں کی دلدل میں سرتاپا غرق اور گناہوں کی انتہائی پستیوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر پتھر پھینکنے والے ان وزیروں' مشیروں اور ارکان اسمبلی کے بارے میں سرسری طور پر اخبارات میں جو کچھ شائع ہو رہا ہے اور آف دی ریکارڈ اخبار نویسوں کو جو کچھ معلوم ہے وہ اتنا زیادہ ہے کہ حکمرانوں کی بجائے عوام کی گردنیں ہی شرم سے جھکا دینے کے لئے کافی ہے۔

○ لندن کے ایک ہوٹل میں وفاقی وزیر شیخ رشید کے داد عیش کی جو رپورٹیں اکتوبر میں اخبارات میں شائع ہوئی ہیں ان پر اگر مٹی بھی ڈال دی جائے تو بھی حکمران جماعت فتح جنگ سے اپنے ایک رکن اسمبلی ملک عطاء محمد کے بارے میں کیا کہے گی' جس کے لئے لاہور کے ایک اخبار نے تفصیلی رپورٹ میں بتایا تھا کہ وہ وزیراعظم نواز شریف کا قریبی دوست اور مسلم لیگی ہونے کے ناطے قانون سے بالاتر ہے۔ اس نے دوسری تنظیموں سے زیادہ بھیانک عقوبت خانے قائم کر رکھے ہیں۔ وہ اپنے گروہ کے ذریعے نہ صرف ڈاکے ڈلواتا ہے بلکہ جعلی کرنسی اور عورتوں کا کاروبار بھی کرتا ہے۔ اس نے ریاست کے اندر اپنی ریاست قائم کر رکھی ہے اور یہ سب کچھ وہ اسلام آباد کے پڑوس میں کر رہا ہے مگر کوئی پوچھنے والا نہیں۔ قتل کرا دینا اور مخالفین کو اغوا کرا کے تاراج کرانا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل اور محبوب مشغلہ

ہے۔ اس الزام کی تصدیق تو اس بات سے بھی ہوگی کہ جس اخبار نے رپورٹ شائع کی تھی اس کے مقامی نمائندے عزیز خان کو قتل کرا دیا گیا ہے اور مقدمہ بھی درج نہیں ہوا بلکہ ورثا سے معاوضہ پر "مک مکے" کی بات کی جا رہی ہے اور اخبار کے دوسرے عملے کو بھی دھمکیاں دی جا رہی ہیں۔

○ حکومتی وزراء اور ارکان اسمبلی کی اخلاقی حالت کیا ہے اس کا اندازہ لگانے کے لئے بھی یہ مثالیں ہی کافی ہیں جو سیاحت و ثقافت کے سابق 1993ء کے وزیر غلام قادر ملکانی اور مذہبی امور کے صوبائی وزیر الحاج حنیف سولجر سے متعلق سامنے آئی ہیں۔ 10 جنوری 1993ء کو ٹھٹھہ میں سیاحت و ثقافت کے صوبائی وزیر غلام قادر ملکانی کے بھائی کی شادی تھی جس میں باقاعدہ شراب نوشی اور ناچ رنگ کی محفل کا بھی اہتمام تھا۔ اس موقع پر معززین شہر و اعلی سرکاری حکام کے ساتھ بعض اسمگلروں اور ڈاکوؤں کو بھی شرکت کی دعوت تھی۔

"شراب و شباب" کی اس محفل میں جب شازیہ خٹک نامی رقاصہ اپنے فن کا خاص مظاہرہ کر رہی تھی تو داؤد جٹ نامی سونے کا ایک بدنام اسمگلر نشے میں دھت ہو کر اتنا بے قابو ہو گیا کہ اس نے مہمانوں کے سامنے رقاصہ شازیہ کو پکڑ لیا اور اس پر دست درازی شروع کر دی۔ شازیہ کے ساتھیوں نے مداخلت کی کوشش کی تو داؤد جٹ نے پستول تان لیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر غلام قادر ملکانی اپنے دوست کو سمجھانے کے لئے اٹھے تو وہ ان سے بھی الجھ گیا اور وزیر موصوف کی سب کے سامنے دھنائی کر دی۔

وزیر کو پٹتے دیکھ کر ایس۔ پی ٹھٹھہ نے جو کہ خود بھی وہاں مدعو تھے' مداخلت کی اور ان میں بیچ بچاؤ کرا دیا۔ داؤد جٹ کا کہنا تھا کہ شادی کی اس تقریب کے لئے ہزاروں روپے کی غیر ملکی شراب اس نے مفت فراہم کی تھی لہذا رقاصہ شازیہ پر اس کا پورا حق تھا' مگر میرے دوست نے ایک بازاری عورت کے پیچھے میری بے عزتی کی ہے۔ اس ہنگامہ آرائی کو دیکھ کر وہاں موجود تمام اعلی سرکاری افسران خاموشی سے کھسک گئے۔

اس تقریب کی خاص بات یہ بھی تھی کہ وزیر موصوف کے محکمے کا سرکاری

فوٹوگرافر پوری تقریب کی ویڈیو فلم بنا رہا تھا اور اس نے اپنے وزیر کی پہلی اور شادیہ سے دست درازی کے واقعے کی فلم بندی بھی کر لی تھی مگر صوبائی سیکرٹری ایکسائز کے پی رو جن کے فرائض میں شراب نوشی کی روک تھام بھی ہے ویڈیو کیمرے سے فلم نکال کر غلام قادر ملکانی کے حوالے کر دی جس پر انہوں نے صوبائی سیکرٹری کا شکریہ ادا کیا۔

○ حج و مذہبی امور کے صوبائی وزیر الحاج حنیف سولجر سے متعلق روایت ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی سٹی ایریا 89ء کے نائب صدر کے چھوٹے بھائی نے اپنی دعوت ولیمہ کے سلسلے میں گورنر ہاؤس سے متصل بارہ دری میں ایک عشائیہ اور رقص و سرود کی محفل کا اہتمام کیا مگر ضلعی انتظامیہ نے یہ کہہ کر اجازت دینے سے انکار کر دیا کہ بابری مسجد کے واقعہ کے باعث شہر میں کھلے مقامات پر ناچ رنگ کی اجازت نہیں دی جا سکتی بالخصوص گورنر ہاؤس کے ساتھ ایسی محفل کی اجازت دینے کا رسک تو ہرگز نہیں لیا جا سکتا۔ ہر طرف سے مایوس ہو کر درخواست گزار نے پیپلز پارٹی کے ساتھ حوالے سے صوبائی وزیر حنیف سولجر سے رجوع کیا اور اجازت دلوانے کے لئے سفارش پر زور دیا۔ حنیف سولجر نے اس مسئلے کا حل یہ پیش کیا کہ وہ خود محفل میں شریک ہو جائیں گے اور ان کے ساتھ پولیس گارڈ بھی ہوں گے لہٰذا کسی کو مداخلت کی جرأت نہ ہو گی' جسے بخوشی قبول کر لیا گیا۔ وقت مقررہ پر حنیف سولجر ناچ رنگ کی اس محفل میں شریک ہوئے جہاں انہیں اتنا مزہ آیا کہ رات بھر بیٹھے مدہوش ہوتے رہے اور فجر کی اذان کے وقت باہر آئے۔ اس روز بلدیہ ٹاؤن عابد آباد میں انہیں وزیر مذہبی امور کی حیثیت سے ایک دینی مدرسے کا بھی افتتاح کرنا تھا چنانچہ جب وہ اس افتتاحی تقریب میں پہنچے تو رات بھر کا خمار ان کی چہرے سے ہویدا تھا اور زبان بری طرح سے لڑکھڑا رہی تھی چنانچہ چند رسمی کلمات کی ادائیگی کے بعد فوری طور پر وہاں سے واپس ہو گئے۔

(ہفت روزہ پاکیشیا کراچی یکم مارچ تا 16 اپریل 93ء)

راناحیات ایم۔این۔اے

حکمران آئی جے آئی کے ایک رکن قومی اسمبلی' اور وزیراعظم کے ذاتی دوست' رانا حیات ہیں۔ ان کا خاندان "بھائی پھیرو کے رانا" کہلاتا ہے اور اس خاندان کے بعض افراد طالبات کے سرکاری اسکول میں گھس کر ایک طالبہ فرحانہ سے زیادتی کے الزام میں خاصی شہرت پا چکے ہیں۔ تازہ ترین اطلاع یہ ہے کہ ان کے خاندان کے چند بدمعاش اپنے خلاف آواز اٹھانے پر ایک ڈاکٹر اسحاق کھگی کے کلینک میں گھس گئے اور توڑ پھوڑ کے بعد اسلحہ کے زور پر ڈاکٹر کو ننگا نچوایا' بیٹے کو زدوکوب کیا اور ایک لاکھ روپے تاوان کی ادائیگی کی شرط پر زندہ چھوڑ گئے۔ اس ظلم کی اطلاع جب اخبارات کو ملی تو رانا حیات اسمبلی میں اخبارات پر گرجتے برستے رہے اور وزیراعظم نواز شریف سے آئی جے آئی کے پارلیمانی اجلاس میں بھی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق احتجاج کیا کہ اخبارات جھوٹی خبریں چھاپ رہے ہیں۔ ان کی شکایت پر وزیراعظم نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا آپ فکر نہ کریں میں جانتا ہوں آپ لوگ شریف آدمی ہیں آپ کا کچھ نہیں ہو گا۔ وزیراعظم کی اس یقین دہانی کے جواب میں بھائی پھیرو کی شہری انجمن نے کہا کہ اگر رانا خاندان کے دہشت گردوں کو سزا نہ ملی تو سینکڑوں لڑکیاں خود کو آگ لگا کر ہلاک کرنے پر مجبور ہو جائیں گی۔ ان کا کہنا ہے کہ حکمران جماعت کا ایم۔این۔اے رانا حیات جھوٹا شخص ہے۔ اس پر درجنوں فوجداری مقدمات ہیں جن میں اغوا برائے تاوان' ناجائز اسلحہ چلانے اور مارپیٹ کے علاوہ منشیات کے اڈوں کی سرپرستی اور ایک ملزم کو تھانے کے لاک اپ سے زبردستی چھڑانے کا مقدمہ بھی شامل ہے۔

اخباری اطلاعات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایم۔این۔اے رانا حیات کے سگے چچا اور ضلع کونسل کے رکن رانا باغ نے ایک بے سہارا عورت کی 28 ایکڑ زرعی اراضی جعلسازی سے ہتھیانے اور مقدمہ کرنے پر اسے نکاح کا پیغام بھجوا دیا۔ یہ عورت جو پہلے لاکھوں میں کھیلتی تھی آج کل اپنی دو نوجوان لڑکیوں کے ساتھ چھوٹے سے مکان میں پناہ گزیں ہے اور اس کا ذریعہ آمدنی بھی کوئی نہیں کہ مقدمہ بازی

کر سکے۔

اسلامی جمہوری اتحاد کے رکن اسمبلی سکندر بوسن کے بارے میں اطلاعات ہیں کہ وہ مجرموں کو ملازمت اور پناہ فراہم کرنے کے شوقین ہیں۔ حال ہی میں سکندر بوسن کے باڈی گارڈ نجاب عرف مجیا اور عباس عرف عباسا نے ملتان کے نواحی گاؤں جھوک وینس میں رہائش پذیر ایک پٹھان مزارع کے گھر میں گھس کر اس کی دو نوجوان بیٹیوں کی گھر والوں کے سامنے آبروریزی کی۔ ان لڑکیوں کی چند دنوں بعد شادیاں ہونے والی تھیں۔ پولیس نے مجرموں کو ایم۔پی۔اے سکندر بوسن کے گھر سے گرفتار کیا مگر ایم۔پی۔اے کے خلاف مجرموں کو پناہ دینے کا مقدمہ نہیں اطلاع ہے کہ وزیراعظم نے متاثرہ خاندان کو ایک لاکھ روپے اور یہ تسلی دے کر خاموش رہنے کا کہا ہے کہ مجرموں کو خصوصی عدالت سے سزائیں دلوائیں گے۔

(ہفت روزہ پاکیشیا کراچی یکم مارچ 1993ء)

مدیحہ شاہ اور وزراء کے بیٹے

احمد پور شرقیہ کے نواحی گاؤں نجیری تحصیل میں معروف فلمی اداکارہ اور رقاصہ مدیحہ شاہ کے نیم برہنہ لباس میں سرعام مجرے کا مقدمہ درج ہونے کے باوجود بہاولپور پولیس نے کسی بھی ملزم کو گرفتار نہیں کیا۔ اس مجرے کا اہتمام سابق وفاقی وزیر مملکت شہزادہ سید الرشید عباس کے بیٹے سابق گورنر سندھ کے بھتیجے عدنان عباس اور مقامی ایم۔پی۔اے نے کیا۔

(روزنامہ خبریں لاہور 15 دسمبر 1998ء)

سیف الرحمن اور شرمیلا فاروقی

کرپشن میں ملوث پاکستان سٹیل ملز کے سابق چیئرمین عثمان فاروقی کی بیٹی شرمیلا فاروقی نے احتساب سیل کے چیئرمین سیف الرحمن کے خلاف مجرمانہ حملے کا الزام لگا دیا۔ سندھ ہائیکورٹ کے چیف جسٹس جناب وجیہہ الدین احمد کی ہدایت پر بدھ کے روز شرمیلا فاروقی نے جوڈیشل اکیڈمی کے ڈائریکٹر ریٹائرڈ جسٹس زیڈ۔اے



"ملکہ جذبات" سیف الرحمان

چنا کے روبرو خفیہ بیان ریکارڈ کرایا۔ بیان کے وقت شرمیلا فاروقی کے علاوہ انصار برنی ویلفیئر ٹرسٹ کے چیئرمین انصار برنی اپنی اہلیہ شاہین برنی کے نمائندے کی حیثیت سے موجود تھے۔ شرمیلا فاروقی بیان دیتے ہوئے روتی رہی اور اس کی ہچکی بندھ گئی۔ شرمیلا نے اپنے بیان میں الزام لگایا کہ دوران حراست اسے اسلام آباد لے جایا گیا جہاں اس کے ساتھ جنسی تشدد کیا گیا۔ مذکورہ بیان 3 گھنٹے تک بند کمرے میں قلمبند کیا گیا۔ شرمیلا کا بیان اور رپورٹ جوڈیشل اکیڈمی کے ڈائریکٹر نے سربمہر کر کے چیف جسٹس کو بھیج دیئے ہیں۔ انصار برنی ٹرسٹ کی شاہین برنی نے شرمیلا فاروقی کے اخباری بیان پر چیف جسٹس کو خط لکھا تھا کہ حراست میں اس کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے۔ اس کا تفصیلی بیان قلمبند کر کے عدالت عالیہ از خود معاملے کا نوٹس لے" چنانچہ گزشتہ روز یہ ساری کارروائی عدالت عالیہ کے حکم پر ہوئی۔

انصار برنی ویلفیئر ٹرسٹ کے چیئرمین انصار برنی نے کہا کہ میری "قوم کی



"بیٹی" کا عدالت میں دیا گیا بیان ہمارے لئے شرم کا باعث ہے۔ جب تک 4 گھنٹے تک شرمیلا روتے ہوئے بیان دیتی رہی میرا اپنا سر شرم سے جھکا رہا۔ انصار برنی نے کہا کہ ایک قوم کی بیٹی کے ساتھ وہ چاہے کتنی ہی ایڈوانس یا آزاد کیوں نہ ہو سینیٹر سیف الرحمن کو بحیثیت ایک ادارے کے سربراہ یا امین ہونے کے ناطے ایسا عمل سر انجام نہیں دینا چاہئے تھا۔ ایک سوال کے جواب میں انصار برنی نے بتایا کہ میں شرمیلا کے عدالت میں دیئے گئے بیان کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ وہ بیان "رازدارانہ" بیان ہے جسے چیف جسٹس ہی منظر عام پر لا سکتے ہیں۔ اس پر روشنی نہیں ڈال سکتا تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ بحیثیت ایک باپ بھائی اور بیٹے کے جب تک وہ بیان قلمبند کراتی رہی میرا سر شرم و ندامت سے جھکا رہا اور میں سوچتا رہا کہ ہم کتنی بے حسی کے عالم میں زندہ ہیں۔

اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ جس ملک میں بیٹیوں کی عزت اقتدار کے ایوانوں میں لٹ جائے' اس ملک میں وزیراعظم کو اپنے عہدے پر رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ انہوں نے کہا کہ مقدمہ کی تحقیق غیر جانبدار ایجنسی سے کروائی جائے۔ شرمیلا فاروقی کا بیان پڑھ کر پوری قوم کے سر

شرم سے جھک گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ شرمیلا فاروقی کے چالیس لاکھ کی انگوٹھی دینے کے الزام میں بھی حسین نواز کو شامل تفتیش کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ حکومتی وزراء پر اس سے پہلے بھی الزامات عائد ہوئے ہیں۔ ملتان کی ایک خاتون کو نوکری دلوانے کے بہانے ایک وزیر نے ان سے دست درازی کی کوشش کی۔ ابھی اس واقعہ کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک وزیر مارگلہ کی پہاڑیوں میں ایک خاتون کے ساتھ پایا گیا۔ چند روز قبل اخبارات میں محترم شیخ رشید کی ایک ایئر ہوسٹس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ چھپ چکی ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ ان تمام واقعات کی فوری طور پر انکوائری کروائی جائے اور ایسے تمام وزراء کے خلاف کارروائی کی جائے۔

(شرمیلا فاروقی اور احتساب ڈرامہ از سید اظہر فرید)

ایئر پورٹ پولیس نے معطل سینیٹر سیف الرحمن کے خلاف حدود آرڈیننس کے تحت مقدمہ درج کر لیا ہے۔ پولیس کے مطابق مقدمہ نمبر 203/99 شرمیلا فاروقی کی رپورٹ پر درج کیا گیا ہے۔ شرمیلا فاروقی نے اپنی درخواست میں کہا ہے کہ سیف الرحمن نے اپنے دور اقتدار میں انہیں اسلام آباد بلا کر ذہنی اور جسمانی تشدد کیا اور غیر اخلاقی حرکات کی تھیں۔

(روزنامہ جنگ لاہور 27 نومبر 1999ء)

ماضی میں سیف الرحمن کے معروف گلوکارہ طاہرہ سید اور ان کے شوہر نعیم بخاری سے جھگڑے کی خبریں بھی منظر پر آئی تھیں۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ طاہرہ سید کی ایک کاروباری فرم بھی پنجاب میں رجسٹرڈ تھی جسے تعمیرات کے ساتھ ہونے والے چھوٹے چھوٹے کاموں کے ٹھیکے ملتے تھے۔ ریڈکو کنسٹرکشن کو جب پاکستان میں ٹھیکے ملنے لگے تو اس نے جنگلوں کی تنصیب جیسے ذیلی کام کے ٹھیکے طاہرہ سید کی فرم کو دینے شروع کر دیئے۔ طاہرہ سید کو ریڈکو کے ایک ڈائریکٹر کی حیثیت حاصل ہو گئی اور ان کی فرم کو ملنے والے کام اور ٹھیکوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔

(ہفت روزہ ندائے ملت لاہور۔ 27 جنوری تا 2 فروری 2000ء)

انبساط یوسف صلاح الدین کے سنسنی خیز انکشافات

ہمارے ملک کی نام نہاد اپر کلاس دور سے جیسی نظر آتی ہے لیکن نزدیک جانے پر پتا چلتا ہے کہ یہ تو ریت ہے۔ مڈل کلاس کی لڑکیاں اپر کلاس کی چمک دمک پر نہ جائیں' یہ نرا دھوکہ ہے۔ یوسف صلاح الدین اور عمران خان جیسے لوگوں کی زندگی کا مقصد ہی مڈل کلاس کی لڑکیوں کو تباہ کرنا ہے۔ یوسف صلاح الدین کا فارمولا ہے کہ عورت کو استعمال کرو اور اسے پھینک دو' جبکہ عمران خان کا فارمولا ہے کہ عورت کو استعمال کرو اور صرف پھینک ہی نہ دو بلکہ مکر بھی جاؤ۔ یہ کڑوی کسیلی باتیں مڈل کلاس کی اس لڑکی کی ہیں جو کالج آف ہوم اکنامکس لاہور میں ایم۔ اے کا امتحان دینے سے قبل لاہور کے ایک رئیس زادے کے دام محبت میں پھنس گئی اور پھر اس رئیس زادے کی ان قسموں کے بعد "اگر تم نہ ملی تو میں مر جاؤں گا۔" سابق گورنر پنجاب ملک غلام مصطفیٰ کھر کی سابق اہلیہ تہمینہ درانی کے گھر رات ڈیڑھ بجے نکاح



انبساط یوسف صلاح الدین

کر کے زندگی بھر کا ناطہ جوڑ لیا۔ میں نے چونکہ اندرونی زیبائش کے موضوع پر ماسٹر ڈگری حاصل کر رکھی تھی اور میرا شوق بھی تھا لہٰذا میں یوسف صلاح الدین کی حویلی کو ایک خوبصورت اور مثالی عمارت بنانے کی کوشش میں مصروف رہی۔ 93ء میں جب اس وقت کی وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو لاہور آئیں اور مجھے کہا کہ یہ ہمارے لئے اعزاز ہو گا کہ آپ پاکستان پیپلز پارٹی کو آفس بیئرر کے طور پر جوائن کریں۔ یوسف صلاح الدین سے پوچھا تو اس نے کہا پارٹی جوائن کر لو اور جو عہدہ دیتے ہیں لے لو۔ پھر میں نے پیپلز پارٹی لاہور کے جنرل سیکرٹری کا عہدہ سنبھال لیا اور پارٹی کے اندر بہت سے معاملات کو پینالائز کرنے کی کوشش کی۔ میری تجاویز مان لی جاتیں تو آج پنجاب میں یہ صورت حال نہ ہوتی کیونکہ ہمارے پاس پاور تھی' انرجی تھی' سب کچھ تھا' صرف کمی تھی تو کمٹمنٹ کی اور پھر ہماری پارٹی نے بہت نقصان اٹھایا۔ میں اس دوران اس حویلی کو عوامی اور رفاہی حویلی بنانے کی کوشش کرتی رہی۔ یہاں دنیا بھر سے لوگ آتے ہیں جو سیکھ سکتی تھی سیکھا۔ تمام دنیا میں بے انتہا فرینڈز بنائیں' ہر قومیت کے لوگ مجھ سے ملے۔ میں حویلی کو ڈی۔ٹی۔وی اور بی۔بی۔سی تک لے گئی اور 94ء میں پہلی بار میں نے شادی سے بیزاری محسوس کی' جس کی وجہ یہ تھی کہ ہم دونوں میاں بیوی کی سوچ میں فرق تھا۔ اولاد بھی نہ تھی اور افسوس سے بتانا پڑ رہا ہے کہ یوسف صلاح الدین نے مجھے پہلے ہی کہہ دیا کہ میں تم سے بچے تو پیدا ہی نہیں کروں گا۔ پھر جو کچھ میرے گھر میں ہوتا تھا بہت تکلیف دہ تھا۔ میں برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ میرے گھر میں میرے کمرے میں عمران خان جیسے لوگ لڑکیاں لے کر آئیں اور میں کہوں کہ بڑی اچھی بات ہے۔ میں عمران خان کو چاچو کہتی تھی اور میرے گھر میں صرف یہی ہو رہا تھا کہ لڑکیاں آ رہی ہیں' لڑکیاں جا رہی ہیں۔

شادی سے پہلے ہمارا گھر ہی عمران کا گھر تھا۔ اسے اپنے گھر رہنے کا مزا تو شادی کے بعد آیا۔ اس سے قبل وہ ہر رات ہمارے گھر میں ہوتا تھا۔ مجھے یوسف کی بیوی کے طور پر عزت نہ دی گئی' کسی نے اس بات کی پروانہ کی کہ ہمارے کرتوتوں کی وجہ سے انبساط پر کوئی آفت نہ آ گرے' اسے طلاق نہ ہو جائے۔ میرے گھر میں لڑکیوں کا آنا جانا ہی میری اور یوسف کی لڑائی کی بنیاد بنا۔ انہوں نے تو سوچ رکھا تھا کہ

حاجی مقصود بٹ سابق ایم۔پی۔اے

ڈیفنس پولیس نے سیاسی دباؤ کے تحت 915 زیڈ بلاک میں لیگی ایم۔پی۔اے حاجی مقصود بٹ کی تتلیوں سمیت رنگ رلیوں کے لئے سجائی گئی محفل کو "میوزک پارٹی" قرار دے کر باعزت طور پر مقدمہ درج کئے بغیر تھانہ سے باعزت رخصت کر دیا جبکہ تھانہ کے روزنامچہ میں حاجی مقصود احمد بٹ ایم۔پی۔اے اور دیگر افراد کے بارے میں تفصیل سے ذکر کرکے رپورٹ تحریر کر دی گئی ہے کہ اور قانونی طور پر واقعہ کا ریکارڈ تیار کیا گیا ہے۔ گزشتہ رات ڈیفنس پولیس نے روزنامہ خبریں اور صحافت کے ہمراہ زیڈ بلاک میں چھاپہ مارا اور لاہور کے حلقہ پی پی 129 میں کامیاب ہونے والے ممبر صوبائی اسمبلی اور آل پاکستان انجمن تاجران کے صدر حاجی مقصود احمد بٹ اور 9 خوبرو تتلیوں اور 17 افراد کو گرفتار کرلیا۔ پولیس نے جب گرفتار کرنے کی کوشش کی تو مزاحمت کرنے پر ان کی تھپڑوں سے تواضع کی گئی اور حاجی مقصود احمد بٹ کو تمام افراد سمیت تھانہ لے آئی۔ جہاں پہنچ کر حاجی مقصود احمد بٹ کی سفارش کے لئے سیاسی کالوں کا تانتا بندھ گیا۔ ریڈنگ پارٹی کی قیادت کرنے والے ڈیفنس پولیس کے سب انسپکٹر نقی شاہ نے دیر کئے بغیر تھانہ کے روزنامچہ میں واقعہ کو تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے رپورٹ نمبر 35 میں تحریر کیا ہے کہ ڈیفنس پولیس کو اطلاع ملی تھی کہ 915 زیڈ بلاک میں دو اشتہاری آکر ٹھہرے ہوئے ہیں جس پر پولیس نے چھاپہ مار کر کوٹھی کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ لیکن گھر سے حاجی مقصود احمد بٹ۔ ایم۔پی۔اے ظفر اقبال' ارشاد' ناصر محمود' شمیل ہمدانی' مختار سید محمود' مظفر' رابعہ' ناصرہ' روبی نسرین' چاندنی' عنبر' شبانہ' کشور پروین اور شمشاد وغیرہ اونچی آواز میں ڈیک لگا کر جھوم رہے تھے۔ اسی دوران پولیس کو دیکھتے ہی تمام افراد گھبرا گئے اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ لیکن موقع سے کسی کو فرار نہ ہونے دیا گیا۔ ڈیفنس تھانہ کے روزنامچہ میں تمام واقعہ کا تفصیلاً ذکر کرکے قانونی طور پر ریکارڈ میں حاجی مقصود احمد بٹ ایم۔پی۔اے کا نام تو تحریر کر دیا گیا ہے لیکن سیاسی دباؤ کے تحت پولیس نے انھیں اور دیگر افراد کو باعزت شہری بنا کر مقدمہ درج کئے

بغیر رات گئے وہاں سے بری کر دیا۔ معلوم ہوا ہے کہ تھانہ میں حاجی مقصود۔ ایم پی اے کے سفارشی افراد کا تانتا بندھ گیا اور وہ موقع پر ہی پولیس اہلکاروں کو سنگین نتائج کی گالیاں حتیٰ کہ پورا تھانہ معطل کروانے کی دھمکیاں دیتے رہے۔ جس کے بعد آخرکار ڈیفنس پولیس نے صرف کوٹھی کے مالک ناصر نامی شخص کے خلاف صرف شراب رکھنے کا مقدمہ درج کرلیا ہے۔

(روزنامہ صحافت لاہور 22 جنوری 1999ء)

معروف صنعت کار عرفان پوری کے انکشافات

قومی احتساب بیورو (نیب) کی حراست میں ممتاز صنعت کار خاندان "پوری فیملی" کے عرفان پوری نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بے نظیر بھٹو کے دور حکومت میں وفاقی وزیر پٹرولیم انور سیف اللہ اور پھر نواز شریف دور کے وفاقی وزیر پٹرولیم چودھری نثار علی خان سے اس کے قریبی تعلقات تھے اور اس نے مذکورہ وزراء کی بیگمات کو کروڑوں روپے کی شاپنگ کرانے کے عوض جعلی فرنس آئل فروخت کرکے بھاری منافع کمایا۔ ذرائع کے مطابق عرفان پوری جس کے والد مظفر پوری 16 جنوری کو کراچی جم خانہ میں ہونے والے الیکشن میں صدارتی امیدوار بھی تھے' نے کراچی کی ملیر چھاؤنی کی ایک بیرک میں نیب کے تفتیشی افسران کو اپنا تفصیلی بیان دیا جس میں سنسنی خیز انکشافات کئے گئے۔ روزنامہ "نوائے وقت" کے مطابق عرفان پوری نے بتایا کہ اس نے بیگم انور سیف اللہ اور بیگم نثار علی چودھری کے میک اپ سمیت انتہائی بیش قیمت ہیرے اور سونے کے سیٹ فراہم کرنے کے علاوہ ان کے بیرون ملک سیر و تفریح کے لئے خطیر رقوم فراہم کیں جس کے بدلے ان دونوں وزراء نے اس کی ہر ناجائز حرکت کو سرے سے نظرانداز کر دیا۔ ذرائع کے مطابق عرفان پوری نے اعتراف کیا کہ اس نے انور سیف اللہ کو 100 کروڑ جبکہ چودھری نثار علی خان کو 200 کروڑ روپے کے لگ بھگ نقد رقم فراہم کی اور دونوں وزراء اور ان کے قریبی دوستوں کے لئے لاہور اور کراچی کی متعدد فلمی اداکاراؤں کے علاوہ طوائفوں کی خدمات بھی حاصل کیں۔

یہ لڑکی مڈل کلاس کی ہے' شاہدرہ سے اٹھا کے اس حویلی میں لا رہے ہیں اس لئے متاثر ہوگی اور روک ٹوک نہیں کرے گی۔ مجھ سے ایسی اقدار کی توقع کی گئیں جو کسی بھی پاکستانی لڑکی کے لئے مشکل ہے۔ میں نے کہا میری اپنی اقدار ہیں' میں مڈل کلاس سے ہوں اور مجھے اپنی اقدار پر فخر ہے' میں حویلی کے اندر رہی اور بے سہارا خواتین کی مدد کرتی رہی۔ میں ان خواتین کو حویلی میں رکھتی جن کے سر پر پردہ ڈالنا ہوتا لیکن یہ لوگ ایسی بے سہارا خواتین کو رکھتے جن کی مجبوری سے بعد میں ان لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھانا ہوتا۔ میں اور میرا شوہر بالکل مخالف سمت پر چل رہے تھے۔ پھر انسانی حقوق کے کئی کیس آئے' سیکڑوں لوگ ہماری حویلی کے باہر مدد کے لئے پکار رہے ہوتے' عمران خان روزانہ آتا اور اس نے کبھی یہ نہ پوچھا کہ یہ لوگ کیوں مر رہے ہیں۔ جتنے مسائل تھے میرے لئے تھے اور جتنی عیاشی تھی وہ ان کے لئے تھی۔ عمران کی شادی کے بعد مجھے میرا گھر ملا۔ اس سے قبل تو میرا گھر ہی نہ تھا بلکہ یوسف اور عمران خان کی لڑکیوں کا عیش کدہ تھا۔ پھر یوسف صلاح الدین نے میری پارٹی جنرل سیکرٹری شپ پر اعتراض کرنا شروع کر دیا۔ جس روز صدر لغاری نے پیپلز پارٹی کے خلاف ریفرنس دائر کیا اسی دن یوسف صلاح الدین نے مجھے کہا کہ استعفیٰ دو۔ میں نے کہا تم استعفیٰ دو میں کیوں دوں' میں نے سیاست میں زندہ رہنا ہے' عوام کی خاطر الیکشن لڑنا ہے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ ہم مڈل لوگ ہیں۔ ہم مڈل کلاس والوں کی قدریں ان بڑے لوگوں کے نزدیک چیپ (گھٹیا) ہوں گی لیکن ہم پیسے کے پیچھے پارٹیاں نہیں بدلتے۔ اگر پی پی کے لئے کام کرتے ہیں تو کرتے ہیں۔ انبساط نے کہا کہ یوں میرے اور یوسف صلاح الدین کے اختلافات بڑھتے گئے۔ نظریات ایک تھے نہ قدریں۔ جہاں تک اولاد کا معاملہ ہے تو یوسف ایسا کرنے نہیں دیتا تھا۔ انبساط نے انتہائی دکھ بھرے لہجے میں بتایا کہ یوسف نے دس سال پہلے اپنی سابقہ بیوی میاں افتخار الدین کی بیٹی کو طلاق دی تھی۔ اس سے دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی لیکن یہ بڑے لوگ ہیں' اس لئے طلاق دینے کے باوجود مل کر کھانے کھاتے ہیں۔ انبساط نے کہا یوسف کا کیا گیا' اسے سابقہ بیوی بھی ملتی ہے اور اولاد بھی جو کچھ نقصان ہوا میرا ہوا۔ اس کی تو مفت میں بڑی اچھی ڈیل ہو گئی۔ لو میرج بھی کرلی اور

چھوڑ بھی دیا۔ انبساط نے کہا جس روز ہماری شادی ہوئی تہمینہ درانی کے گھر رات ڈیڑھ بجے نکاح ہوا۔ یوسف اس وقت پاگل ہو رہا تھا۔ صبح تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔ کہتا تھا مر جاؤں گا۔ عمران خان وہ آدمی تھا جس کے ذریعے حویلی میں عورت آتی تھی۔ یوسف کھانا پکوا کے گھر اسے دیتا تھا اور پھر سارے دوست انجوائے کرتے تھے۔ ایک ان کا دوست گونڈی ہے۔ شاید وہ سونے کی سمگلنگ کرتا ہو۔ ایک ڈاکر خان ہے جو آج بھی عمران کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک ان کا دوست موبی تھا جو باہر چلا گیا ہے۔ انبساط نے کہا کہ میں کیا کیا بتاؤں۔ یوسف کی زندگی میں نازو گانے والی بھی ہے۔ نازو پہلے بھی ملتی تھی کیوں کہ میں بھی پریکٹیکل ہنگر تھی۔ یوسف کے اگر دس بچے تھے تو میرے 200 بچے تھے لیکن میں نے گھر کی خاطر کوئی سکینڈل نہ اچھالا۔ نازو میری ماں سے بھی بڑی عمر کی عورت ہے۔ اسے میں کیا کہوں وہ آج میرے گھر میں رہتی ہے۔

مریم اور سونیا نام کی دو ماڈل گرلز ہیں۔ ایک عورت جو بے نظیر بھٹو کے ساتھ کھانا کھاتی تھی فرانس آ جا رہی ہے' لوگوں کو بتاتے ہوئے اس کا میاں فخر محسوس کرتا ہے۔ حویلی میں ماڈل ٹاؤن کی رہنے والی ایک ماڈل گرل مریم ہے جس کے ساتھ یوسف صلاح الدین شادی کرنا چاہتا ہے۔ میں یہ صورت حال پہلے دیکھ رہی تھی۔ 95ء تک روتی رہی' چیختی رہی۔ 96ء میں میں نے یوسف سے صاف صاف کہا کہ اب مجھے بھی کوئی رکاوٹ نہیں۔ میں بھی جس کے ساتھ چاہوں جاؤں' جو جی چاہے کروں۔ میں نے کہا شاید اس دھمکی سے میرا شوہر سدھر جائے۔ آج مجھے افسوس ان لڑکیوں کا ہے جو اب خراب ہو رہی ہیں۔ ساری لڑکیاں تین بجے یوسف کے گھر اکٹھی ہوتی ہیں۔ دو گاڑیوں اور ایک پجارو میں بیٹھ کے وہ لوگ جمنازیم چلے جاتے ہیں۔ پجارو میں لڑکیاں بھری ہوتی ہیں اور یوسف درمیان میں ہوتا ہے۔ ایکسرسائز اور سوئمنگ پول پر ایک لڑکی تولیہ پکڑے کھڑی ہوتی ہے' ایک پسینہ پونچھ رہی ہوتی ہے۔ یوسف صلاح الدین ہیرا منڈی سے نہیں مڈل کلاس کی لڑکیوں سے دوستی کا شوقین ہے۔ اس کی یہ کوشش ہے کہ اب ہیرا منڈی سے نہیں مڈل کلاس سے طوائف بنائی جائے۔ انبساط نے کہا کہ یوسف صلاح الدین نے مجھے کہا تھا کہ 27 نوکروں اور چار نوکرانیوں' گاڑی' ایئر کنڈیشنڈ گھر اور دیگر سہولتوں کے بغیر تم مر جاؤ

گی۔ اس نے یہ سب کچھ اس لئے کہا کہ یہ اب چلے گی لیکن اسے یہ معلوم نہ تھا کہ میں کون ہوں اور میں کیا چیز ہوں۔ کسی سے عشق ہو جانا اور بات ہے' کسی کا پیسہ کھا جانا اور بات۔ میاں یوسف صلاح الدین نے مجھے کبھی کچھ نہ دیا' سسٹم ہی ایسا تھا کہ جو لینا ہے دکان سے لے لو۔ سفید کرتہ پہنو' سفید شلوار قمیص پہنو' سونا' ڈائمنڈ وغیرہ تو یوسف کو پسند ہی نہیں۔ میں سردیوں میں ملیشیا پہنتی تھی۔ سات سال تک یہی میرا لباس رہا۔ تصاویر اٹھا کے دیکھ لیں کبھی کبھار سہیلیوں' یا رشتہ داروں کے دیئے ہوئے کپڑے پہن لیتی ورنہ میرے ہاتھ پر انہوں نے کبھی خریداری کے لئے پیسہ نہ رکھا۔ اب یوسف لڑکیوں کے لئے سونا خریدتا ہے' اسے تو سونا پسند ہی نہ تھا۔ پہلے جب ہمارے تعلقات کشیدہ ہوئے تو محترمہ بے نظیر بھٹو نے یوسف کو بلایا اور کہا تم بڑے بدقسمت آدمی ہو۔ انبساط کو نہ چھوڑنا ورنہ سیاسی' سماجی طور پر تباہ ہو جاؤ گے۔

اس کے علاوہ محترمہ بے نظیر بھٹو نے مجھ سے کبھی میری ذات کے حوالے سے بات نہ کی۔ ایک بار کہا کہ تم بڑی افسردہ نظر آ رہی ہو۔ میں نے کہا "Give me a smile" اور پھر محترمہ نے مجھے Smile دی اور میں خوش نظر آنے لگی۔ انبساط مطلوب الرحمن نے کہا کہ انتقام کسی بھی سطح کا ہو اس میں انسان خود تباہ ہو جاتا ہے کیونکہ آپ کا اٹھنا بیٹھنا انتقام کی نذر ہو جاتا ہے۔ دوسرا جب چاہتا ہے کہ آپ کو ٹھڈے مار کے نکالا جائے پھر آپ کو مزید ٹھڈے پڑیں تو آپ کا کام ہے کہ مزید ٹھڈے آپ نہ کھائیں' یہ نام نہاد امیرزادے پہلے عورت کو ذلیل کرتے ہیں اور جب عورت غلط ہو جاتی ہے تو کہتے ہیں کہ پہلے ہی غلط تھی۔ انبساط نے کہا کہ مڈل کلاس کی لڑکیوں کے لئے میرا پیغام ہے کہ اپنے ہاتھوں سے جتنا بنا سکو بناؤ' کبھی اپر کلاس کی چمک دمک پر نہ جانا۔ آصف علی زرداری سیکس سکینڈل کے حوالے سے انبساط نے کہا ریما وغیرہ کہتی ہیں کہ ہم پاک صاف ہیں' میری شادی سے قبل یہی ریما دولت والوں کے لئے اتنی آسانی سے دستیاب تھی کہ یوسف صلاح الدین کی حویلی میں عمران خان اور یوسف کے دیگر دوستوں کی موجودگی میں دو دن تک مسلسل رقص کرتی رہی تھی اور اس دوران صرف ایک گانا "جانے کہاں دل کھو گیا" بجتا رہا۔

پھر 90ء سے 93ء تک ان ساری اداکاراؤں کے ریٹ بڑھتے گئے پھر ان کے ریٹ کرنے لگے۔ پیپلز پارٹی حکومت برسراقتدار آنے تک یہ باآسانی دستیاب اور استحصال ٹرینڈ ہو چکی تھیں۔

یوسف اولاد پیدا کرنے کے سخت مخالف تھے۔ انہوں نے میری خواہش کے برعکس چار بار میرا اسقاط حمل کروایا۔ ایک بار جڑواں لڑکے تھے مگر انہوں نے اسقاط کروا دیا۔ انبساط نے بتایا کہ میاں یوسف کو اپنی پہلی بیوی سے طلاق کے بعد بھی محبت رہی' افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان کے اپنی پہلی بیوی سے بعد میں بھی ناجائز مراسم رہے جن کا انکشاف مجھ پر اچانک ہوا۔ جب ایک دن میں نے یوسف کو موبائل پر فون کیا تو ڈرائیور نے اٹھایا۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا تو اس نے ٹال مٹول کی' جب ذرا سختی سے پوچھا تو اس نے کہا ہم مال روڈ پر ایک گھر میں ہیں' میں نے پوچھا تو تم اقبال ٹاٹا کے گھر ہو جس پر اس نے اثبات میں جواب دیا۔ میں نے صحافی بن کر اس کے بیڈروم کے فون پر فون کیا تو اس کی پہلی بیوی نے فون اٹھایا۔ میں نے اس سے کہا میاں صاحب سے ملا دیں جس پر یوسف نے فوراً فون اٹینڈ کیا اور میری آواز سن کر گھبرا گئے۔ اس واقعے کے بعد ہمارے تعلقات کشیدہ رہنے لگے۔ عمران نے میرے گھر کو فحاشی کا اڈہ بنا رکھا تھا جسے میں برداشت نہیں کر سکتی' میری طلاق سے چند روز قبل عمران نے اپنے دوستوں کی محفل میں کہا تھا کہ اس (انبساط) کا جتنا فائدہ اٹھانا ہے اٹھا لو چند روز کی مہمان ہے' واقعی چند روز بعد مجھے طلاق ہو گئی۔ میرے والد کا خیال ہے کہ یوسف کے ساتھ شادی سے ان کے خاندان کی بدنامی ہوئی ہے اور ان کی یہ بات سچ ثابت ہوئی ہے۔

شادی کے فوراً بعد جب مجھے یہ پتا چلا کہ یہ تو عیاشوں کا ٹولہ ہے۔ میری عمر عمران خان سے چونکہ کافی کم تھی اس لئے میں انہیں چاچو کہتی تھی اور دوسری وجہ انہیں چاچو کہنے کی یہ بھی تھی کہ میں عمران کی نظروں کو پہچان گئی تھی۔ عمران کو مفت خوری کی عادت ہے اور دوسرے کے پلے سے عیاشی کرنا یہ اپنا حق سمجھتا ہے۔ میرے گھر پر عملاً عمران خان کا قبضہ تھا۔ جس گھر میں میرا ولیمہ ہوا تھا وہاں عمران خان

اپنے دوستوں کے کھانے کرتا تھا۔ طوائفوں سے مجرا کرواتا تھا۔ ہر رات لڑکیاں لیکر میرے گھر آجاتا۔ نوکروں سے کہتا کہ یہ بستر لگادو اور یہاں کھانا لگادو' کوئی حساس اور شریف عورت اپنے گھر کے تقدس کی ایسی پامالی برداشت نہیں کرسکتی اور نہ ہی میرے سے یہ برداشت ہوتا تھا۔ اپنی عزت کی فکر رہتی تھی کہ محلے والے میرے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے انہیں کیا پتا کہ میں ان آوارہ لوگوں کے ساتھ بیٹھی ہوں یا اپنے کمرے میں ہوں۔ لیکن جب میں اس کی شکایت یوسف صاحب سے کرتی وہ کہتے بکواس بند کرو۔

عمران سے پوچھیں کہ اس کے سسرال والے جب پاکستان آئے تھے اور شراب نوشی کے لئے ہمارے گھر آتے تو یہ سارا پروگرام خفیہ کیوں رکھا جاتا تھا' جس دن زمان پارک میں نصرت فتح علی خان کی قوالی تھی اس کے بعد ہمارے گھر میں جو پارٹی رکھی گئی تھی اس میں ایسی کیا بات تھی کہ صحافیوں کو گھر میں گھسنے نہیں دیا گیا۔ اب عمران مکر جائے کہ کرسٹینا بیکر نہیں تھی' سیتاوائٹ نہیں تھی یا پاکستان میں اس کے لڑکیوں کے ساتھ تعلقات نہیں ہیں لیکن میں تو اس کی تمام آوارگیوں کی چشم دید گواہ ہوں۔ میں اس وقت عوام میں نہیں بولی' خاموش رہی تو اپنا گھر بچانے کے لئے جسے پھر بھی اس نے تباہ کردیا تو اب میں اس کا پردہ کس لئے رکھوں۔ میں طلاق کے بعد پانچ چھ ماہ بالکل خاموش رہی وہ بھی اس لئے کہ یوسف صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے لیکن عمران اور یوسف صاحب نے اس کا غلط مطلب سمجھ کر اپنی ٹھوکروں پر رکھ لیا۔

طوائفیں ہمارے طبقے کی سب سے مظلوم مخلوق ہیں جو اپنی مرضی سے اس گند میں پیدا نہیں ہوتیں۔ لیکن وہاں رہنے والی اپنے وجود پر شرمندہ ہوتی ہیں' اور جو وہاں سے نکلتی ہیں وہاں سے تعلق کا اعتراف نہیں کرتیں۔ اب ریما وہاں سے اپنے تعلق کو بے شک تسلیم نہ کرے لیکن ایک دنیا اس حقیقت سے واقف ہے اس لئے میں نے ریڈلائٹ ایریا میں ایک ادارہ بنانے کا سوچا ہے اس مقصد کے لئے میں نے ایک گھر بھی وہاں دیکھا ہے لیکن ابھی تک کوئی سپانسر نہ ملنے کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرسکی۔ پروگرام یہ ہے کہ پہلی منزل پر سارے طبلہ نوازوں اور ہارمونیم

والوں کو یہ آلات بنانے پر لگادیا جائے' دوسری منزل پر موسیقی کی شامیں منائی جائیں اور تیسری منزل پر سیاحوں کے لئے ہوٹل بنادیا جائے۔ یہاں سے حاصل ہونے والی ساری آمدنی ان طوائفوں کو دی جائے جو زیادہ عمر کی وجہ سے اپنے کام کے قابل نہیں رہیں لیکن ابھی یہ صرف منصوبہ ہی ہے سپانسر مل گیا تو اس پر عمل درآمد ہوگا۔

خلوت میں بھی جو ممنوع تھی وہ جلوت میں جسارت ہونے لگی

(ہفت روزہ ندائے ملت لاہور 8 جنوری تا 14 جنوری 1998ء)

اس بازار میں

شمع نامی ایک فلم سٹار بھی اس بازار سے ہے اور وہ بھٹو دور کے ایک صوبائی وزیر کی بیٹی ہے۔ اس سابق صوبائی وزیر نے بڑی کوشش کی کہ اس کی بیٹی بازار حسن میں نہ بیٹھے مگر وہ ناکام رہا کیونکہ شمع کی ماں کا کہنا تھا کہ ہم اپنے رسم و رواج سے نہیں ہٹ سکتے۔ ہماری بیٹیاں یہی پیشہ کرتی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح طوائفیں اپنے آشناؤں سے انتقام لیتی ہیں کہ خود ان کی بیٹیوں کو بازار کی جنس بنا دیتی ہیں۔ شمع کی ماں نے لاکھوں روپے وصول کرکے ایک امیر شخص سے اس کی نتھ کھلوائی اور اس کا باپ تلملاتا رہ گیا۔

اس بازار کی ایک لڑکی سحر لغاری خاندان کی ایک اہم سیاسی شخصیت کی بیٹی ہے۔ صباحت بڑے سید خاندان کی بیٹی ہے۔ شاہینہ پنڈی کے راجہ خاندان کی بیٹی ہے' یہ لڑکیاں چونکہ طوائف کے بطن سے پیدا ہوئیں اس لئے ان پر کبھی توجہ نہیں دی گئی۔ ان کے باپ نہ صرف انہیں بھول گئے بلکہ وہ انہیں اپنی بیٹی کی بجائے محض ایک گالی سمجھتے ہیں۔ کوئی شخص ان کی بیٹیوں کا رقص دیکھے یا ان کی نتھ کھولے انہیں اس سے قطعاً کوئی سروکار نہیں۔ اس بارے میں اتنی سنسنی خیز معلومات موجود ہیں جنہیں جان کر لوگ لرز اٹھیں' لیکن معاشرہ میں ان معزز شرفا کو ننگا کرنا اور پھر خود کو بچانا ایک امر محال ہے۔ ان شرفا میں ایسے ایسے حضرات شامل ہیں جو قوم کی تقدیر ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کا کسی نہ کسی انداز میں طوائفوں سے تعلق بھی رہا اور اب ان کی اولاد پیشہ بھی کرتی ہے۔ گویا یہ طوائفیں بڑے خاندانوں

کی بیٹیاں اور بعض لوگوں کی بہنیں ہیں' مگر یہ تقدیر ہے جو انہیں بازار میں لے آئی ہے۔

معزز شرفا ان طوائفوں کے پاس بازار حسن نہیں جاتے بلکہ انہیں اپنی کوٹھیوں یا بنگلوں میں بلا کر مجرا دیکھتے ہیں اور داد عیش دیتے ہیں۔

یہاں رہنے والی ایک لڑکی سے جب دریافت کیا گیا "تم یہ دھندہ کیوں کرتی ہو" تو اس نے کہا ہم آسمان سے ٹپک نہیں پڑیں ہمیں پیدا ہوئی ہیں اور اس "پیدائش" میں ہماری مرضی یا خواہش کا کوئی عمل دخل نہیں' میرا معزز اور شریف باپ' آپ کے شہر میں بڑا نامور لیڈر ہے وہ بھی کبھار اندھیرے سویرے مجھے یہاں ملنے تو آتا ہے مگر اپنے ساتھ نہیں لے جاتا کہ اس کی عزت داغدار ہو جاتی ہے۔ ایسی بہت سی لڑکیاں یہاں موجود ہیں۔ ہما' رانی' رفعت' چندا' طاہرہ' صادقہ' لبنیٰ' بابرہ' ریحانہ' سمیرا' سونیا' صبیحہ' عارفہ' نسرین' صابرہ' آسیہ' نبیلہ' سعدیہ' شملا' فریدہ' غزالہ' فرخندہ' شاہدہ' چندہ' انمول' شاہین' شہناز' قمری' رخشندہ اور یاسمین------ یہ سب شریف و معزز' نیک و پارسا باپوں کی ناجائز بیٹیاں ہیں------ یہ سوال اپنی جگہ ہے کہ ناجائز یہ لڑکیاں ہیں یا ان کے باپ------ حرامی صرف بچے ہوتے ہیں یا ان کے والدین------)

بہرحال معاشرہ کے نامور معزز' اور اعلیٰ درجہ کے شریف لوگوں کی بیٹیاں یہاں پیشہ کرتی ہیں اور ان شرفا کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ گوری کس کی بیٹی ہے ریما کو کوٹھی کس نے لے کر دی ہے

ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

بڑے بڑے نامور لوگوں کی بیٹیاں

بازار حسن میں جو عورتیں عصمت فروشی کے دھندے کرتی ہیں ان کے بارے میں اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ ان کے باپ ملک کے بڑے بڑے نامور لوگ ہوتے ہیں اور یہ سچ بھی ہے کہ عام غریب آدمی میں اتنی توفیق و استطاعت کہاں کہ وہ بازار میں داد عیش دے سکے۔ یہ تو وہ متمول' جاگیردار' تاجر اور سرمایہ دار ہی کر سکتے ہیں

جن کے پاس حلال و حرام ہر قسم کی دولت ہوتی ہے اور وہ اس دولت کو بے تحاشا اپنے عیش و عشرت پر لٹا سکتے ہیں چنانچہ اس بازار کی بیٹیاں بے شک بڑے لوگوں کی اولاد ہوتی ہیں لیکن یہ بڑے لوگ اتنا حوصلہ بھی نہیں رکھتے کہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے اپنی ان بیٹیوں کو بازار سے لے جائیں چنانچہ یہ جہاں پروان چڑھتی ہیں اسی دھندے میں لگ جاتی ہیں۔

گزشتہ دنوں فلم اسٹار انجمن نے ایک بیان میں دعویٰ کیا تھا کہ میرا باپ سابق ریاست بہاولپور کے امیرالامراء قسم کے لوگوں میں شامل ہے۔ فلم سٹار انجمن نے سب سے پہلے ملتان کے بازار حسن میں آنکھ کھولی تھی لیکن جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اس کی جہاں دیدہ ماں اسے پاکستانی فلمی صنعت کے مرکز لاہور میں لے آئی یہاں طوائفوں کے آگے بڑھنے کے امکانات اور مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ لاہور منتقل ہونے کے بعد انجمن نے گلبرگ میں ایک عظیم الشان کوٹھی بھی لی۔

جیسا کہ پہلے بتایا انجمن نے اپنے باپ کے سلسلہ میں بہاولپور کے کسی امیر کا نام لیا تھا ممکن ہے کہ اس کا یہ دعویٰ درست ہو' بازار میں ایسے ہی امیر کبیر لوگ داشتائیں رکھ سکتے ہیں غریب غربا کا وہاں کیا کام------

ملتان ہی کے بازار حسن سے ان دنوں ایک نئی سوغات' صائمہ فلم انڈسٹری میں آئی ہے کہ وہ کئی فلموں میں کام کر رہی ہے۔ ملتان کے بازار حسن کو یہ انوکھا اعزاز حاصل ہے کہ وہاں سے فلم انڈسٹری کو کئی ستارے ملے ہیں۔ صائمہ بھی اپنے نام کے ساتھ "خاکوانی" لکھتی ہے وہ بھی یہی کہتی ہے اس کا باپ ملتان کے معروف خاکوانی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

بازار حسن کی ایک اور طوائف لبنیٰ ٹنگ بھی فلم انڈسٹری میں آئی تھی مگر اسے جلد ہی جہلم کے ایک راجہ نے اچک لیا' اس کا بھی دعویٰ تھا کہ اس کا باپ صوبہ سرحد کا ایک بڑا آدمی ہے البتہ اب وہ فلم لائن چھوڑ کر گھر گرہستی کی زندگی گزار رہی ہے۔

انجمن فنکاراں ٹبی یا بازار حسن کے صدر محمود احمد نے ایک ملاقات میں بتایا کہ لاہور کی ہیرا منڈی میں بڑے بڑے سیاسی خاندانوں کی بیٹیاں موجود ہیں۔ یہ

بیٹیاں اپنے باپوں کو جانتے کے باوجود انہیں باپ نہیں کہہ سکتیں کہ اس کا کوئی قانونی ثبوت موجود نہیں ہوتا۔ محمود احمد نے بتایا کہ ان کے باپ انہیں بیٹیاں نہیں مانتے یا شاید اب وہ انہیں جانتے بھی نہیں لیکن میرے علم میں ایسے واقعات ہیں کہ کسی باپ نے اپنی ہی بیٹی کا رقص دیکھا اور پھر اسے شب بسری کے لئے بھی لے گیا۔ ساحر لدھیانوی نے اپنی نظم چکلے میں بجا کہا ہے۔

یہاں تومند بیٹے بھی آ چکے ہیں ابا میاں بھی
یہ بیٹی بھی ہے بہن بھی اور ماں بھی

بہرحال محمود احمد کے دعوے کے مطابق یہاں بہت سے افسروں اور سیاست



انٹرنیشنل سکول اسلام آباد میں زیر تعلیم معروف سیاست دان کی بیٹی اپنے دوست کے ساتھ

دانوں کی بیٹیاں بھی موجود ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ملتان کے ایک مشہور جاگیردار اور پنجاب کے سابق وزیراعلیٰ میاں ممتاز کی بیوی الماس بھی اسی بازار سے تھی۔ فیصل آباد کی ایک بڑی نامور شخصیت جس کا تعلق میاں نواز شریف سے بھی ہے انہوں نے بھی فیصل آباد کی ایک مشہور طوائف الماس کی بیٹی سے شادی کر رکھی ہے۔

ملکہ پکھراج ریاست کشمیر کے کسی راجہ کے دربار میں اپنے ناچ گانے کا مظاہرہ کرتی رہی ہے البتہ اس کی اولاد نے یہ ثابت کیا کہ وہ گھر گرہستی کی زندگی یقیناً بسر کرنے کی اہل ہیں۔

ملکہ ترنم نورجہاں کا اس بازار سے تعلق کون نہیں جانتا۔ وہ قصور کے بازار سے چلتی ہوئی لاہور کی ہیرامنڈی میں گلی شیخوپوریاں تک پہنچی اور وہاں تاعمر لگاتی رہی ہے جبکہ نورجہاں بیک وقت ہیروئن اور گلوکارہ کی حیثیت سے فلموں میں آتی رہی ہے۔ اور ایسا "اونچا مقام" بھارت میں صرف ثریا کو حاصل تھا جو بیک وقت ہیروئن اور گلوکارہ تھی اور اسی بازار سے آئی تھی۔



پی ٹی وی کی اداکارہ مدیحہ گوہر بھارتی وزیراعظم گجرال سے گلے ملتے ہوئے

نورجہاں نے اب اس بازار کو خیرباد کہہ دیا ہے لیکن اس کی ازدواجی زندگی شدید ناکامیوں اور المیوں کا مرقع ہے۔ حد یہ ہے کہ اسکی بیٹیوں کو بھی طلاقوں کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ وہ شوہروں سے الگ ہو کر واپس ماں کے پاس آگئیں اور اب اپنے بوتیک قسم کے کاروبار چلا رہی ہیں۔ نورجہاں کی زندگی بجائے خود ایک طویل موضوع ہے جس کے اکثر باب سب کے سامنے کھلے ہیں۔ اور ان سے لوگ خوب آگاہ ہیں۔ نورجہاں کے عاشقوں اور (اس کے معشوقوں) کی تعداد اگرچہ درجنوں سے تجاوز کرتی ہے لیکن احمد منیر نے اپنی کتاب "نورجہاں اور میں" شوکت حسین رضوی کی زبانی ان عاشقوں کی تعداد صرف "چودہ" بیان کی ہے عین ممکن ہے کہ شوکت صاحب کے علم میں یہی چودہ مرد آئے ہوں ورنہ نورجہاں تو آج بھی عشق عاشقی سے نہیں چوکتی۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس بڑھاپے میں اپنے حسن و رعنائی کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ اپنے ہارموز بھی تبدیل کرا چکی ہے۔

نورجہاں کے عاشقوں کی اس فہرست کے ساتھ ساتھ شوکت حسین رضوی نے یہ رائے بھی دی ہے کہ نورجہاں جس ٹائپ کی سٹار ہے۔ ایسے سٹار میں یہ بیماری ہوتی ہے۔ یہ عورت سیکس کی بھوکی ہے۔۔۔۔۔۔ یہ رائے دراصل مدراس کے ہندو نجومی نیگل ایس ریڈی نے شوکت رضوی کو دی تھی اور کہا تھا کہ اگر اس کا علاج کرانا ہے تو اسے جرمنی لے جائیں وہاں یہ علاج ہوتا ہے جس سے سیکس کی تیز بھوک کسی حد تک کم ہو جاتی ہے اگر یہ علاج نہ ہوا تو اس کی بھوک تیز ہو جائے گی کم نہیں ہوگی۔

شوکت حسین رضوی فلم سٹار اعجاز درانی کا ذکر کرنا غالباً بھول گئے اس سے بھی نورجہاں نے عشق کا ڈھونگ رچایا تھا اور بعد ازاں اس سے شادی کر کے چند سال تک اس سے دل پشوری کیا اور جب اس سے دل بھر گیا تو اسے طلاق دے دی مزید براں انہوں نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر یحیٰی خان کا ذکر بھی نہیں کیا حالانکہ نورجہاں میں گم ہو کر یہ صدر صاحب پاکستان کو ہی فراموش کر بیٹھے تھے۔

آج کی مشہور ہیروئن ریما بھی ملتان کے بازار حسن سے آئی ہے۔ ملتان کی

بہت سی طوائفیں لاہور پہنچ کر عروج پر پہنچی ہیں۔ گلوکارہ ناہید اختر بھی ملتان سے تعلق رکھتی ہے۔ ریما کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک ریٹائرڈ انکم ٹیکس افسر کی بیٹی ہے لیکن اپنی ولدیت کے خانہ میں وہ اپنے نانا جان کا نام لکھتی ہے کیونکہ اس کا باپ اکمل خان اسے اپنانے کے لئے تیار نہیں۔

بازار حسن کے ایک شخص میاں محمد اکبر کی بیٹیوں نے بھی رقص اور گلوکاری میں بڑا نام پیدا کیا اس کی پانچ بیٹیاں روبینہ "نبیلہ" "سپنا" انیلا اور فرح بڑی خوبرو اور سروقد نکلیں ان کے بالاخانے پر کئی بڑے بڑے لوگ گانا سننے جاتے رہے ہیں میاں اکبر کی بڑی بیٹی روبینہ نے فلم "بازی گر" اور "چکوری" میں مختصر فلمی کردار بھی ادا کئے ہیں۔ لیکن وہ کوئی خاص شہرت حاصل نہ کر سکی۔ روبینہ ایک طوائف چھم چھم کے بالاخانے پر رات کو "ٹائم" لگاتی تھی اسی دوران لاہور کے ایک ریکارڈنگ ایجنٹ کشور سے اس کی ملاقات ہوئی۔ کشور ایک وجیہہ اور خوبصورت نوجوان تھا اور اپنی نئی نویلی مرسڈیز کار میں بیٹھ کر گانا سننے آتا تھا۔ گانے کے دوران ہی وہ روبینہ کو دل دے بیٹھا جبکہ روبینہ پہلے سے اس کی تاک میں تھی کہ کوئی مالدار آسامی ملے تو وہ اس سے شادی کر کے گھر بسا لے' اس کے باوجود اس



گلوکارہ مریم رائے

نے شادی کے بعد بھی کئی بار اپنے اڈے پر واپس آنے کی کوشش کی لیکن کشور کی حیثیت ایسی تھی کہ اسے چاروناچار گھر گرہستن بن کر زندگی گزارنا پڑی۔ ان دنوں اس کے تین بچے ایچی سن کالج لاہور میں زیر تعلیم ہیں لیکن کسی کو ان کے بارے میں یہ علم نہیں کہ ان کی ماں کون تھی اور کہاں سے آئی تھی

میاں اکبر کی دوسری بیٹی فرح اپنی تمام بہنوں سے زیادہ حسین و جمیل تھی ہیرا منڈی کے ایک بالاخانے میں وہ بھی اپنی محفل سجاتی تھی ایک دن اس کی ناچ گانے کی اس محفل میں بلوچستان کے ایک سردار بھی تشریف لائے اور وہ فرح پر بری طرح فریفتہ ہوگئے۔ بلوچستان کے اس سردار کا اس صوبے کے ایک معروف سیاسی خاندان سے تعلق ہے ان کے والد بلوچستان کے وزیراعلیٰ بھی رہ چکے ہیں اور خود موصوف بھی کئی بار وفاقی وزیر کے عہدہ تک پہنچے ہیں..... فرح اور سردار موصوف کی محبت میں جب زیادہ شدت پیدا ہوئی۔ تو اس کے نتیجے میں فرح حاملہ ہوگئی۔ فرح کا باپ اور اس کے خاندان یہی چاہتے تھے کہ فرح [illegible] سے دوچار ہو تو اس کا سردار پھانسا جائے۔ فرح کے حاملہ ہو جانے پر فرح [illegible] ایک وکیل سیف الرحمن کو ساتھ لے کر سردار موصوف سے [illegible] فرح حاملہ ہوچکی ہے آپ نے اس سے شادی کرنے اور [illegible] وعدہ کیا تھا۔ اب وقت آگیا ہے کہ آپ اپنے اس وعدہ کو نبھائیں اور [illegible] سے کام لیا یا شادی سے انکار کیا تو اس کا نتیجہ اچھا نہیں [illegible] 1979ء کے ان دنوں کی بات ہے جب حدود آرڈی ننس نیا نافذ ہوا تھا اور [illegible] قانون سے سبھی خوفزدہ تھے۔ اسی آرڈی ننس کے حوالے سے وکیل صاحب نے سردار موصوف کو ڈرایا دھمکایا کہ آپ کے خلاف اس آرڈی ننس کے تحت مقدمہ [illegible] تو آپ کی سیاسی شہرت اور ساکھ تباہ ہو جائے گی۔ اس دھمکی نے اپنا رنگ دکھایا اور سردار صاحب نے فرح سے شادی کرلی۔ آج کل وہ چار بچوں کی ماں ہے اور سردار صاحب نے اسے لاہور میں ہی ایک بہترین کوٹھی اور کار لے دی ہے۔ اس کے بچے بھی ایچی سن کالج میں زیر تعلیم ہیں۔ اور یہی وہ بچے ہوتے ہیں جو اس کالج سے تعلیم پا کر اعلیٰ عہدوں

تک پہنچتے ہیں اور بعض اوقات ایسے طوائف زادے ہمارے اور آپ کے حکمران بن جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے حاکموں یا حکمرانوں سے ملک و قوم کسی بھلائی کی کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔

فرح کی ایک اور بہن سپنا ہے اس کا اصل نام مہین ہے۔ لیکن سپنا کا فلمی اور رومانی طرز کا نام اس نے صرف اس لئے رکھا تھا کہ وہ بابرہ شریف کے مقابلہ میں آنے کے خواب دیکھتی تھی اس نے ایک پنجابی فلم اندھا قانون اور چند دوسری فلموں میں کام ضرور کیا لیکن کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کرسکی۔ اس ناکامی کے بعد اس نے صوبہ سرحد کے ممبر صوبائی اسمبلی خان خٹک کو اپنے جال میں پھنسایا، خٹک صاحب نے اسے اپنی فلم "چوڑیاں ٹوٹ گئیں پل بھر میں" میں بطور ہیروئن چانس دیا لیکن فلم فلاپ ہوگئی اور سپنا کے سپنے بھی بکھر گئے۔ خٹک کا دل بھی اس سے بھر گیا اور اس نے اپنی نئی فلم "تو مس تو" میں اسے کاسٹ نہیں کیا وہ اس سے جان چھڑانا چاہتا تھا سو وہ اس نے چھڑالی۔ اب سپنا اس چکر میں ہے کہ اپنی بہن روبینہ اور فرح کی طرح کسی کو پھانس کر اس سے شادی کرلے اور گھر بسا کر نئی زندگی بسر کرے۔

فلم انڈسٹری کی معروف اداکارہ عالیہ ایک طوائف کی بیٹی ہے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنی ماں سے اپنے باپ کے بارے میں دریافت کیا تو ماں نے وعدہ کیا کہ وہ



شان اور مدیحہ شاہ کی صلح کی خوشی میں دیے گئے عشائیہ میں

سہیل ضیاء بٹ مدیحہ شاہ کے ساتھ

کسی روز اسے اس کے باپ سے ملا دے گی۔ بعد ازاں ایک روز وہ عالیہ کو اس کے سیاست دان باپ کے پاس لے گئی لیکن اس کے باپ نے عالیہ کو اپنی بیٹی تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیا اور کہا تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ عالیہ میری بیٹی ہے اگر کوئی نکاح نامہ ہے تو دکھاؤ۔

بہرحال عالیہ کا کہنا ہے کہ اگرچہ باپ نے مجھے اپنی بیٹی تسلیم نہیں کیا لیکن مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ میرا باپ بہت خوبصورت تھا!



خشونت سنگھ کے متنازعہ ناول "عورتوں کی رفاقت" کی تقریب [illegible] موقع پر لی گئی تصویر۔
خشونت سنگھ پاکستانی ہائی کمشنر اشرف جہانگیر قاضی [illegible] رہے ہیں



محمود احمد المعروف ماما مودا کا انٹرویو

انجمن اتحاد فنکاراں موسیقی رجسٹرڈ کے صدر محمود احمد نے ایک ملاقات میں بتایا کہ اس بازار میں ان دنوں پانچ سو کے لگ بھگ رقاصائیں اور مغنیائیں اپنے فن کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔ یہ لڑکیاں شرفا کی بیٹیاں ہیں۔ چونکہ ان کے والدین نے یہاں کی طوائفوں سے ناجائز تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ اس کے نتیجہ میں یہ لڑکیاں پیدا ہو گئیں۔ ان شرفاء کو ہمارا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ ہم نے ان کی بیٹیوں کو سنبھال رکھا ہے۔ انھیں پالا پوسا اور پروان چڑھایا اور اگر وہ اس کاروبار کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو ایسے غیرت مند باپوں کو چاہیے کہ سب سے پہلے وہ اپنی بیٹیاں یہاں سے لے جائیں ہمیں اس پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میاں محمود احمد نے دعویٰ کیا کہ کوئی وفاقی و صوبائی وزیر اور کوئی قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کا رکن ایسا نہیں جو گانا نہ سنتا ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں سے بعض گانا سننے بازار میں کسی کوٹھے پر آجاتے ہیں اور بعض کوٹھے والی کو اپنی کوٹھی پر بلا کر ہی بہلا لیتے ہیں۔

ہم اپنے مطالبات کے حق میں جلوس اس لئے نہیں نکالتے کہ جو شخصیتیں رات کے اندھیرے میں ہمارے قدموں میں ہوتی ہیں وہ دن کے اجالے میں ہمارا ساتھ دینے سے قاصر رہتی ہیں کہ اس سے ان کی شہرت خراب ہوتی ہے۔ چنانچہ کھلم کھلا ساتھ دینے کی بجائے وہ لوگ درپردہ مدد کرنا پسند کرتے ہیں۔ اصل میں بازار حسن تو ایک اکیڈمی ہے۔ فلموں کی تمام مشہور اور مقبول ہیروئنیں اسی بازار کی بخشش ہیں۔ پھر یہ دوہرا معیار یا منافقت کیوں ہے کہ حکومت اپنے اہتمام میں ناچ گانا کرائے تو وہ ثقافتی شو کہلائے اور طوائف یہی کام کرے تو اسے مجرے کا نام دیا جائے۔ لطف یہ ہے کہ ثقافتی شو کرنے والوں سے کوئی ٹیکس بھی نہیں لیا جاتا جبکہ رقاصائیں اور مغنیائیں ہر قسم کے ٹیکس ادا کرتی ہیں حتیٰ کہ ان سے بجلی پانی اور گیس کے بل بھی کمرشل نرخوں کی بنیاد پر وصول کئے جاتے ہیں۔ حکومت خود کوئی ثقافتی شو کراتی ہے تو کسی کو اسلام کی یاد نہیں ستاتی حالانکہ اس شو میں گانے اور

رقص کے علاوہ اور بہت کچھ بھی ہوتا یا ہو جاتا ہے۔ مگر کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ ان بڑے بڑے سرکاری افسروں کی طرف انگلی بھی اٹھا سکے کیوں؟

بازار حسن کے لوگ تو اپنی قومی خدمات کا بھی شاندار ریکارڈ رکھتے ہیں 1965ء اور پھر 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں ہم لوگوں نے بڑا کام کیا۔ سرحدوں پر مورچوں پر جا کر ملی نغمے اور قومی ترانے گائے۔ کیا اس وقت یہ سب کچھ گناہ نہیں تھا

ان سے دریافت کیا گیا کہ پولیس جب بھی اس بازار پر چھاپہ مار کر یہاں سے ناچ گانا کرنے والوں کو پکڑتی ہے تو آپ لوگ اس نوعیت کے بیانات جاری کرتے ہیں کہ ہم شرفا کو ننگا کریں گے اور بتائیں گے اس بازار میں کس کس شریف خاندان کی بیٹیاں بیٹھی ہیں لیکن آپ نے کبھی اس دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنایا۔ آپ نے اپنے گاہکوں کو کبھی ننگا کرنے کی زحمت نہیں کی (وہ تو اس بازار میں خود ننگے ہو جاتے ہیں) آپ کبھی ان شرفا کو منظر عام پر نہیں لائے جو اس بازار کے سب سے بڑے سرپرست ہیں۔ کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں ہوتا کہ آپ یہ دھمکی صرف بلیک میل کرنے کے لئے دیتے ہیں محمود احمد نے کہا "ہم بلیک میلنگ کے لئے ایسا کوئی بیان نہیں دیتے۔ ہمارے پاس اس امر کے ٹھوس ثبوت موجود ہیں کہ یہاں بڑے بڑے شرفا کی بیٹیاں موجود ہیں"

سوال: آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ شرفا کی بیٹیاں ہیں۔ یہاں ایک شخص گانا سننے آتا اور چلا جاتا ہے۔ آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کیا آپ نے ان لوگوں کی کوئی تصاویر بنا رکھی ہیں کہ یہ لوگ یہاں گانا سننے آئے اور رات بسر کر گئے۔

جواب: نہیں ہم تماش بینوں کی تصاویر نہیں بناتے لیکن وہ شرفا جو یہاں کی طوائفوں سے عشق لڑاتے یا انہیں داشتہ (Keep) رکھتے ہیں یا ان سے متعہ یا نکاح کرتے ہیں ان کے بارے میں ہمارے پاس ٹھوس ثبوت موجود ہوتے ہیں کیونکہ ان تماش بینوں کے بارے میں ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ جب کسی لڑکی سے ان کا دل بھر جائے گا تو وہ اسے چھوڑ کر چلتے بنیں گے اور پھر مڑ کر پیچھے کبھی نہیں دیکھیں گے

چنانچہ جن طوائفوں کے ہاں ان کے بچے پیدا ہوتے ہیں ان بچوں کے مستقبل کو محفوظ کرنے کے لئے ہم ایسے ثبوت اپنے پاس رکھتے ہیں جو تصاویر ویڈیو فلم یا نکاح نامے کی صورت میں ہوتے ہیں۔

سوال: آپ ان شرفاء کے نام بتائیں جن کی بیٹیاں یہاں دھندا کرتی ہیں

جواب: آپ مجھ سے یہ سوال نہ کریں ایسے انکشافات اس "پیشے کے آداب" کے خلاف ہیں آپ مجھ سے یہ پوچھیں کہ کس کی بیٹیاں یہاں نہیں ہیں اس حمام میں سبھی ننگے ہیں کچھ دیر توقف کے بعد محمود احمد نے کسی کا نام لئے بغیر کہا گجرات کے ایک بہت بڑے شریف النفس سیاست دان جن کی شرافت اور غیرت کے بڑے چرچے ہیں' اس کے یہاں کی طوائفوں سے تعلقات رہے ہیں۔ اسی طرح پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک بڑے نیک اور صالح حضرت کا بھی اس بازار سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ بلوچستان کا ایک بہت بڑا سردار بھی اس بازار میں دھکے کھاتا رہا ہے۔ ویسے وہ آج کل قوم کا ایک بڑا لیڈر ہے۔ محمود احمد نے اس فہرست میں ایک سپیکر کا نام بھی لیا پھر کہا "میں تو بہت کچھ بتا سکتا ہوں لیکن آپ وہ سب کچھ چھاپ نہیں سکتے۔"

انہوں نے کہا کہ میں حکومت پنجاب کے ایک بہت بڑے افسر کو جانتا ہوں جو بظاہر بڑی نیک شہرت رکھتے ہیں۔ انتظامی امور میں وہ خاصی سخت گیری کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں' لیکن رات کو وہ یہاں منہ لپیٹ کر آتے ہیں اور مجرا سنتے ہیں مجرا سننے کے بعد وہ کسی نہ کسی لڑکی کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ دن کے اجالے میں وہ پھر حسب سابق نیک اور سخت گیر افسر بنے رہتے ہیں۔ ان سے پوچھا کہ کیا شرفا اپنی اولاد کو اس بازار میں محض اس لئے چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کی عزت و شرافت کا بھرم نہ کھل جائے محمود احمد نے جواب دیا "عزت و شرافت کا تو انہیں اتنا زیادہ احساس نہیں ہوتا بیشتر وہ اس لئے اپنی بیٹیوں کو بازار میں چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ اولاد (جائز یا ناجائز) ان کی جائیداد میں حصہ دار نہ بن جائے (عزت تو ان کے نزدیک محض ایک مصنوعی خول ہے) اصل حقیقت جائیداد ہے جس سے وہ اپنی سگی بیٹیوں کو بھی محروم

رکھتے ہیں کہ جائیداد دوسرے خاندان میں نہ چلی جائے۔ یہ بازار دراصل شرفاء اور معززین کے دم قدم سے آباد ہے اور میں پھر اس بات کو دہراتا ہوں کہ اگر اس کاروبار کو بند کرنا مقصود ہے تو شرفاء اپنی بیٹیاں یہاں سے لے جائیں۔ ویسے تو یہ لوگ بڑے غیرت والے بنے پھرتے ہیں معاشرہ میں ان کا اونچا مقام بھی ہے لیکن ان کی غیرت کا یہ عالم ہے کہ ان کی بیٹیاں یہاں دھندا کرتی ہیں اور وہ چلو بھر پانی میں ڈوب کر نہیں مرتے۔ ان کا اونچا مقام اتنا پست ہے کہ ان کی بیٹیاں بازار میں بیٹھتی ہیں۔ ان کا ضمیر انہیں کبھی تو آواز دیتا ہو گا کیا وہ نہیں جانتے کہ یہاں ان کی بیٹیوں کی نتھ کھلوائی جاتی ہے۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ ان کے جگر گوشے ہر اجنبی کی رات کو رنگین بناتے ہیں۔

سوال: آپ ان طوائفوں کی نمائندگی کے دعویدار ہیں آپ کو یہ حق نمائندگی کیسے حاصل ہو گیا ان طوائفوں سے آپ کا کیا تعلق ہے؟

جواب: یہ بھی ایک درد بھری داستان ہے۔ میرے باپ نے 70 سال پہلے میری ماں سے نام نہاد قسم کی شادی کی تھی میری ماں اسی بازار کی تھی۔ اس شادی کے نتیجہ میں میں پیدا ہوا۔ میرے باپ کی شخصیت کی حیثیت و عظمت کا اندازہ اس امر سے کر لیں کہ شیر محمد شرقپوری صاحب میرے پردادا میاں امیرالدین کے مرید تھے۔ میرے والد میاں محمد حسین کوٹلہ شریف کے رہنے والے تھے اس سے آپ میرے خاندان کی عظمت کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں۔ میرے والد پچاس سال تک مجھ سے نہیں ملے۔ 50 سال بعد وہ مجھ سے ملے تو میری ماں نے بتایا کہ یہ تمہارے باپ ہیں لیکن اس باپ نے مجھے کبھی اپنی شفقت و محبت سے صرف اس لئے نہیں نوازا کہ کہیں میں اس کی جائیداد میں حصہ دار نہ بن جاؤں۔ حالانکہ اس باپ کا قبل ازیں اپنی پہلی بیوی سے کوئی بچہ نہ تھا۔ ابتدا میں وہ کچھ عرصہ میری ماں کو گھر کے اخراجات کے لئے کچھ پیسے بھیجتے رہے بعد میں وہ بھی بند کر دیے۔ اس شادی کو والد نے خفیہ رکھا تھا اگر یہ شادی خفیہ نہ ہوتی تو آج میں اس بازار میں نہ ہوتا۔

سوال: بہت سی طوائفیں ناچ گانے کی آڑ میں جسم فروشی کا دھندا کرتی ہیں اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

جواب: یہ بات غلط ہے۔ اس بازار میں جسم فروشی نہیں ہوتی۔ یہ دھندا تو اب پورے لاہور کے گلی کوچوں میں پھیل گیا ہے۔ محمود احمد نے انکشاف کیا کہ لاہور میں کم سے کم دس ہزار قحبہ خانے ہیں جہاں عصمت فروشی ہوتی ہے اور عصمت فروش لڑکیوں کی تعداد چالیس ہزار سے زائد ہے۔ انہوں نے یہ انکشاف بھی کیا کہ ان قحبہ خانوں پر لڑکیاں پانچ ہزار روپے سے ایک لاکھ روپے تک میں بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت ہوتی ہیں۔ کئی لڑکیوں کے جھوٹے اور جعلی عاشق اپنا دل بھرنے کے بعد انہیں فروخت کر دیتے ہیں۔ بعض لڑکیوں کے باپ نشہ باز ہوتے ہیں وہ اس طریق سے بیٹی کا بوجھ بھی سر سے اتار دیتے ہیں اور نشہ کے لئے کچھ رقم بھی پا لیتے ہیں۔ غربت و معاشی بدحالی کی وجہ سے بھی کئی لڑکیاں فروخت ہوتی ہیں۔ اگر کسی لڑکی کے حسن و شباب میں کشش باقی نہ رہے تو اسے بھی فروخت کر دیا جاتا ہے۔ ان سے سوال کیا گیا کہ اس بازار میں ایسے دلال بھی ملتے ہیں جو یہ دعوت دیتے ہیں کہ اگر کسی کو یہاں سے "مال" چاہیے تو وہ مہیا کر دیں گے یہ لوگ کون ہیں؟

انہوں نے جواب دیا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس بازار سے باہر اپنے قحبہ خانے قائم کر رکھے ہیں۔ ان دلالوں کا اس بازار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایوب خان کے دور سے پہلے یہاں گلی شیخوپوریاں کوچہ سبز پیر اور ٹبی گلی وغیرہ میں عصمت فروشی ہوتی تھی لیکن اب یہ سلسلہ قطعی ختم ہو چکا ہے۔

سوال: پولیس نے کچھ عرصہ قبل اس بازار پر ریڈ کیا تھا اس کے کوئی سیاسی مقاصد تھے؟

جواب: نہیں ایس۔پی سٹی ذوالفقار چیمہ راولپنڈی سے آئے تھے انہوں نے راولپنڈی کی گلی قصائیاں میں بھی ایسی ہی کارروائی کی تھی۔ یہاں آکر بھی انہوں نے اپنے طور پر یہ کارروائی کی۔ اس کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ یہ سب ہمارے معاشرتی

نظام کی پیداوار ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لئے اس معاشرتی نظام کو بھی ختم کرنا ہو گا جو طوائفوں کو جنم دیتا ہے۔

سوال: کیا آپ انجمن چلانے کے لئے ان فنکاروں سے کوئی ماہانہ چندہ وغیرہ لیتے ہیں

جواب: ہم کوئی ماہانہ چندہ نہیں لیتے لیکن جو طوائفیں بازار سے باہر مجرا کرنے جاتی ہیں اس سے ہم دو سو روپیہ لیتے ہیں۔ ہر مجرا کرنے والی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ محمود احمد سے "راہداری" حاصل کرے۔ اس سلسلہ میں ہمارے رجسٹر میں ان کی آمدورفت اور انہیں لے جانے والے شخص کا باقاعدہ اندراج ہوتا ہے۔ محمود احمد نے کہا کہ یہ راہداری اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ راستہ میں پولیس انہیں تنگ نہ کرے ان سے پوچھا گیا کہ گوری نے پچھلے دنوں پولیس آپریشن کے سلسلہ میں یہ بیان دیا تھا کہ وہ بڑے بڑے شرفاء کو ننگا کرے گی' کہا جاتا ہے کہ گوری بہت بڑے باپ کی بیٹی ہے؟

محمود احمد چند لمحے خاموش رہے اور پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا "ہمیں بھی یہی پتہ چلا ہے کہ گوری کا باپ واقعی بہت بڑا آدمی ہے لیکن اس کا صحیح نام تو گوری کی ماں ہی آپ کو بتا سکتی ہے۔"

سوال: پولیس عام طور پر یہاں کی عورتوں اور ان کے آشناؤں کو حدود آرڈیننس کے تحت گرفتار کر لیتی ہے آپ بتائیں کہ کیا پولیس کی یہ کارروائی صحیح ہوتی ہے؟

جواب: پولیس غیر قانونی طور پر یہ زیادتی کرتی ہے۔ حدود آرڈیننس صرف وہاں لاگو ہوتا ہے اور اس کے تحت کارروائی ہو سکتی ہے جہاں چار متقی پرہیزگار گواہوں نے موقع پر یہ فعل ہوتے ہوئے دیکھا ہو۔ لیکن پولیس محض اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے اس آرڈیننس کے تحت بلاجواز کارروائی کرتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ پچھلے دنوں پولیس نے جتنے لوگوں کو پکڑا تھا۔ عدالت نے ان سب کو چھوڑ دیا۔

سوال: کہا جاتا ہے کہ ہر طوائف پولیس کو ایک ہزار روپے ماہانہ دیتی ہے؟

جواب: یہ بازار فنکاروں کی اکیڈیمی ہے۔ فلم انڈسٹری کو بڑی بڑی فنکارائیں اسی بازار سے ملیں۔ ان میں پاکستانی فلم انڈسٹری کی بابرہ شریف' نادرہ' نیلی' فردوس' شمیم آراء' سپنا' ریما' صائمہ' نرگس' دیبا' بہار' عالیہ' انجمن' زمرد اور گوری وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ بھارتی فلم انڈسٹری کی معروف اداکارائیں بھی اسی بازار سے آئیں۔ ان میں نگن بالی' نرگس' نمی' وحیدہ رحمان' ممتاز' اندو ربالی' نسرین' منور سلطانہ' شمشاد بیگم' گلوکارہ ثریا اور مختار بیگم وغیرہ شامل ہیں۔ خود میڈم نورجہاں 1941ء میں اس بازار کے ایک مکان A-14 چیت رام روڈ پر ٹائم لگاتی رہی ہیں۔ میرے بھائی کی شادی پر انہوں نے مجرا بھی کیا تھا۔ آج بھی ہم ان کے پاس جائیں تو وہ بڑے احترام سے پیش آتی ہیں۔ فلم سٹار رانی بھی اسی بازار سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا والد اسے فریدہ خانم کے سپرد کر گیا تھا۔ یہاں اس نے رقص کی تربیت حاصل کی "لولی پیلس" میں۔ وہ یہاں ٹائم بھی لگاتی رہی۔ ملکہ پکھراج کا تعلق جموں و کشمیر سے ہے' لیکن وہ اس بازار سے وابستہ ہیں۔

محمود احمد نے اس امر پر دکھ کا اظہار کیا کہ یہ معاشرہ ایک طرف تو انجمن کو سونے کا تاج پہناتا ہے اور دوسری طرف ان کی بہن گوری کو دفعہ 294 کے تحت گرفتار کر کے ذلیل و رسوا بھی کرتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مریم رائے اور مس ایس ایم ظفر اگر ٹی وی پر گانا گائیں تو وہ ثقافت کہلاتا ہے لیکن ہماری لڑکیاں اگر بند کمروں میں گانا سنائیں تو وہ فحاشی کہلاتا ہے' یہ کیسا انصاف ہے۔ ہماری کسی رقاصہ کے ساتھ کوئی تماش بین بغل گیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن فلمی رقص کے مناظر میں بغل گیری بھی ہوتی ہے اور بوس و کنار بھی۔ حتیٰ کہ خواب گاہوں کے مناظر تک دکھا دیئے جاتے ہیں اور اس "مقدس معاشرہ کے پاک لوگ" مزے لے لے کر یہ سین دیکھتے ہیں۔ صرف مرد ہی نہیں بلکہ ان کی عورتیں بھی' بہنیں' بیٹیاں اور بیویاں بھی۔

سوال: ٹی۔ وی پر اس بازار کی جو فنکارائیں کام کرتی ہیں۔ وہ اس بازار سے نکل کر

دوسرے علاقوں میں منتقل ہو گئی ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: وجہ صرف یہ ہے کہ ٹی۔وی حکام نے اس امر کی پابندی لگا رکھی ہے کہ جن فنکاراؤں کا تعلق ہیرامنڈی سے ہوگا انہیں ٹی۔وی پر کام نہیں ملے گا۔ اس لئے رقاصاؤں اور گلوکاراؤں نے اپنے ٹھکانے بدل لئے ہیں یہ ان کی مجبوری ہے۔

ملک غلام مصطفیٰ کھر نے پنجاب میں اپنی گورنری کے دنوں میں ناہید سے شادی کی تھی۔ محمود احمد نے بتایا کہ اس بازار سے بعض معروف کرکٹرز بھی ابھرے ہیں مثلاً نذر محمد، مدثر نذر، جمشید الیاس اور شفیق وغیرہ

اولاد پیدا کرنے کے لئے طوائف کا معیار

پیسے کے حصول کے لئے طوائفیں یوں تو بے شمار مردوں سے جسمانی تعلقات قائم کرتی ہیں لیکن انہیں جب بچہ پیدا کرنے کی خواہش ہوتی ہے تو اس مقصد کے لئے وہ خاص طور پر کسی خوبصورت، صحت مند اور قد آور مرد کا انتخاب کرکے اس سے تعلقات قائم کرتی ہیں اور ایسے مرد کو اکثر اپنی گرہ سے اخراجات وغیرہ کے لئے پیسے بھی دیتی رہتی ہیں!

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد خصوصیت سے عصمت فروش عورتوں کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ اور یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ صرف اس ایک شہر میں عصمت فروشی کے سینکڑوں اڈے موجود ہیں۔ پولیس محض رسمی طور پر کبھی کبھار چھاپہ مارتی ہے تو اس کا مقصد مالکان کو ذرا دھمکا کر ان سے "منتھلی" وصول کرنا ہوتا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق وفاقی دارالحکومت میں سب سے زیادہ اڈہ ثریا نامی ایک نائیکہ کا ہے جہاں تمام بڑے شہروں سے حسین ترین لڑکیاں اہم شخصیتوں کی خدمت کے لئے سپلائی ہوتی ہیں۔ چنانچہ نائیکہ یا لڑکیاں اگر کبھی پکڑی بھی جاتی ہیں تو اہم شخصیتوں کی سفارش پر چھوڑ دی جاتی ہیں۔ وفاقی دارالحکومت میں لڑکیاں ٹیلی فون پر بھی بک ہوتی ہیں، یہ آج کی کال گرلز ہیں۔ جبکہ بعض ریسٹ ہاؤس اور گیسٹ ہاؤس بھی ان عصمت فروش عورتوں کی سرگرمیوں کی آماجگاہ ہیں۔ سکولوں اور کالجوں کی طالبات تک ان عصمت فروش لڑکیوں میں شامل ہیں۔ بہت سی عورتیں شام کو بن ٹھن کر

بارونق اور ماڈرن علاقوں میں نکلتی اور گاہک تلاش کرتی ہیں۔ وہ بس سٹاپوں سے تھوڑا ہٹ کر کھڑی ہوتی ہیں تاکہ کسی نے ان سے بات کرنا ہو تو کر سکے۔ کار سوار عیاش امرائے کرام انہیں لفٹ دے کر بھی لے جاتے ہیں۔ گاڑی کے اندر بیٹھ کر رقم کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے۔ ان عورتوں کو چلتی پھرتی یا کسبیوں یا بیواؤں کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ شام 5 بجے سے رات کے آٹھ نو بجے تقریباً بھی بڑے شہروں میں چلتا ہے۔ لاہور ریلوے سٹیشن، شملہ پہاڑی کے گردونواح اور مال روڈ گلبرگ کے بہت سے ہوٹلوں سے نہ صرف عصمت فروش عورتیں دستیاب ہو جاتی ہیں بلکہ وہاں پر بلیو پرنٹ بھی مل جاتے ہیں۔ اور کوئی گاہک چاہے تو بلیو پرنٹ یا کسی لڑکی کو خود لے کر ان ہوٹلوں میں "تفریح" کر سکتا ہے۔

لاہور کی اہم شاہراہوں جیل روڈ، فیروز پور روڈ، مال روڈ، چوبرجی، نیلا گنبد، لبرٹی مارکیٹ گلبرگ، برکت مارکیٹ، گارڈن ٹاؤن، مون مارکیٹ علامہ اقبال ٹاؤن، ریلوے اسٹیشن اور دوسرے بارونق علاقوں میں جسم فروش لڑکیاں اور عورتیں اپنے گاہکوں کی تلاش میں گھومتی پھرتی نظر آتی ہیں۔

ریما---ایک رات---دو لاکھ روپے

فلمی حسینائیں خصوصاً بازار حسن کا پس منظر رکھنے والی اداکارائیں بھی کسی سے وفا نہیں کرتیں۔ ایسے واقعات شاذونادر ہیں کہ ان عورتوں نے کسی سے وعدے نبھائے ہوں ان دنوں ریما بھی جسے لاکھوں نوجواں دلوں کی دھڑکن ہونے کا دعویٰ ہے، خود بھی رسوائے زمانہ سیاست دان شیخ رشید پر بری طرح ریجھی ہوئی ہے اور ممکن ہے کہ اس کی پسند بالآخر عشق کے درجہ کو چھو لے اور دونوں میں کوئی مستقل بندھن قائم ہو جائے۔

وفاقی دارالحکومت اسلام آباد کے ایک انگریزی ہفت روزہ (Pulse) کے مطابق شیخ رشید نہ صرف منہ پھٹ ہونے کے لحاظ سے معروف ہے بلکہ غیر ملکی دورے بھی اس کی ایک کمزوری سی بن گئے ہیں غیر ممالک میں ہمارے سفارتی دفاتر اس منہ پھٹ انسان سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں کیونکہ انہیں اس کے چھوڑے

ہوئے بل اور وعدہ وعید خود پورے کرنا پڑ جاتے ہیں۔ 13 جولائی 1993ء کو اس نے اداکارہ کو دو لاکھ روپے کی ایک رقم کی ادائیگی کی۔

اس امر کو آپ شیخ رشید کی قسمت کہہ لیجئے کہ اس رقم کی ادائیگی کے صرف چھ دن بعد اس وقت کے وزیراعظم میاں نواز شریف کو اپنے اقتدار سے ہاتھ دھونا پڑا اور وہ 19 جولائی کو وزارت عظمیٰ کے عہدہ سے دستبردار ہو گئے۔ تفصیلات کے مطابق گمی کارپوریشن آج بھی اتنی خوشحال ضرور ہے کہ نیشنل فلم ڈویلپمنٹ ایوارڈ کے نام پر بھاری بھرکم رقوم بطور عطیہ دے سکے۔ اسی نے ریما کو بھی رقم کی



ریماجی جان چھوٹ جانے کی خوشی منا رہی ہیں

ادائیگی کی جو مبینہ طور پر ٹلی کی ساتھی کا کردار ادا کرتی رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ میاں نواز شریف کے لئے دن بھر شدید "محنت" کرنے والے ٹلی کو رات آرام سے گزارنے کا موقع ملنا چاہیے تھا تاکہ وہ تازہ دم ہو کر اگلے دن کی "محنت مشقت" کے لئے تیار ہو سکے۔ جس چیک کے ذریعہ ریما کو ادائیگی کی گئی اس کا نمبر 82447124 ہے اور یہ چیک یونائیٹڈ بنک کی دیال سنگھ برانچ نے کیش کیا۔ خیال رہے کہ اس بنک میں گمی کارپوریشن کے اکاؤنٹس جمع ہیں۔ دریں اثناء ریما نے ایک

بیان میں کہا کہ ان دنوں میں اس امر پہ سنجیدگی سے غور کر رہی ہوں کہ فلموں کی رات کی شوٹنگ میں کام کرنا بند کر دوں۔ اس فیصلہ پر عمل درآمد کے بعد ممکن ہو گا' ریما صرف دن کی شوٹنگ کو کیوں ترجیح دینے لگی ہے اور اسے رات کی شوٹنگ سے کیا خوف محسوس ہوتا ہے یہ کوئی نفسیاتی مسئلہ نہیں بلکہ خالصتاً مالیاتی معاملہ ہے۔ ریما اگرچہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ ایک تو دن رات شوٹنگ میں حصہ لینے سے صحت پر برا اثر پڑتا ہے دوسرے معاشرتی طور پر انسان سب سے کٹ کر رہ جاتا ہے۔ دن رات کام کی مصروفیت کے باعث سماجی سرگرمیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ کہیں آنا جانا ممکن نہیں رہتا۔ لیکن ریما رات کی شوٹنگ سے صرف "سماجی سرگرمیوں" کے لئے دستبردار نہیں ہو رہی۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ راتوں کو کبھی شوٹنگ کا معاوضہ اس حد تک نہیں پہنچتا جیسا کہ ایک رات کی مصروفیات سے دو لاکھ روپیہ مل جاتے ہیں۔ اس شرح سے دیکھا جائے تو ریما صرف 50 راتوں میں ایک کروڑ روپیہ کما سکتی یا کما لیتی ہے' چنانچہ اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ راتوں کو فلموں کی شوٹنگ میں ماری ماری پھرے اور اپنی "صحت" کو داؤ پر لگائے۔ پھر یہی نہیں کہ اس کی بعض راتیں بہت "قیمتی" ثابت ہوتی ہیں بلکہ یہ بھی ہے کہ راتوں کو کوٹھیوں اور بنگلوں میں جو مجرے ہوتے ہیں ان کی آمدنی بے انداز رہتی ہے۔ ان مجروں میں اس پر چاروں طرف سے کرنسی نوٹ برستے ہیں۔ چونکہ اسے مدعو کرنے والے امیر کبیر لوگ ہوتے ہیں اس لئے وہ رقمیں لٹانے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتے۔ اب اگر ریما راتوں کو شوٹنگوں میں لگی رہے تو مجروں کا "زرخیز" کاروبار بری طرح متاثر ہوتا ہے اس لئے اسے واقعی سنجیدگی سے یہ طے کرنے کی ضرورت ہے کہ اپنی راتوں کا معاوضہ فلموں کی شوٹنگ میں گنوانے کی بجائے مجروں اور ملاقاتوں سے ایک ہی رات میں لاکھوں روپے کما لے۔ انکم ٹیکس والوں کے لئے یہ ایک قابل غور پہلو ہے بہرحال چونکہ ریما کی شہرت و دولت کا آغاز فلموں سے ہوا ہے اس لئے وہ انہیں مکمل طور پر چھوڑ دینے کا قطعاً کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ اس کا کہنا ہے کہ رات کو شوٹنگ میں کام کرنا ہی پڑا تو میں اپنے رویہ میں لچک رکھوں گی اور ایمرجنسی کی صورت میں رات کو بھی کام کروں گی۔

ریما ان دنوں تو بہت مصروف ہو گئی ہے۔ لیکن جب مصروف نہ تھی تو اس کا یار طبلے سارنگی اور ہارمونیم والوں کا طائفہ ایک یا سوا لاکھ روپے لے کر ایک شہر سے دوسرے شہر جایا کرتا تھا۔ کراچی والوں نے ان دنوں جب ریما کی پتنگ سارے ہی رنگوں میں رنگی اڑ رہی تھی' بے پناہ "مجرے" کرائے۔

ریما ایک دن مجرے کے اور دو دن تحفے خریدنے کے نام پر تین دن لگا کر لاہور لوٹتی تھی۔ ریما جی کو "گود" بھر کر تحفے لینے اور پانے کا رواج اس شہر سے صحیح معنوں میں ملا۔ اب وہ جب بھی آتی ہے پہلے شاپنگ کی بات طے کر لیا کرتی ہے۔ اس شہر میں "گود" اور یوں کہا پورا ہو جاتا ہے جیسے ساون کے دنوں میں بادل ادھر آیا ادھر گیا۔

سابقہ حکومت کے ایک مزاحیہ دور والے وزیر تو جب موقع ملتا تو ریما کو یاد کرتے اور اگر وہ خود کسی ایسی محفل میں دیر سے آئے جس کی صدارت وہ کر رہے ہوں تو اسے "جھاڑ" بھی دیتے کہ ایسے لوگ اتنی تاخیر کے باوجود ان کی راہ دیکھتے ہیں۔ دراصل ان دنوں حکومت جانے تک وزیر صاحب اور ریما کی نوک جھونک بھی بھر کر چلی تھی۔ دونوں ایک دوسرے پر جو وار کرتے تھے وہ ایسا معلوم ہوتا کہ بڑی طے شدہ ریہرسل کے بعد کئے گئے ہیں۔ یہ سلسلہ دراز ہوتا جا رہا تھا کہ ریما کی خوش قسمتی کہیے کہ نہ صرف وزیر صاحب بلکہ ان کی حکومت بھی چلی گئی۔ ویسے وہ وزیر اب بھی "ریما" کی تصویریں ادھر ادھر اوپر کی جیب میں رکھتے سنے گئے ہیں۔ اب ہر کوئی تو ایسا ہے نہیں کہ ان کو قریب پانے کے لئے فلم بنانے کا دھندا شروع کر دے اور دس بیس لاکھ داؤ پر لگا دے اس لئے پہنچ والے لوگوں کی تعداد "زینت" کے

دروازں تک کچھ بہت زیادہ ہو نہیں پا رہی۔

ریما کی نانی کی طرف سے ریما کو اجازت ہے کہ بے بی تم جب چاہو اصل نسل آدمی دیکھ کر شادی کر سکتی ہو۔ اصل نسل آدمی وہ ہوتا ہے جو جاگیردار' وڈیرہ یا صنعت کار ہو۔ ویسے کئی صنعت کار صرف مدعائے تمنا ریما تک لے کر پہنچے بھی' لیکن نانی نے ریما کو یہ بات اصول کے طور پر بتا دی کہ ان لوگوں سے شادیاں عارضی ہوا

کرتی ہیں سال دو سال تین سال اور پھر واپسی بھیجی ہے۔ البتہ پاٹ' مربے' حویلیاں جتنے سال رہو گی اتنی ہی زیادہ لے کر آؤ گی۔ اولاد کے یہ لوگ قائل نہیں اس لئے یہ مسئلہ تم کو تنگ نہیں کرے گا کیونکہ وڈیرہ' زمیندار جس کی ہو کر جاؤ گی' وہ پہلے ہی خاندانی بیوی رکھتا ہو گا۔ اس خاندانی بیوی کو بچانے کے لئے وہ تم کو اپنی سارے خاندان والوں سے الگ رکھے گا پھر ایک دن یہ ساتھ ٹوٹ جائے گا ایسا ہوتا ہی ہے۔ ہوتا ہی رہتا ہے۔

ریما کی نانی نے ہر طرف سے ہوشیار خبردار کر دیا ہے۔ اس لئے وہ نہ بھٹک رہی ہے۔ نہ اٹک رہی ہے' جدھر جاتی ہے تلوار کی طرح پار ہو جاتی ہے۔ اس کی اڑان بھی ایسی ہے کہ اڑتے اڑتے من چاہے تو پر گن لو' آسمان میں کھو جانا اس نے نانی اماں سے سیکھا ہی نہیں۔ نانی کہتی ہے۔ "پرندہ وہ اچھا کہ جہاں چاہے بیٹھے اور دانہ دنکا چگ لے اور پھر اپنے ہی پنجرے کی طرف لوٹ آئے۔"

ریما کے مجرے تو ہر شب چلتے ہیں۔ اگر کسی مجرے میں جو ریما کے خاندان والوں کی طرف سے کیا گیا ہو اور اس میں ریما موجود نہ ہو تو دو لفظوں میں بتا دیتے ہیں کہ بے بی شوٹنگ پر ہیں جیسے ہی وہاں شاٹ اوکے ہوا فوراً ادھر آ جائیں گی۔

مدیحہ شاہ

روبی رضا عرف مدیحہ شاہ عرف مدھو کے بارے میں ایک صنعت کار سید واجد علی شاہ نے بعض انکشافات کر کے لوگوں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ سید واجد علی شاہ نے بتایا کہ مدیحہ سے ان کی پہلی ملاقات پیر پگاڑا کے صاحبزادے کے ہاں ایک "برتھ ڈے" پر ہوئی۔ اس ملاقات کے بعد مدیحہ میرے پیچھے پڑ گئی اور میرے ساتھ ہر قسم کے تعلقات روا رکھے۔ مدیحہ نے جس کا اصل نام روبی رضا ہے' مجھے کہا کہ میں شرافت کی زندگی اختیار کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اس کی خواہش کو صرف "بچپن کی سوچ" کے انداز میں لیا۔ لیکن اسے لفظ "شاہ" کی بے حرمتی کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ مدیحہ آج جن حالات میں ہے۔ جسے وہ عزت سمجھتی ہے یا شہرت------ میں اسے کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

فلمی حلقوں میں سید واجد علی شاہ کے بیان سے اٹھنے والے سوالات کا جواب دیتے ہوئے سید واجد علی شاہ نے کہا کہ آپ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ پاکستان میں صرف ایک فیصد افراد اعلیٰ قسم کی تماش بینی کے متحمل ہیں۔ مجھے اکثر یہ پتہ چلتا رہا ہے کہ اس وقت مدیحہ کس ہوٹل میں کس وزیر کے ساتھ ہے۔ اس ایک فیصد طبقہ میں میرے دوست ہیں۔ اگر میں نے مدیحہ کو بدنام یا پریشان کرنا ہوتا تو میں اس کے دوستوں اور گاہکوں کی فہرست بلکہ انتہائی طویل فہرست اخبارات کو اشاعت کے لئے جاری کر دیتا۔ سید واجد علی شاہ نے کہا مجھے تو یہ علم نہیں کہ شوبزنس کی دنیا میں تماشائی صرف "کنواری" دوشیزاؤں کو پسند کرتے ہیں۔ میں تو یہ جانتا ہوں کہ شوبزنس میں آجانے والی لڑکی کبھی کنواری نہیں رہتی۔

"جن" اندر........."پریاں" باہر

نادہندگان سیاست دانوں کے فلمی ہیروئینوں سے تعلقات اور نوازشات کی کہانی

احتساب آرڈیننس 1999ء جاری ہو چکا اور قومی خزانہ لوٹنے والوں اور بینکوں کے نادہندگان سے رقوم کی واپسی کا عمل بھی شروع ہو گیا۔ کچھ نے رقوم جمع کرا دیں' کچھ پکڑے گئے' باقی بھاگ گئے جن کی پکڑ دھکڑ کے لئے ایجنسیاں حرکت میں ہیں مگر ایسے لوگ ہیں جنہوں نے یہ دولت کسی کاروبار میں لگانے کی بجائے ذاتی عیاشیوں پر اڑائی اور فلمی دنیا کی پریوں پر نوازشات کی بارش کی رقم کہاں سے واپس لائیں' ان کی یہ رقوم تو پریوں کے عالی شان گھروں کی خریداری' تزئین و آرائش' زیورات و ملبوسات اور نئے ماڈل کی کاروں پر خرچ ہو گئی۔ ملک و قوم کو لوٹنے والے "جن" احتسابی شکنجے میں آئے اور اندر ہو گئے' ان کے مال پر اڑنے والی پریوں نے دوسرے بے وقوفوں کی تلاش شروع کر دی' شاید انہیں کوئی اور مل جائے مگر وہ جن اپنا سرمایہ اب ان غیر پیداواری فیکٹریوں سے واپس نہیں نکلوا سکتے۔ اثاثے بیچ کر سرکاری خزانے میں روپیہ جمع کرائیں گے تب ہی خلاصی ہو گی۔ جنوں اور پریوں کے درمیان ہونے والے لین دین کی کوئی رسید نہیں کوئی Deed نہیں اس لئے پریاں

آزاد ہیں۔

آئیے یہاں کچھ ایسی پری زاد اداکاراؤں کا ذکر کر جائیں جن کے باوثوق ذرائع کے مطابق ایسے سیاست دانوں سے بڑے گہرے اور قریبی تعلقات رہے جو اس وقت کڑے احتساب کی زد میں ہیں۔

ریما کو چونکہ نمبرون رہنے کا تجربہ فلمی دنیا ہی سے تھا۔ "بلندی" نے انہیں بلندیوں پر پہنچا دیا اور پھر وہ میدان کی ہر بلندی پر پہنچنے کی عادی ہو گئیں۔ چند روز......... قبل ریما نے بیان دیا تھا کہ اداکاروں کا بھی احتساب ہونا چاہیے تو آغاز انہی سے کرتے ہیں۔

ریما ہمیشہ سے ہی مسلم لیگی رہنماؤں کی بڑی منظور نظر رہیں اور فلم نگری کے بڑے اہم لوگوں کا کہنا ہے کہ ریما کے شیخ رشید سے بڑے گہرے تعلقات اس وقت استوار ہوئے جب وہ ثقافت کے وزیر تھے۔ بعد ازاں ان کی جیل بندی یا کسی دوسری وجہ سے ان مراسم میں دراڑ پڑ گئی اور ریما ایک پورے صوبے کے "مالک" یعنی وزیر اعلیٰ کو بھا گئیں اور وہ تو تھا بھی صوبے کا مالک۔ دل والا بلکہ کھلے دل والا۔ 70 زینت بلاک کا بنگلہ نما مکان اسی کھلے دل کی ترجمانی کرتا ہے۔ اگر ریما اس امر سے انکار کرتی ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کو اس وقت جو معاوضہ ملتا تھا وہ لاکھوں نہیں بلکہ ہزاروں میں تھا' تو اتنے معاوضے سے اگر ایک پائی بھی خرچ نہ کی جائے تو پھر کہیں جا کر' برسوں میں ایسا مکان بن سکتا ہے' اور اس میں لاکھوں روپے کا فرنیچر رکھنے کے لئے اتنے ہی سال مزید درکار ہوں گے' لیکن ریما نے تو لاہور کے مہنگے ترین علاقے ماڈل ٹاؤن کے P بلاک میں 54 نمبر بنگلہ بھی بنا لیا' جس کا پتا وہ کسی کو نہیں بتاتی' البتہ عدالتی سمن کے لئے ریما نے زینت بلاک والے گھر کو فروخت کرنے کا اعلان کیا ہے تاکہ "نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری" حالانکہ شوٹنگ کے دوران ریما چند گھنٹوں کے لئے اس مکان میں ٹھہرتی ہے۔ اس وقت ریما کے پاس تین کاریں ہیں جن میں اس کے زیر استعمال نئی ہنڈا وی ٹی آئی ہے۔ ریما کی آج تک بننے والی فلموں کے پورے کے پورے معاوضے اگر جمع کئے جائیں تو بھی اس کا عشر عشیر نہیں بنتے' جتنی پراپرٹی کی وہ مالک ہے۔ اب ریما بتائیں کہ احتساب ہونا

چاہیے یا نہیں۔

باکمال لوگوں کی سروس بڑی لاجواب ہوتی ہے۔ اب یہ سروس ریشم نے سر انجام دی یا شاہد خاقان عباسی (سابق چیئرمین پی۔ آئی۔ اے) نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ریشم کے بارے میں فلمی دنیا کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ریشم پرائیویٹ مجرے نہیں کرتی اور دوستی نبھانے میں اچھی شہرت رکھتی ہیں۔ البتہ دوستوں میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے بے شمار دولت۔ لاہور کے پوش علاقے کے ایک خوبصورت بنگلے میں رہنے والی اور نئی کرولا اور ہنڈاکار میں گھومنے والی ریشم کی بہت زیادہ فلمیں ریلیز نہیں' اور ہٹ فلمیں تو شاید گنتی کی ہوئی ہیں' پھر یہ دولت کی ریل پیل۔۔۔۔ شاید یہ دولت اور ٹھاٹھ باٹھ وراثت میں پائے ہوں۔ بہرکیف اب دیکھتے ہیں کہ دوستی نبھانے میں اچھی شہرت رکھنے والی ریشم' لاجواب دوستی کرنے والی باکمال لڑکی ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔

خوشبو جو مہکیں تو ان کی مہک نے کراچی کے ایک ممبر پارلیمنٹ اسلام الدین شیخ کو معطر و معبر کر دیا۔ اسلام الدین شیخ نے خوشبو سے شادی رچالی' انہیں کراچی میں فلیٹ لے دیا۔ لاہور میں گارڈن ٹاؤن کی کوٹھی بھی دلائی اور اب ڈیفنس میں بھی گھر بنوا کر دے رہے تھے کہ۔۔۔۔۔۔! باوثوق ذرائع کے مطابق خوشبو اسلام الدین کی بچی کی ماں بھی ہے۔ البتہ خوشبو نے بھی حکومت کی تبدیلی سے چند روز قبل اسلام الدین شیخ سے علیحدگی اختیار کرلی۔ شاید وہ اس کی خوشبو محسوس کر چکی تھیں اور اس لئے انہیں بے چارے ارباز خان کا سہارا لینا پڑا۔

مذکور بالا تین اداکارائیں بے مثال ہیں۔ اسی وجہ سے ان کی مثال دی گئی ورنہ اور بھی تو کئی ہیں جو سیاست دانوں کو اپنی زلفوں کا اسیر بنا کر ان کے ذریعے سے

قومی خزانہ لوٹ رہی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ البتہ اگر حکومت ڈیفالٹرز کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتی ہے تو اسے فلمی پریوں سے رابطہ کرنا چاہیے' کیونکہ وہ بتا سکتی ہیں کہ قومی دولت لوٹ کر عیاشیوں پر لٹانے والے اور کون کون سے چہرے ہیں۔

❁

معروف اداکارہ سیاں کے انٹرویو سے ایک اقتباس

سوال: اچھا اب آپ یہ بتایئے کہ آپ کے پاس کس قسم کے لوگ آتے ہیں اور طوائف زادیاں کن کن اور کس قسم کے لوگوں کی بیٹیاں ہوتی ہیں؟

جواب: یہ تو ظاہر ہے کہ ہمارے پاس کسی غریب کے آنے کا کیا سوال۔ جاگیردار' نواب' سرمایہ دار اور مالدار لوگ ہی ہمارے ہاں آتے ہیں۔ ہر مالدار شخص کسی نہ کسی انداز میں اس بازار کے ساتھ ضرور وابستہ ہوتا ہے۔ ماضی میں تو یہ لوگ کوٹھوں پر آکر گانا سنتے تھے مگر اب کوٹھیوں میں بلا لیتے ہیں۔ ایک سابق وزیراعظم کی بیٹی کا نام فرح ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس کی شادی ایک معروف اداکارہ بابرا کے بھائی سے ہوئی ہے۔ کسی زمانے میں فرح کی والدہ زاہدہ سلطانہ معروف سنگر تھی۔ اس سنگر کے ساتھ وزیراعظم نے تعلقات پیدا کر لئے' جس کے نتیجہ میں فرح پیدا ہوئی۔ اب ہمارے علم کے مطابق تو فرح سابق وزیراعظم کی بیٹی ہے مگر سابق وزیراعظم تو اسے قبول نہیں کریں گے۔ اگر سابق وزیراعظم اپنی اس بیٹی کو یہاں سے لے جاتے تو ظاہر ہے اس کی شادی بابرا کے بھائی سے نہ ہوتی۔ اس قسم کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کئی وزراء گورنروں اور اراکین اسمبلی کے علاوہ بہت سے شرفاء کی اولاد یہاں پائی جاتی ہے۔ میں پھر کہتی ہوں کہ جعلی شرفاء اپنی اولاد کو یہاں سے لے جائیں تو بازار حسن خود بخود بند ہو جائیں گے۔

(بشکریہ موون ڈائجسٹ)

(ماہنامہ چیف ٹائمز لاہور۔ فروری 2000ء)

مآخذ

کتابیات

- شہاب نامہ — قدرت اللہ شہاب
- مینڈا سائیں — تہمینہ درانی
- سیاست دانوں کی جبری نااہلیاں — احمد سلیم
- جنرل یحییٰ خان، شخصیت اور سیاسی کردار — منیر احمد
- دختر مشرق — بے نظیر بھٹو
- مدھوبالا — موہن دیپ
- بھٹو دی پولیٹیکل بائیو گرافی — سلمان تاثیر
- Beyond Belief — وی ایس نیپال
- جو میں نے دیکھا (راؤ عبدالرشید) — منیر احمد منیر
- فرزند پاکستان — شیخ رشید احمد
- نور جہاں اور میں — احمد منیر
- اس بازار میں — شورش کاشمیری
- عورت گناہ کی سطح پر — سلطان شاہد
- ننگ وطن — ایم ایس رانا

- معاشقے
- بازار حسن
- عمران خان سیاست کے میدان میں
- شرمیلا فاروقی اور احتساب ڈرامہ
- پاکستان کے متنازعہ سیاست دان
- ولی خان جواب دیں
- لوح ایام
- چوراہا

ماہنامہ

- لباس انٹرنیشنل
- نئی دنیا
- اردو ڈائجسٹ
- قومی ڈائجسٹ
- مون ڈائجسٹ

ہفت روزہ

- نیوز ویک
- ٹائم
- ایشیا ویک
- فرائیڈے اسپیشل
- پلس
- تکبیر

قیصر زیدی
مسعود احمد
شہناز وقار
سید اظہر فرید
مجاہد حسین
ضیاء شاہد
مختار مسعود
حسن نثار

- زندگی
- اخبار جہاں
- فیملی
- زنجیر
- وجود
- پاکیشیا
- حرمت
- احوال
- سیاسی لوگ
- فرائیشیا
- افریشیا
- میڈیا ٹائمز

روزنامہ

- ڈیلی ایکسپریس
- ڈیلی میل
- دی سن
- سنڈے ایکسپریس
- ہیرالڈ
- خلیج ٹائمز
- پاکستان لنک
- پاکستان ٹائمز

میرے وطن کی سیاست کا حال مت پوچھو
گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

پارلیمنٹ سے بازارِ حُسن تک

نیکی، قانون پسندی اور فرض شناسی کا درس دینے والے رہبرانِ قوم
کے کالے کرتوتوں کی کہانیاں

نوجوان صحافی ظہیر [illegible] تاریخی قلم سے